رسالہ

مسئلہ کشمیر

اور

ہندو مہاسبھائی

...لم

...ین صاحب

تعداد طبع دو ہزار

...بر ۳۶ء)

...یف و اشاعت قادیان (پنجاب)

کتبہ قاضی نور محمد خوشنویس

قمر الدین مشین مین امرتسری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (※) نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسئلۂ کشمیر

اور

ہندو مہاسبھائی

تمہید ملک کو جس قسم کے سوراج کی ضرورت ہے۔ وہ عدم تعاون، قانون شکنی اور نمک سازی سے نہیں ملے گا۔ اور نہ ہی بم بنانے اور پستول چلانے سے حاصل ہوگا حقیقی آزادی اور پورن سوراجیہ اُسی وقت ملے گا جبکہ ہندوستانی باہمی اختلافات کو خیرباد کہدینگے، مغائرت اور منافرت کے خیالات ترک کردینگے، اور نفاق کی بجائے اتفاق اور عداوت کی جگہ الفت و محبت سے کام لیں گے، اور ملک کی بہبودی کی خاطر ایک مرکزی نقطہ پر جمع ہو کر سوراج کے لئے متحدہ و متفقہ مطالبہ کرینگے۔ لیکن جب تک ان میں کتا چھینی رہے گی اس وقت تک سوراج کا ملنا محال اور قطعی محال ہے، خواہ کانگرسی مہاسبھائی اور سماجی ہندو کتنی ہی کوشش کریں اور ایڑی چوٹی

تک کا زور لگا دیں، وہ اپنے مقصد میں کبھی اور کسی صورت میں کامیاب نہیں ہو سکتے،

اگر سول نافرمانی اور پکٹنگ بازی سے سوراج مل سکتا۔ تو اس وقت تک ملک کو ضرور آزاد ہو جانا چاہیئے تھا۔ اگر قانون توڑنے اور جیلیں بھر دینے پر ہی آزادی کا انحصار ہوتا تو یہ یقینی بات ہے۔ کہ اس وقت ہمارا ملک سوراج کی نعمت سے مالا مال ہو چکا ہوتا،

ہاں ہاں اگر بم بنانے اور پسٹل چلانے سے ملک کو حکومت خود اختیاری مل سکتی تو یقیناً یقیناً آج ہر ایک ہندوستانی کرۂ آزادی میں سانس لیتا نظر آتا۔ لیکن چونکہ اس وقت تک ملک کی زنجیرِ غلامی نہیں ٹوٹی۔ اور وہ بدستور غیر قوم ہی کے قبضہ و تحت میں ہے اس لئے ماننا پڑے گا۔ کہ اس قسم کے امن شکن حربے سوراج نہیں دلا سکتے،

کانگرسی ہندو یا انارکسٹ ہندو ایک بار نہیں ہزار بار اس قسم کے تجربے کر کے دیکھ لیں، جیلیں بھر کے دیکھ لیں، بم بنا کر دیکھ لیں، ریوالور چلا کر دیکھ لیں نہتے اور بیگناہ لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر دیکھ لیں، نتیجہ ہمیشہ صفر ہی نکلے گا۔

ہاں اگر یہ لوگ اس قسم کے تخریبی افعال کی بجائے ملک کی مختلف قوموں کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش کرتے، ان میں اتفاق و اتحاد کا جذبہ پیدا کرتے، ان کو یکجہتی اور رواداری کی تعلیم دیتے، اور انہیں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنا سکھلاتے، تو ایسی حالت میں یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کہ حکومت وقت ہندوستانیوں کی خواہشات کے آگے سر تسلیم خم نہ کرتی،

سوراج سے پہلے تصفیہ حقوق ضروری ہے

گورنمنٹ ہندوستانیوں کو اسی وقت زمامِ حکومت سپرد کرے گی جبکہ ان میں اس کام کی صلاحیت پیدا ہو گی، اور یہ صلاحیت تبھی پیدا ہو گی جس وقت کہ ہندوستان میں بسنے والی ہر ایک قوم، جماعت اور جاتی کے سیاسی و ملّی حقوق کا منصفانہ فیصلہ ہو جائے گا اور اقلیتیں اکثریت کی طرف سے مطمئن ہو جائیں

اور انہیں یقین آجائے۔ کہ سوراج ملنے کے بعد اکثریت ہمارے نشوو ارتقا میں کسی قسم کی روکیں پیدا نہ کرے گی۔

پس سوراج حاصل کرنے کے لئے سول نافرمانی اور قانون شکنی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ باہمی اتحاد، اور تصفیہ حقوق کی ضرورت ہے، اور جس وقت بھی یہاں نفاق وافتراق کی جگہ اتحاد و اتفاق قائم ہوگیا، اور اکثریت اقلیتوں کے جائز اور واجبی حقوق تسلیم کرنے پر رضامند ہوگئی۔ سمجھو کہ سوراجیہ وہ پڑا ہے،

اور یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں۔ خود سمجھ دار ہندو بھی یہی کچھ کہہ چکے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے عیاں ہے :۔

ہندو لیڈروں کا اقبال کہ بغیر تصفیہ حقوق سوراج نہیں ملیگا

لالہ رام پرشاد صاحب کا بیان "اس میں شک نہیں کہ جب تک ہندو مسلمانوں میں کشیدگی بنی رہیگی۔ سوراجیہ کی کسی قابل عمل سکیم کا تیار ہونا نہایت مشکل ہے"۔[1]

دیش بندھو داس کا ارشاد "میرا یہ زبردست دعویٰ ہے۔ کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں۔ کہ مختلف اقوام سوراجیہ کے لئے مل کر کام کریں۔ تو ان کے باہمی اختلافات کی بابت کوئی نہ کوئی مفاہمت ضرور ہونی چاہیئے"۔ (تیج دہلی ۲ جنوری ۱۹۲۴ء)

اور لالہ لاجپت رائے انجہانی تو جوش میں آکر یہاں تک کہہ چکے ہیں کہ:

لالہ لاجپت رائے کی رائے "میں وزیر ہند کو یقین دلادوں۔ کہ جس گھڑی ہمارے فرقہ وارانہ اختلافات

[1] تیج دہلی ۱۵ فروری ۱۹۲۵ء

دور ہو جائیں گے۔ اس کے بعد تلوار کی یہ حکومت ایک ہفتہ بھی قائم نہیں
رہ سکتی"   (اخبار پرتاپ لاہور، ۷ جولائی ۲۵ء ص ۴)

ہم نہیں سمجھ سکے۔ کہ جب سوراج کی کُنجی، کامیابی کا گُر اور آزادی کی راہ یہی ہے اور ملک کی بہبود و نجات بھی اس میں ہے۔ کہ باہمی اختلافات دور ہو جائیں۔ تو پھر برادرانِ وطن کیوں آگے نہیں بڑھتے۔ اور تصفیہ حقوق کا سوال حل کرنے سے کیوں ہچکچاتے ہیں؟

جب سوراج کا انحصار باہمی اتحاد اور تصفیہ حقوق پر ہے۔ تو کیا ایسی حالت میں ہندو اکثریت کا فرض نہیں۔ کہ وہ دوسری قوموں کی طرف اتحاد کا ہاتھ بڑھائے۔ اور انکے حقوق کو تسلیم کرتی ہوئی انہیں ہر طرح کا اطمینان دلائے اور باور کرا دے۔ کہ سوراج مل جانے پر ان کے حقوق پر کسی قسم کی ضرب نہیں لگائی جائے گی۔ اور نہ ہی ان کی ترقی میں کسی قسم کی اڑچنیں ڈالی جائیں گی،

جب بقول ایڈیٹر صاحب اخبار تیج اکثر ہندوؤں کا یہی خیال ہے۔ کہ:۔

"سوراجیہ ہندوستان کو اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک ہندو مسلمان مل کر اس کے لئے جدوجہد نہ کریں، (کیونکہ) ہندوؤں نے کافی قربانیاں کیں۔ مگر انکی کوئی پیش نہ گئی"   (تیج دہلی ۲۳ اگست ۲۶ء ص ۲)

تو پھر کیوں ہندو تصفیہ حقوق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اور ایک غلط، گمراہ کن اور امن کُش راہ اختیار کر کے خود بھی تکلیفیں اٹھاتے ہیں، گورنمنٹ کو بھی پریشان کرتے ہیں اور اپنے ہمسائیوں کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتے،

مسٹر رنگا آئر کا مشورہ

جس حالت میں کہ مسٹر رنگا آئر جیسے ہندو مدبر کہہ چکے ہیں۔ کہ:۔

"ہندو اکثریت کو اقلیتوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیئے" (ہمدم لکھنؤ ۲۵ء ص ۱)

تو پھر کیوں اکثریت اس کی طرف دھیان نہیں دیتی؟ جب ہندو لیڈر تسلیم کرتے ہیں

کہ حکومت ہماری اسی کمزوری (عدم تصفیہ حقوق) سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ جیسا کہ مسٹر گپتا پرشاد ممبر لیجسلیٹو اسمبلی نے فرمایا۔ کہ :-

مسٹر گپتا پرشاد ممبر اسمبلی کی رائے

"حکومت ہماری کمزوری اور بے اتفاقی کا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ ہم کئی سال سے سوراجیہ سوراجیہ چلا رہے ہیں۔ لیکن ہم نے ابھی تک کوئی ایسی اسکیم بھی مرتب نہیں کی۔ جس سے کہ ہمارے آپس کے تعلقات کا تصفیہ ہو سکے۔"

(پرتاپ ۱۷ جولائی ۱۹۲۵ء)

کانگرسی اور مہا سبھائی تصفیہ حقوق کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوتے

تو پھر کیوں یہ لوگ ایسی اسکیم مرتب کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جو ملک کی مختلف قوموں اور جماعتوں کے حقوق کا منصفانہ فیصلہ کر دے۔ تاکہ ہر ایک قوم اور جماعت مطمئن ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو جائے اور متحد طور پر سوراج کا مطالبہ کرے،

جب خود یہی لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہوئے بغیر سوراج نہ ملیگا۔ جب انہیں اقرار ہے۔ کہ بغیر مسلمانوں کی اعانت کے ملک کو آزادی نہیں مل سکتی، اور برٹش گورنمنٹ اس وقت تک ملک کو حکومت خود اختیاری کا چارٹر نہ دے گی، جب تک کہ ملک کی تمام جماعتوں اور فرقوں کے حقوق کا تصفیہ نہ ہو جائے۔ اور اکثریت اقلیتوں کو مطمئن نہ کر دے۔ تو پھر ہم نہیں سمجھتے۔ کہ کانگرسی، مہا سبھائی، آریہ سماجی اور دوسرے ہندو اس اصل کی طرف کیوں نہیں آتے۔ اور تصفیہ حقوق کے سوال کو جو تمام سوالات سے زیادہ اہم، ضروری اور قابلِ توجہ ہے حل نہیں کرتے،

جس حالت میں کہ یہ لوگ خود ہی بتلاتے ہیں۔ کہ ہماری یہی کمزوری ہے۔ جس سے گورنمنٹ فائدہ اٹھا رہی ہے، اور ہماری چیخ پکار اور کافی "قربانیاں" بھی اسکو نہیں

جھکا سکیں۔ تو کیا ایسی حالت میں ضروری نہیں۔ کہ یہ لوگ سب کام چھوڑ کر بھی اس طرف متوجہ ہوں۔ اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک کہ تمام جماعتوں اور فرقوں کے حقوق کا بٹوارا نہ کر لیں؛

اگر سوراج ملنے میں یہی چیز روک ہے۔ اور اسی کی بدولت ہمارے قومی مقاصد کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ تو پھر کیوں نہیں اسی روک کو دور کیا جاتا! اور مسلمانوں، اچھوتوں، عیسائیوں اور دوسری قلیل التعداد قوموں کے حقوق تسلیم کرتے ہوئے انہیں اطمینان دلایا جاتا؟

مہاسبھائیوں کا بیہودہ عذر اور اس کا جواب

ہم جانتے ہیں۔ کہ اس موقعہ پر کہنے والے کہدیا کرتے ہیں۔ کہ "جس حالت میں ملک کی باگ ڈور انگریز کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہی سیاہ وسفید کا مالک ہے۔ اور ہر ایک چیز اسی کے قبضہ میں ہے۔ تو کس طرح ہندو اکثریت مسلمانوں، اچھوتوں اور دوسری اقلیتوں کو کچھ دے سکتی ہے؟ جب ہندوؤں کے پاس کچھ ہے ہی نہیں تو وہ دوسروں کو دے کہاں سے۔ ہاں جب ہندوؤں کو کچھ مل جائے گا۔ تو پھر وہ دوسروں کے مطالبات بھی پورے کر سکتے ہیں"!

ہم مانتے ہیں۔ کہ اس وقت ہر قسم کا اقتدار و اختیار انگریزوں کے ہاتھ میں ہے اور یہ بھی ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اس وقت ہندوؤں کے قبضہ و اختیار میں وہ شئے نہیں۔ جو مسلمان، اچھوت، عیسائی، پارسی اور باقی اقلیتیں طلب کرتی ہیں۔ مگر یہاں تو یہ سوال ہی نہیں۔ کہ ہندو اکثریت اقلیتوں کو یہ کچھ دیدے۔ بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ وہ ان قوموں کے واجبی اور جائز حقوق تسلیم کرلے۔ مسلمان، اچھوت اور باقی قومیں ہندوؤں سے کچھ مانگتی نہیں۔ بلکہ اپنا حق منواتی ہیں۔ پس اس وقت لینے دینے کا سوال نہیں۔ بلکہ ماننے اور تسلیم کرنے کا سوال ہے، ہاں اگر اقلیتیں یہ مطالبہ کریں

کہ ہم ہندوؤں کا ساتھ تبھی دیں گی۔ جبکہ وہ ہمیں یہ کچھ دیدیں۔ تب تو یہ کہا بھی جا سکتا تھا۔ کہ ہمارے پاس کیا رکھا ہے۔ جو تمہیں دیں۔ لیکن جب ان کا یہ مطالبہ ہی نہیں۔ اور وہ ہندوؤں سے کچھ طلب ہی نہیں کرتیں۔ تو اس صورت میں یہ کہنا وقع الوقتی نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ اس وقت جو کچھ ہے۔ وہ انگریز کے ہاتھ میں ہے۔ ہم مسلمانوں، اچھوتوں اور عیسائیوں کو کہاں سے دیکر اپنے ساتھ ملائیں،

حالانکہ اقلیتیں کچھ مانگتی نہیں۔ بلکہ صرف یہ چاہتی ہیں کہ ہندو اکثریت فی الحال یہ اقرار کرلے۔ کہ جب حاکمانہ اقتدار انگریزوں کی جانب سے ہندوستانیوں کی طرف منتقل ہوگا۔ تو اس وقت تمہارے حقوق تمہیں ضرور مل جائیں گے،

اقلیتوں کی پوزیشن نہایت معقول ہے

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمانوں اور دوسری قلیل التعداد قوموں کی یہ پوزیشن اتنی نپی تُلی۔ مضبوط اور معقول ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا، اور ہر ایک وہ شخص جو تھوڑی سی بھی عقل رکھتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ اتفاق کرے گا، لیکن کس قدر رنج اور افسوس کا مقام ہے۔ کہ اس معاملہ میں ہندوؤں کے سواد اعظم نے محض مہاسبھا کے زیر اثر ہو کر ایسی غلط، غیر معقول اور تاسف ناک روش اختیار کر رکھی ہے۔ کہ اس کو دیکھتے ہوئے ملک کی بدنصیبی پر بے اختیار آنسو بہانے کو جی کرآتا ہے،

مہاسبھائی سوراج میں دوسروں کو حصہ دار نہیں بنانا چاہتے

یہ لوگ اس امر کے تو خواہشمند ہیں۔ کہ مسلمان اور دوسری قومیں ان کے ساتھ مل کر گورنمنٹ پر سوراج کیلئے زور دیں۔ اور ان کے آلہ کار بن کر کانگرس اور مہاسبھا کے کاز کو تقویت پہنچائیں لیکن جن لوگوں کے بل بوتے پر یہ سوراج حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں اس بات کا

مستحق ہی نہیں سمجھتے۔ کہ سوراج میں ان کا بھی کچھ حصہ ہونا چاہیئے۔ اور وہ بھی بطور ہندوستانی نظامِ حکومت میں ویسے ہی حصہ لینے کے حقدار ہیں جیسے ہندو۔ کیونکہ یہ اگر غیر ہندوؤں کو سوراج کا مستحق سمجھیں۔ تو یہ کبھی ممکن ہی نہیں۔ کہ قلیل التعداد قوموں کے بار بار زور دینے پر بھی تصفیہ حقوق سے آنا کانی کریں۔

ایڈیٹر ملاپ کا مشورہ کہ سوراج لینے کے بعد حقوق کا سوال اٹھانا

ان کا ٹسوے بہاتے ہوئے مسلمانوں کو یہ کہنا کہ :-

"مسلمانوں کا اس وقت یہ فرض ہے۔ کہ وہ تمام تنازعات کو مٹا دیں۔ کسی قسم کی شرطیں پیش نہ کریں۔ بلکہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کرا لیں۔ اس کے بعد حقوق وغیرہ کو تسلیم کرنے کیلئے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔" (ملاپ لاہور ۲۵ مارچ ۲۷ء) محض اسی نیت سے ہے۔ کہ کسی طرح مسلمان ان کے دام میں پھنس کر ان کے ہمنوا بن جائیں۔ اور جب سوراج مل جائے۔ تو انہیں صاف دھتا بتائی جائے،

کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ کہ یہ لوگ تو گورنمنٹ سے ہر قسم کے اختیارات حاصل کرنے کے خواہاں ہوں۔ اور زیادہ سے زیادہ اقتدار ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں، مگر جب مسلمان حقوق کا سوال اٹھائیں۔ تو انہیں یہ کہہ کر ٹال دیں۔ کہ یہ سوال قبل از وقت ہے، ہم نہیں سمجھتے کہ جو لوگ غلامی کی حالت میں بھی دوسروں کے حقوق کا تصفیہ نہیں کرنا چاہتے۔ وہ حاکمانہ اقتدار ہاتھ میں لے لینے کے بعد کب ان کی سنیں گے،

کیا یہ وقت تصفیہ حقوق کے لئے موزوں نہیں

ہمیں یہ معلوم ہے۔ کہ جو لوگ تصفیہ حقوق کے سوال کو قبل از وقت بتلا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے دلی منصوبوں کو دوسروں سے مخفی رکھنے کے لئے یہ

بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ ہمارا اس سوال کو قبل از وقت بتلانا اس واسطے نہیں کہ ہم مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس کو قبل از وقت اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ اس وقت ہماری تمام تر توجہ ملک کو اغیار کی غلامی سے آزاد کروانے میں لگی ہوئی ہے، اس لئے اس قسم کی باتوں کا طے کرنا ہمارے نزدیک اس وقت موزون نہیں، ہاں جب سوراج مل جائے گا، تو اس وقت ہندو ہر ایک جاتی اور قوم کو وہ تمام حقوق دے دیں گے، جن کی وہ مستحق ہیں،

مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ان لوگوں کو مرکزی حکومت کو زیادہ سے زیادہ ذمہ دار بنانے کے لئے تو گورنمنٹ سے بات چیت کرنے کا وقت مل جاتا ہے، ہندو صوبوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات دلانے کے لئے وقت مل جاتا ہے، ہندوؤں کو دفتری اقتدار دلانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت مل جاتا ہے، گول میز کانفرنسوں، مشاورتی کمیٹیوں اور مختلف سرکاری کمشنوں میں شریک ہونے یا ان کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے وقت مل سکتا ہے، مگر وقت نہیں ملتا تو قلیل التعداد قوموں کے حقوق کا تصفیہ کرنے کے لئے،

مگر یہ سب بہانہ سازیاں ہیں، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ کہ ان کے پاس تصفیہ حقوق کے لئے وقت نہیں یا اس کام کے لئے یہ وقت موزون نہیں،

ڈاکٹر مونجے کی مسلمانوں کو طفل تسلیاں

باقی رہا ان کا مسلمانوں کو یہ کہنا کہ وہ ہندوؤں سے خوف نہ کھائیں کیونکہ ہندو کسی کو دکھ دینے یا اس کا حق مارنے کا عادی ہی نہیں۔ اس لئے جس وقت بھی سوراج مل گیا۔ ہندو اسی وقت ان کے حقوق انہیں دے دیں گے، جیسا کہ ہندو مہا سبھا کے صدر ڈاکٹر مونجے نے بھی آل انڈیا اچھوت کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ:۔

"یہ غلط ہے کہ یہاں سوراج کے بعد ہندو۔ مسلمانوں کے حقوق نہ دینگے

ہندو تو کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا،

دیکھو ایک ہزار برس تک پارسی ہمارے ہاں رہے ہے۔ انہیں کسی نے تکلیف نہ دی۔" (الامان دہلی ۳ر جنوری ۲۶ء ص ۳)

مسلمان اس بھرّے میں آنیوالے نہیں

تو یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں کہ مسلمان اتنی سی بات پر مطمئن ہو کر اپنا آپ ان کے سپرد کر دیں، کیونکہ مسلمانوں کو اب ان لوگوں کی اس قسم کی خالی مولی باتیں اور لچھے دار تقریریں اپیل نہیں کر سکتیں۔ ان کا دل تبھی اطمینان پکڑ سکتا ہے۔ جبکہ یہ لوگ باتوں سے نہیں بلکہ اپنے اعمال سے اس قسم کی انصاف پسندی اور رواداری کا ثبوت دیں۔ اور اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیں۔ کہ یہ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں۔ وہ ان کے افعال سے بھی ثابت ہے،

اور ڈاکٹر مونجے کا پارسیوں کی مثال پیش کر کے ہمیں اطمینان دلانا بھی کوئی موثر تدبیر نہیں، کیونکہ ہم ان ہندوؤں کی بابت اس سے بہت زیادہ جانتے ہیں جن کے متعلق ہمیں کہا جاتا ہے۔ کہ وہ "تو کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا"۔

ڈاکٹر مونجے کی تاریخی دلیل اس کے خلاف ہے

اگر بقول ڈاکٹر مونجے "ہندو تو کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا" تو پھر ہندوستانی اور یورپین مورخ ملک کے قدیم اور اصلی باشندوں کی حالتِ زار پر کیوں آنسو بہاتے نظر آتے ہیں، اگر ہندو کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا۔ تو یورپین مورخ کیوں بودھوں کی مظلومی کی داستانیں سنا سنا کر ہماری آنکھوں کو اشکبار بناتے ہیں، اگر ہندو کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا۔ تو بدیشی مورخ، جینی مورخ اور خود ہندو مورخ جینیوں پر توڑے گئے دردناک مظالم کے واقعات سنا سنا کر کیوں آپ بھی روتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی رلاتے ہیں۔ کیا

آدی ہندؤں، بودھوں اور جینیوں پر کسی باہر کی قوم نے ظلم کیا تھا؟ ان کی جمعیت، ان کی تہذیب، ان کے تمدن، ان کے مذہب، ان کے لٹریچر اور ان کی زبان کو کسی بدیشی قوم نے تباہ کیا تھا یا خود انہی لوگوں نے جن کے متعلق آج ڈاکٹر مونجے کہتا ہے۔ کہ وہ تو کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتے، کیا ڈاکٹر مونجے کو مٹھی بھر پارسیوں کا ذکر کرتے ہوئے کروڑوں آدی ہندؤں، کروڑوں بودھوں اور کروڑوں جینیوں کی تباہی، بربادی اور ہلاکت کے زہرہ گداز واقعات یاد نہ رہے،

یہ تاریخی واقعات ہی مسلمانوں کو تصفیہ حقوق پر مجبور کرتے ہیں

اگر ہندو مہاسبھائی مسلمانوں کو صرف تاریخی واقعات ہی سُنا سُنا کر مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ تو یہ ان کی خام خیالی ہے، کیونکہ خدا کے فضل وکرم سے مسلمان ان سے کہیں زیادہ تاریخ سے واقف ہیں، اور انہیں مہاسبھائیوں کے آباؤ اجداد کے کارناموں کا بہت زیادہ علم ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، کہ ان تاریخی واقعات کا علم ہی انہیں سوراج ملنے سے قبل تصفیہ حقوق کے لئے بے چین کر رہا ہے، اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ اگر ان کے حقوق کا اس وقت تصفیہ نہ ہوا تو ممکن ہے ہمارا بھی وہی حشر ہو۔ جو آدی ہندؤں کا ہوا۔ جو بودھوں کا ہوا اور جو جینیوں کا ہوا،

پس یہ کہہ کہہ کر مسلمانوں کو مطمئن کرنا قطعاً نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ کہ:-

"ہندو تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملے گی۔ کہ ان کی اکثریت نے اقلیتوں پر ظلم کیا ہو۔ لہذا مسلمانوں کو ہندو اکثریت سے جور وظلم کا کوئی امکان نہیں ہے" (تیج دہلی ۱۸ اپریل ۲۷ء)

کیونکہ مسلمانوں کو ہندو سورماؤں کے ایک ایک کارنامہ بلکہ اس کی جزئیات تک کا علم ہے[1]۔ اور اب وہ اس قسم کے گمراہ کن اور مغالطہ دہ بیانات سے اطمینان نہیں

[1] انشاء اللہ ان تمام امور کا مفصل تذکرہ اپنے ایک دوسرے رسالہ "ہندو راج کیا ہے" میں کیا جائیگا۔ احمدی مہاجر

پکڑ سکتے، لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے ان تمام گذشتہ المناک اور دلفگار واقعات کو غلط سمجھتے ہوئے تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ ہندو سبھائیوں کے پُورؔج (آباؤ اجداد) واقعی ایسے تھے۔ کہ ان سے کسی غیر کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں پہنچی۔ تو اس سے یہ کیسے نتیجہ نکال لیں۔ کہ ان کی موجودہ نسل بھی ایسی ہی ہے یا ایسی ہی رہے گی۔ کہ اس سے کسی کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ اور وہ دوسروں کے حقوق کو غصب یا پامال کرنیکی عادی نہیں،

اقلیتیں زبانی جمع خرچ سے مطمئن نہ ہونگی

چونکہ اس قسم کا زبانی جمع خرچ مسلمانوں، اچھوتوں اور دوسری قوموں کو اکثریت کی طرف سے مطمئن نہیں کر سکتا۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ تصفیہ حقوق کا سوال اسی وقت طے کیا جائے۔ اور جس قوم کو جتنا حق پہنچتا ہے وہ تسلیم کیا جائے۔ تاکہ ہر ایک قوم اور جماعت ایک دوسرے کی طرف سے مطمئن ہو کر ملک کی ترقی، بہبودی اور آزادی کے لئے کوئی ٹھوس اور مفید کام کر سکے۔ اور ان سب کی متفقہ و متحدہ کوششوں سے ملک پھر وہی اگلا سا عروج و اقتدار حاصل کر سکے۔ جو اسے اسلامی عہد میں حاصل تھا،

لیکن اگر ہندو مہا سبھائی اس اصل کی طرف رُخ نہ کریں اور وہی بے سُرا راگ الاپے چلے جائیں۔ کہ اس وقت ملک کو آزاد کروانے کی ضرورت ہے نہ کہ فرقہ دارانہ حقوق کے تصفیہ کی۔ تو پھر ہر ایک بہی خواہِ ملک کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ابھی ملک کی قسمت چمکنے میں بہت دیر ہے۔ کیونکہ جب تک اکثریت اقلیتوں کو اطمینان نہ دلائے۔ انکے حقوق تسلیم نہ کرے۔ اس وقت تک کس طرح ان میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو سکتا ہے اور وہ کس طرح ہم آہنگ اور متحد ہو کر سوراج کے لئے ساعی ہو سکتی ہیں،

اور اس افتراق و انشقاق کو دیکھتے ہوئے گورنمنٹ بھی کس طرح ہندوستانیوں کو سوراج کا مستحق سمجھ سکتی ہے ؟ گورنمنٹ تو اپنا وعدہ اسی وقت پورا کرے گی۔ اور

ہندوستانیوں کو سوراج کا حامل بنائے گی، جبکہ یہ اپنے اندر اتحاد، انصاف پسندی اور رواداری پیدا کریں گے۔ اور "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" کے اصول کو طغرۂ امتیاز بنائیں گے۔ اور اپنے اعمال اور افعال سے ثابت کر دیں گے۔ کہ آئندہ وہ ہر ایک ملی اور ملکی کام متحد اور متفق ہو کر کیا کریں گے،

لیکن اگر کوئی مہا سبھائی ان باتوں کو پڑھ لینے کے بعد بھی یہی کہے۔ کہ مسلمانوں، اچھوتوں اور دوسری قلیل التعداد قوموں کو گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ہندو اکثریت پر بھروسہ اور اعتماد رکھتے ہوئے حصول سوراج کی بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔ تو ایسے شخص کو یہ بھی تو بتلانا چاہیئے۔ کہ قلیل التعداد اقوام کس طرح اکثریت کی زری بُری ہی باتوں پر اعتبار کریں؟

جب اکثریت کا طرزِ عمل بتلا رہا ہے۔ کہ وہ بنیا پن نہیں چھوڑے گی، تنگ دلی اور کوتہ نظری کی عادت بھی ترک نہیں کرے گی۔ اور حسب دستور سابق ہر قسم کا اختیار اور اقتدار اپنے ہی ہاتھ میں رکھنے کی متمنی رہے گی۔ تو ایسی حالت میں مسلمان اور دوسری قومیں کس طرح اس کی طرف سے مطمئن ہو کر تصفیہ حقوق کے سوال کو معرض التوا میں ڈال سکتی ہیں؟

جب غلامی کی حالت میں بھی اکثریت اقلیتوں کو ترقی نہیں کرنے دیتی۔ ان کو سرکاری دفاتر اور اداروں سے دُور دُور رکھنے میں ہی کوشاں ہے۔ ان کے جائز اور واجبی حقوق کو پامال کرنے میں دَت چت (منہمک) رہتی ہے۔ تو ان حالات کو دیکھتے ہوئے اقلیتیں مطمئن ہو سکتی ہیں؟ اور تصفیہ حقوق کے بغیر اکثریت کی ہمنوا بن کر گورنمنٹ کو پورن سوراج دینے پر مجبور کر سکتی ہیں؟

جب محکومی کی حالت میں بھی اکثریت، اقلیتوں کو پنپنے نہیں دیتی، ان کی امنگوں آرزوؤں اور ولولوں کو پامال کرنے میں اپنی طاقتیں صرف کر رہی ہے۔ تو کیا اقتدار

حاصل ہونے پر وہ دوسروں کی تخریب میں کوئی بھی دقیقہ اٹھا رکھے گی؟

مہا سبھائی اچھا نمونہ دکھاتے تو تصفیہ حقوق کا سوال ہی نہ اٹھتا

یہ بالکل یقینی بات ہے۔ کہ اگر ہندو اکثریت نے اپنے طرز عمل سے رواداری، فیاضی اور وسعت قلبی کا ثبوت دیا ہوتا۔ اور دوسروں کے حقوق پر ہتھاصاف کرنے کی عادت نہ پیدا کی ہوتی۔ تو اس موقعہ پر مسلمان اور دوسری قومیں تصفیہ حقوق کا سوال ہی نہ اٹھاتیں۔ ان کا باہمی مفاہمت اور تصفیہ حقوق کے لئے زور دینا اور اس پر اصرار کرنا محض اس وجہ سے ہے۔ کہ اب انہیں مہاسبھائی لوگوں کی ذہنیت کا علم ہوچکا ہے۔ اور وہ سمجھ گئی ہیں۔ کہ ان لوگوں پر اسی حالت میں اعتماد کیا جاسکتا ہے جبکہ یہ ہمارے حقوق کو تسلیم کرلیں۔ اور اپنی نیک دلی اور وسعت قلبی کا عملی ثبوت دیں،

کیا سوراج ملنے پر ہندو مسلمانوں کو حقوق دیدیں گے؟

رہا ڈاکٹر مونجے کا یہ کہنا کہ:۔

"یہ غلط ہے کہ یہاں سوراج کے بعد ہندو مسلمانوں کے حقوق نہ دینگے"

تو یہ بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر ہندو مہاسبھائی واقعی روادار، انصاف پسند اور وسیع حوصلہ واقع ہوئے ہیں۔ اور ان کی سرشت میں ہی نہیں۔ کہ کسی کا حق ماریں۔ یا اسے تکلیف دیں۔ تو آخر وہ اس کا کوئی عملی ثبوت کیوں نہیں پیش کرتے ع

پہلے ہندو ریاستوں سے مسلمانوں کو حقوق دلاؤ

بطور تنزل اگر مان بھی لیں۔ کہ انہیں برطانوی ہند میں اتنا اقتدار نصیب نہیں۔ کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات پورے کرکے انہیں اطمینان دلاسکیں۔ حالانکہ وہ یہاں بھی بہت کچھ کرکے دکھا سکتے ہیں لیکن ریاستی ہند میں تو انہیں کلی اختیار حاصل ہے۔ اور غیر برطانوی علاقہ میں درجنوں

نہیں، بیسیوں نہیں، سینکڑوں ہی ایسی ریاستیں ہیں جہاں صحیح معنوں میں ہندو راج قائم ہے، اور وہاں کے حکمرانوں کو ہر قسم کا اختیار و اقتدار حاصل ہے۔ اگر ہندو بھائی برطانوی علاقہ میں محکوم ہونے کے باعث مسلمانوں کے حقوق تسلیم نہیں کر سکتے۔ تو کیا جن علاقوں میں وہ آزاد، خود مختار اور ہر قسم کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں وہاں بھی وہ اپنی انصاف پسندی اور وسیع حوصلگی کا ثبوت نہیں دے سکتے تھے؟

ہندو ریاستوں کے مسلمانوں کی زبوں حالی

اگر کہئے نہیں۔ تو یہ غلط ہے۔ اور اگر اثبات میں جواب دیا جائے تو پھر یہ کیا بات ہے۔ کہ وہاں کے مسلمان برطانوی ہند کے مسلمانوں سے بھی کہیں زیادہ پسماندہ، دکھی، مفلوک الحال اور ستم رسیدہ نظر آتے ہیں؟ اگر ڈاکٹر مونجے کے اس قول میں کچھ بھی صداقت ہے کہ ہندو کسی غیر کو کوئی تکلیف دے ہی نہیں سکتا۔ تو ہندو ریاستوں کے مسلمان تبہ حال کیوں ہیں؟ کیا اس لئے کہ وہاں بھی انگریزوں کی حکومت ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر بتلانا چاہیئے۔ کہ وہاں کی مسلم آبادی کیوں درماندہ، خستہ حال، اور پریشان ہے؟

اگر ہندو راج میں کسی کا اپنے حق سے محروم رہنا محال ہے۔ تو پھر ہندو ریاستوں کی مسلمان رعایا انسانیت کے ابتدائی حقوق سے بھی کیوں محروم ہے؟

کیا یہ امر واقعہ نہیں۔ کہ ملک میں کئی ایسی ہندو ریاستیں موجود ہیں۔ جہاں مسلمانوں کو نظام حکومت میں حصہ لینے کی اجازت نہیں، سرکاری دفاتر میں گھسنے نہیں دیا جاتا۔ ذمہ داری کے عہدوں سے بھی دور دور رکھا جاتا ہے۔ تعلیم سے بہرہ ور نہیں کیا جاتا، ان کے افلاس اور جہالت کو دور نہیں کیا جاتا، بلکہ ان سے شودروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ اور کئی ایسی ریاستیں بھی ہیں۔ جہاں انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل نہیں، خیالات کے اظہار کی بھی اجازت نہیں، ان کی اذانیں روکی

جاتی ہیں، ان کی مسجدیں گرائی جاتی ہیں، ان کے مدرسے بند کئے جاتے ہیں۔ ان کی خوراک پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں، ان کے نکاحوں اور شادیوں پر ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ تنگ آکر اس قسم کے ناروا سلوک کے خلاف احتجاج کریں۔ تو انہیں جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جاتا ہے،

کیا وہاں کے مسلمان ہندوؤں کی طرح انسان نہیں؟ کیا وہاں کے مسلمان ہندوؤں کی طرح ہندوستانی نہیں؟ کیا وہاں کے مسلمان مادرِ وطن کے ویسے ہی فرزند نہیں جیسے کہ ہندو؟ کیا وہاں کے مسلمانوں نے اپنے ملک کی خدمت نہیں کی، اسکی آبادی و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیا، کیا وہ اپنے حاکموں کو ٹیکس مالیہ اور لگان نہیں دیتے، ان کے گاڑھے پسینہ کی کمائی سے حکمرانوں کے خزانے معمور نہیں ہوتے؟ جب ان میں اور ہندوؤں میں کوئی فرق نہیں اور وہ کسی بات میں بھی ہندوؤں سے پیچھے نہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہندو ریاستوں کے چھوٹے بڑے عہدے ہندوؤں کو ملیں اور مسلمان محروم رکھے جائیں، بات بات پر ہندوؤں کی حوصلہ افزائی ہو اور مسلمانوں کو دھتکار بتلائی جائے؟

جب ہندو ریاستوں میں حقوق نہیں دیتے۔ تو سوراج ملنے پر کب دینگے

اب ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہمیں بتلایا جائے۔ کہ جب ملک کے ایسے علاقوں میں بھی جہاں خالص ہندو راج قائم ہے۔ مسلمان برطانوی علاقہ سے بھی کہیں زیادہ خستہ و خراب حالت میں ہوں، سیاسی و ملکی حقوق سے ہی نہیں۔ بلکہ انسانیت کے ابتدائی حقوق سے بھی محروم رکھے گئے ہوں، اور وہاں کی اکثریت اقلیت کو کسی قسم کے حق کی مستحق ہی نہ سمجھتی ہو۔ تو کیا اگر برطانوی ہند میں بھی اکثریت کو ویسا ہی اقتدار حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ ریاستی ہند میں حاصل ہے۔ تو یہاں کے مسلمانوں کے لئے کوئی

امن اور آسائش کی صورت ممکن ہے؟ ہندو اکثریت جب ایسے علاقوں میں بھی جہاں اس وقت اسے کامل اقتدار حاصل ہے مسلمانوں کو پنپنے نہیں دیتی، ان کے احساسات کا خیال نہیں کرتی،، ان کے مذہبی جذبات کا احترام نہیں کرتی،، اور ہر طرح انہیں دبا کر رکھنا ہی اپنا فرض سمجھے بیٹھی ہے۔ تو کیا برطانوی ہند میں وہ طاقت حاصل کرنے پر مسلمانوں کے حقوق دے دیگی؟

مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنا ہے تو پہلے ہندو ریاستوں میں مسلمانوں کو حقوق دلاؤ

اگر ڈاکٹر مونجے اور اس کے ہمخیال یہ چاہتے ہیں۔ کہ مسلمان ان پر اعتماد کریں، ان کے وعدوں کو صحیح اور قابل اعتبار سمجھیں۔ تو ان کو چاہیئے۔ کہ جن علاقوں میں ہندو راج قائم ہے۔ سب سے پہلے وہاں کے مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دلائیں، اور جن مصائب اور مشکلات میں وہ مبتلا ہیں۔ ان سے جلد سے جلد نجات دلائیں، اور ان سے جس قسم کا بیدردانہ وسفاکانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ اس کا سلسلہ قطعی طور پر بند کروائیں۔ تاکہ مسلمانوں کے اندر جس قسم کی بے اعتمادی ڈاکٹر مونجے اور اس کے ہمخیالوں کے متعلق پیدا ہو چکی ہے وہ دور ہو سکے،

کیونکہ جب تک اقلیتوں کے اندر بے اعتباری قائم رہے گی، اور وہ اکثریت کی طرف سے خوف رہیں گی،، اس وقت تک اصلاح حال ناممکن اور محال ہے۔ اس وقت حالات کا یہی تقاضا ہے۔ کہ ہندو اکثریت سو کام چھوڑ کر بھی اس طرف متوجہ ہو، اس وقت زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلے گا،، اور نہ ہی تاریخی واقعات سنانے سے کام بنے گا۔ اس وقت تو مہاسبھائیوں اور کانگرسیوں کو اپنی نیک نیتی، فراخ دلی اور رواداری کا عملی نمونہ دکھانا پڑے گا، ہندو اکثریت کا طرز عمل دیکھتے

ہوئے اقلیتیں اب صرف چکنی چپڑی باتوں ہی سے تسلی نہیں پا سکتیں۔ ان کو اگر مطمئن کرنا ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ اکثریت اپنی سابقہ روش کو نہ صرف بدل دے۔ بلکہ اپنے اعمال سے ثابت کر دے۔ کہ واقعی وہ انصاف پسند، روادار اور دوسروں کے حقوق کا احترام کرنے والی ہے، اور اس کی یہی صورت ہے۔ کہ جہاں وہ برطانوی ہند میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی ترقی میں روڑے نہ اٹکائے وہاں ریاستی ہند کی ان تمام ہندو ریاستوں میں بھی مسلم اور اچھوت آبادی کو اس کے جائز اور واجبی حقوق دلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ جس وقت بھی ہندو اکثریت نے یہ کر کے دکھا دیا، سمجھو کہ اسی وقت اقلیتوں کے دلوں سے وہ تمام بے اعتباری و بداعتمادی بھی دُور ہو جائے گی۔ جو اکثریت کے غلط اور تکلیف دہ بلکہ نامنصفانہ طرز عمل سے پیدا ہو چکی ہے، اور جس کی وجہ سے ملک اتحاد اور اتفاق کی برکتوں سے محروم اور نفاق و شقاق کا گڑھ بنا ہوا ہے،

برطانوی اور ریاستی ہند میں مسلمانوں کی اسلئے مخالفت کی جاتی ہے کہ اس سے ہندو راج میں رخنہ پڑتا ہے

لیکن چونکہ ہمیں مہا سبھائی ذہنیت سے پوری پوری واقفیت ہے۔ اس لئے اگر یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کہ سنگٹھنی شور بااس اس اصل کی طرف بھی نہ آئیں گے۔ اور بدستور زبانی جمع خرچ ہی سے کام لیکر مسلمانوں کو تھتو تھمو میں رکھیں گے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان یا دوسری اقلیتیں کہیں اور کسی جگہ بھی اپنے جائز حقوق سے متمتع ہوں۔ کیونکہ اگر اقلیتوں کو حقوق مل گئے، وہ اپنی مراد کو پہنچ گئیں، اور نظام حکومت میں برابر کی حصہ دار سمجھ لی گئیں۔ تو ان لوگوں کی اس دیرینہ سکیم کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ جو "ہندو راج" کے نام سے موسوم ہے۔ اور جس کے ماتحت

یہ کشمیر سے لے کر راس کماری تک اپنا ہی راج اور اپنا ہی اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں،
اور یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمانوں اور اچھوتوں کو یہ نہ صرف برطانوی علاقہ میں بلکہ ریاستی ہند میں بھی اپنے جائز حقوق سے بہرہ اندوز نہیں ہونے دیتے، اور سمجھتے ہیں۔ کہ اگر نظامِ حکومت میں ہندو سنگٹھنیوں کے علاوہ دوسرے بھی برابر کے حصہ دار بن گئے۔ تو ان کی خود مختاری اور ہمہ گیر تسلّط میں رخنہ اندازی ہوگی۔ اور وہ خواب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خواب پریشاں ہو کر رہ جائے گا۔ جس کی تعبیر ہندو راج ہے

اگر ہندو راج قائم کرنیکے منصوبے نہیں تو تصفیہ حقوق کیوں نہیں کرتے

اگر ان لوگوں کے دل و دماغ پر ہندو راج قائم کرنے کا خیال مسلط نہ ہوتا۔ تو یہ اقلیتوں کی چیخ و پکار کا خیال نہ کرتے؟
اگر ان کے اندر ہندو راج کی تمنا نہ ہوتی۔ تو یہ گورنمنٹ کی خواہش پوری نہ کرتے؟ اگر ان کو دن رات ہندو راج ہی کے خواب دکھائی نہ دیتے۔ تو یہ اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کی نصیحت اور مشورہ پر کان نہ دھرتے؟

ان کا اقلیتوں کی چیخ و پکار پر دھیان نہ دینا، گورنمنٹ کی خواہشات کا خیال نہ کرنا اور اپنے ہم عقیدہ لیڈروں کی نصائح پر توجہ نہ کرنا محض اسی لئے ہے۔ کہ ملک کے ہر ایک حصہ اور گوشہ میں انہی کا اقتدار اور اختیار قائم ہو جائے، اور سوراج ملنے پر یہی بلا شرکت غیرے سیاہ و سفید کے مالک بنیں، لیکن اگر وہ ہندو دوست جو سنگٹھنیوں کے متعلق اس قسم کا خیال نہیں رکھتے یہ کہیں کہ ان کے متعلق ہم نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ بدظنی پر مبنی ہے۔ تو ایسی حالت میں وہ خود ہی بتلائیں۔ کہ جب یہ لوگ نہ تو برطانوی علاقہ میں ہی مسلمانوں کو اپنے حقوق سے مستفید ہونے دیتے ہیں۔ اور نہ ہی ریاستی ہند میں (جہاں کہ خالصتاً انہی کی حکومت اور انہی کا اقتدار قائم ہے) تو پھر کس طرح ہم یہی نتیجہ نہ نکالیں۔ کہ ان کی خواہش ملک میں ہندو راج ہی قائم

کرنے کی ہے؟

اگر ان لوگوں کے اندر دوسروں کے لئے ہمدردی کا جذبہ ہوتا۔ ان کے دُکھ درد کا احساس ہوتا۔ اور انہیں اپنا بھائی سمجھتے تو کیا ممکن تھا۔ کہ ان کی آہ و بکار پر ان کے دل بیقرار نہ ہوتے۔ ان کے نالہ و شیون سے ان میں بے چینی نہ پیدا ہوتی۔

مہاسبھائیوں کا عذر لنگ

اگر کہا جائے۔ کہ ریاستی مسلمان واقعی سقیم الحال ہیں اور ان کو نکبت و ادبار سے نکالنا ہر بہی خواہ ملک کا فرض ہے، لیکن چونکہ برطانوی ہند کے کانگرسی اور مہاسبھائیوں کا ریاستی علاقہ میں کوئی اثر نہیں۔ اور نہ ہی ان کی آواز وہاں سُنی جاسکتی ہے۔ اس لئے ہندو اکثریت وہاں کے مسلمانوں کو کسی قسم کی بھی اخلاقی یا مادی مدد نہیں پہنچا سکتی، تو مہاسبھائیوں، کانگرسیوں یا ان کے حمائتیوں کا یہ عذر بھی عذر لنگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر ہندو ریاستوں میں ان کا کوئی اثر نہیں اور نہ ہی ان کی آواز کوئی نتیجہ پیدا کرسکتی ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ جو تحریک بھی یہ لوگ برطانوی ہند میں شروع کرتے ہیں۔ وہی تحریک ریاستی علاقوں میں بھی قبول عام حاصل کرلیتی ہے، کیا ہندو مہاسبھائیوں کی تحریک سنگٹھن، تحریک شدھی، تحریک اچھوت اُدہار، تحریک ترویج ہندی، تحریک گئو رکھشا، تحریک سودیشی نے ہندو ریاستوں میں قبولیت حاصل نہیں کی؟ کیا ریاستی ہندوؤں نے ان تحاریک کے بانیوں کی بات پر کان نہیں دھرا؟ ان کی سکیم اور لائحہ عمل کے مطابق عمل نہیں کیا؟ ان کی دامے درمے قدمے، سخنے مدد نہیں کی؟ اور تو اور کیا خود ہندو رجواڑوں نے سنگٹھنی لیڈروں کی اعانت نہیں کی؟ ان کے اغراض و مقاصد کو اپنی شرکت سے تقویت نہیں پہنچائی؟ جب یہ سب کچھ درست اور صحیح ہے۔ تو پھر کس طرح ہم مان لیں۔ کہ چونکہ ہندو ریاستوں میں کانگرسیوں اور مہاسبھائیوں کو کسی قسم کا اثر اور رسوخ حاصل نہیں۔ اس لئے

وہاں کے درماندہ اور دکھی مسلمانوں کی امداد کرنا ان کے حیطۂ امکان سے باہر ہے،

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے۔ کہ ہندو ریاستوں میں ان کی شنوائی نہیں ہوتی، (حالانکہ یہ سراسر غلط ہے) اس لئے یہ وہاں کے بے زبان اور ظلم رسیدہ مسلمانوں کی مشکلات اور مصائب کا خاتمہ نہیں کروا سکتے۔ تو کیا وہ یہ بھی نہیں کر سکتے۔ کہ جب وہاں کے مسلمان اپنے حاکموں سے حقوق مانگیں۔ تو یہ ان کی تائید میں آواز ہی اٹھائیں، کیا ملک کے ایک اچھے خاصے طبقہ کی مشکلات دور کرنے کے لئے یہ ان سے زبانی ہمدردی بھی نہیں کر سکتے۔ اپنے پریس اور پلیٹ فارم سے بھی ان کی مدد نہیں کر سکتے؟ اور اگر انہیں اتنی بھی توفیق نہیں مل سکتی۔ تو کیا جب ستم زدہ مسلمان اپنے حقوق کے لئے چلائیں۔ تو یہ غیر جانبدار بھی نہیں رہ سکتے؟ اول تو ان کا اخلاقی اور مُلکی فرض ہے۔ کہ جب بھی یہ کسی کو تکلیف میں دیکھیں اس کی مدد کریں؛ لیکن اگر مدد نہیں کر سکتے۔ تو کیا خاموش بھی نہیں رہ سکتے؟

مسلمانوں کے حقوق مانگنے پر مہا سبھائی خاموشی کی بجائے مخالفت کرتے ہیں

لیکن صورت حال یہ ہے۔ کہ مہا سبھائی ایسے موقعوں پر خاموش رہنے کی بجائے اُلٹی ان کی مخالفت کرتے ہیں، اور یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ فریاد کنندے غمزدہ ہیں۔ تبہ حال اور ستم رسیدہ ہیں۔ لیکن یہ لوگ ستم رسیدوں کی بجائے ستم کیشوں ہی کی حمائت کریں گے، اور لطف یہ کہ اس قسم کی غلیظ ذہنیت رکھتے ہوئے بھی مسلمانوں سے اس امر کے متوقع ہوتے ہیں۔ کہ وہ ان پر اعتماد کریں۔ اور سوراج حاصل ہونے تک کسی قسم کے حقوق کا سوال نہ اٹھائیں،

مہاسبھائیوں کی تاریک ذہنیت کے ثبوت میں کشمیر کی تازہ مثال کافی ہے

اور یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے۔ واقعات کی بناء پر لکھا ہے۔ لیکن چونکہ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ اس کی تائید میں بہت سی مثالیں پیش کریں۔ اس لئے فی الحال صرف کشمیر ہی کی تازہ مثال کافی سمجھتے ہیں۔ اور ناظرین اس مثال کو سامنے رکھ کر معلوم کر سکیں گے۔ کہ مہاسبھائیوں اور کانگرسیوں کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا وہ کس قدر صحیح اور حقیقت پر مبنی ہے،

اخبار بین اصحاب کو علم ہوگا۔ کہ ریاست جموں وکشمیر کی مسلم آبادی کامل ایک صدی سے جابرانہ قوانین اور ناروا سلوک کی تختۂ مشق بنتی چلی آتی ہے، اور اس لمبے عرصہ میں اسے کتنی شدید تکلیفوں اور ناقابل برداشت مصیبتوں کا سامنا رہا ہے۔ لیکن اب جبکہ اسے اپنی زار ونزار حالت کا احساس ہوا۔ اور اس نے کروٹ بدلی، اور چاہا کہ موجودہ حالت کو بدل دے۔ تو بجائے اس کے کہ کانگرسی اور مہاسبھائی اس کی مدد کرتے، یا خاموش ہی رہتے۔ انہوں نے اس کی مخالفت ہاں شدید ترین مخالفت کرنا ہی اپنا قومی اور ملکی فرض سمجھا،

انصاف اور انسانیت کا تو یہی تقاضا تھا۔ کہ یہ لوگ بلا تفریق مذہب وملت مظلوموں کی حمایت کرتے، مسکینوں اور امداد کے مستحقوں کی اعانت کرتے۔ مگر انہوں نے مجبور کی بجائے جابر ہی کی پیٹھ ٹھونکنا ضروری سمجھا،

اگر ہندو نیک نیت ہیں تو کشمیریوں کی کیوں مخالفت کرتے ہیں

اگر ہندو مہا سبھائی یہ بات خلوص نیت سے کہتے ہیں۔ کہ مسلمان گھبرائیں نہیں۔ سوراج مل جانے پر ان کے تمام حقوق مل جائیں گے۔ تو کیا اس وقت جہاں ہندو راج قائم ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کو حقوق دلانا ان کا اوّلین فرض نہیں؟ اگر فرض ہے اور یقیناً فرض ہے۔ تو پھر کس لئے وہ مسلمانان کشمیر وجموں کی مخالفت کرتے ہیں، اور ان کے مطالبات کو ناقابل قبول اور ردّ کر دینے کے قابل بتلاتے ہیں؟ کیا وہاں کے مسلمان سقیم الحال نہیں، ستم رسیدہ اور قابلِ امداد نہیں؟ اگر ہیں اور یقیناً ہیں۔ تو پھر ان کی بجائے ریاست کی حمائت کرنا اور اُسے جبر وتشدد کے لئے اُبھارنا مناسب ہے؟

آخر ہمیں بتلایا تو جائے۔ کہ مہا سبھائی کس بنار پر وہاں کے مسلمانوں کے خلاف بیخ پا ہیں۔ اور وہ کیا بات ہے۔ جو ان کو مخاصمت پر آمادہ کر رہی ہے؟

کیا یہی کہ وہ دُکھی ہیں، مظلوم ہیں، حقوق سے محروم اور مصیبت زدہ ہیں؟ اگر یہ نہیں تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ مہا سبھائیوں کا پریس اور پلیٹ فارم ان بے یار و مددگار لوگوں کے خلاف شعلہ افشانی کرتا نہیں تھکتا ان کو بدنام اور رسوا کرتے نہیں تھکتا؟ آخر مہا سبھائی کچھ تو بتلائیں۔ کہ کشمیریوں سے وہ کونسا گناہ سرزد ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے خلاف آمادۂ پیکار ہو گئے ہ؟ کیا کشمیری انسان نہیں؟ وہ بھارت ماتا کے لال نہیں؟ اگر ہیں اور واقعی ہیں۔ تو پھر کیا ان کو بھی وہی آسانیاں، وہی حقوق اور وہی رعائتیں نہیں ملنی چاہئیں۔ جو وہاں کے پنڈتوں کو حاصل ہیں، ڈوگروں کو حاصل ہیں اور سکھوں کو حاصل ہیں؟

مہاسبھائیوں کا کشمیریوں کی مخالفت کرنا کسی معقولیت پر مبنی نہیں

اگر کہا جائے کہ چونکہ
"ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں" (ملاپ)

اس لئے ان کی تمام شکایات بے جا، غلط اور محض ہندو ریاست کو بدنام کرنے کے لئے ہیں[1]۔ اس لئے ہم ان کی مخالفت ضروری سمجھتے ہیں۔ تو یہ کہنا بھی نرا پروپیگنڈا ہے۔ کیونکہ ہم اپنے ایک دوسرے رسالہ میں اس کی تردید و تغلیط میں خود انہی لوگوں کی بہت سی شہادتیں قلمبند کرتے ہوئے بتلا چکے ہیں۔ کہ کشمیر کے دُکھی، مفلوک الحال، مصیبت زدہ اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق کا حامل بتلانا محض ستم ظریفی ہے، لیکن چونکہ ہم جھوٹوں کو ان کے گھر تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس لئے ذیل میں چند شہادتیں اور بھی نقل کر دیتے ہیں۔ جن میں بعض انگریزوں کی ہیں، انگریزی اخباروں کی ہیں، ہندو لیڈروں کی ہیں، ہندو عہدہ داروں کی ہیں، ہندو کانگرسیوں کی ہیں، ہندو اخباروں کی ہیں، اور خود ان ہندو مہاسبھائیوں کی بھی ہیں۔ جو بتلائیں گی۔ کہ مہاسبھائیوں کا ریاستی مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے کے لئے اس قسم کا پروپیگنڈا کرنا کس قدر کھلی کھلی بددیانتی ہے۔

مندرجہ ذیل شہادتیں صرف یہی نہیں بتلائیں گی۔ کہ ریاستی مسلمانوں کی تمام شکایات حقیقت پر مبنی اور بجا ہیں۔ بلکہ ان سے ریاست کے بعض عہدہ داروں کی نااہلیوں، سر دھریوں اور بے انصافیوں پر بھی تیز روشنی پڑے گی۔ اور ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ نہ صرف ریاست کے مسلمان ہی قابل امداد ہیں۔ بلکہ وہاں کا نظام حکومت اور اس کے چلانے والے بھی بہت زیادہ اصلاح کے محتاج ہیں، اور جب تک ان کی اصلاح نہ ہوگی

[1] بھائی پرمانند کا اخبار "ہندو" لکھتا ہے کہ "کشمیر کے حالات پر مسلمان اخبارات شور برپا کرتے ہوئے جو شکایات اس ہندو ریاست کے خلاف شائع کر رہے ہیں۔ وہ تمام حق پرستوں کو معلوم ہیں۔ کہ بالکل بے بنیاد ہیں" (ہندو ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

اسوقت تک نہ تو ملک ہی ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہی اسکے باشندے مسرت و خوشحالی سے شاد کام ہو سکتے ہیں :

ہمیں امید ہے ۔ کہ ابنائے وطن خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان ، سکھ ہوں یا پارسی ، مندرجہ ذیل شہادتوں کو جو ریاست کو بدنام کرنیکے لئے نہیں بلکہ محض اصلاح حال کیلئے درج کیجا رہی ہیں ، سکون دل سے پڑھینگے ، اور اس کے بعد اگر وہ سمجھیں ۔ کہ وہاں کے مسلمان واقعی امداد کے محتاج ہیں ۔ تو پھر انکی اعانت و دستگیری سے دریغ نہ فرمائیں گے ،

مسلمانان کشمیر کی حقوق تلفیوں اور ریاستی نظام کی خرابیوں کے متعلق

انگریزوں ۔ ہندوؤں اور ریاستی عہدداروں کی

بہت سی وزندار شہادتیں

لیکن قبل اس کے کہ ہم حسب وعدہ ذیل میں بہت سی غیر جانبدار شہادتیں نقل کریں ۔ پہلے اس امر کو واضح کر دینا چاہتے ہیں ۔ کہ جہاں تک ہم سے ہو سکا ۔ ان کے انتخاب میں احتیاط سے کام لیا ہے ۔ لیکن اگر ان میں کوئی بات غلط ، مبالغہ آمیز یا خلاف واقع ہو ۔ تو اس کے متعلق جو صاحب ہمیں بتلائیں گے ۔ ہم اس کی اصلاح اپنا فرض سمجھیں گے ۔ کیونکہ ہماری نیت خدانخواستہ کسی کو بدنام کرنا نہیں ۔ بلکہ اصلاح حال ہے ۔ اور ساتھ ہی ہم اپنے ان الفاظ کو پھر دہرائے دیتے ہیں ۔ جو رسالہ ہذا کے پہلے حصہ میں لکھے تھے کہ :-

مسلمان مہاراجہ صاحب کے بدخواہ نہیں	ہمیں یا اور کسی مسلمان کو خواہ وہ کشمیر کا ہو یا برطانوی ہند کا

مہاراجہ صاحب بہادر سے کسی قسم کا نقار نہیں، دشمنی اور عداوت نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی بدخواہ اور اس امر کا خواہاں ہے کہ ان کی عزت، ان کے وقار اور اقتدار میں کوئی کمی واقع ہو۔ ہم میں سے کسی کی بھی خواہش نہیں۔ کہ گورنمنٹ ان کو تخت سے معزول کر دے۔ یا موجودہ حکمران خاندان کی سیادت و امارت میں کسی قسم کا فرق آوے۔

مہاراجہ صاحب بہادر کے اوصاف

ہمارا یہ دیانتداری کے ساتھ خیال ہے۔ کہ موجودہ مہاراج شریف ابن شریف ہیں جس طرح ان کے والد ماجد رواداد، بے تعصب، خوش اخلاق اور مسلمانوں کے خیرخواہ تھے اسی طرح موجودہ مہاراجہ صاحب بہادر بھی شریف، نیک دل بے تعصب اور اپنی مسلمان رعایا سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ افسوس صرف اتنا ہے۔ کہ مہاراج کے ارد گرد بعض ایسے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ جو آپ کو مسلمان رعایا کی تکالیف کا علم ہونے نہیں دیتے۔ ورنہ یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ آپ تک غریب رعایا کی آواز پہنچے۔ اور آپ اس پر توجہ نہ فرمائیں گذشتہ دنوں جس قدر ناگوار اور افسوسناک باتیں ظہور میں آئیں۔ ان کی یہی وجہ تھی۔ کہ غیر ہمدرد مصاحبین نے آپ کو حالات کا صحیح علم نہ دیا۔ اور اب جبکہ وہ اپنی مسلمان رعایا کی تکالیف سے ذاتی طور پر واقف ہو جانے کے بعد ان کی تکالیف رفع کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ تو ایسی حالت میں وہ کون نادان ہو گا۔ جو آپ کے خلاف کوئی بری رائے قائم کر سکے۔

مہاراجہ صاحب سے بہترین امیدیں

ہمیں مہاراجہ صاحب بہادر کی ذات گرامی سے کامل امید ہے۔ کہ وہ جلد ہی اپنے مواعید کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ریاست کی مسلم آبادی کو اس قابل بنا دینگے کہ وہ وہاں کی غیر مسلم رعایا کی طرح سُکھی اور خوشحال نظر آتے۔ اور راعی و رعایا کا پہلے سے بھی کہیں زیادہ محبت و عقیدت کا رشتہ مضبوط ہو جاتے۔ اور دونوں کے تعاون

سے ملک پھر اسی شاندار اور قابلِ رشک حالت میں تبدیل ہو جائے جو عہد مغلیہ میں تھی۔ اور جس طرح عہد اسلامیہ میں فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر نے اس ملک اور اس کے باشندوں کی تعریف کی تھی۔ اسی طرح آپ کے عہد میں بھی ہو جائے۔ وہ برنیر کے ان لفظوں کو دُہرانے پر مجبور ہو۔ کہ واقعی

عہد اسلامیہ کا کشمیر برنیر کی نظروں میں

"دوسرے ممالک کی نسبت کشمیر میں علم و فضل کی فراوانی ہے۔ ادبیات اور حکمت سے یہاں کے لوگ کافی واقف ہیں۔ صنعت و حرفت میں بھی یہ کسی سے کم نہیں۔ کشمیر جنت نظیر ہے۔ سارا ملک سرسبز، شاداب اور سدا بہار باغ کی طرح ہے چراگاہیں، انگور کی بیلیں، چاول اور گیہوں کے کھیت ہی نہیں۔ کیسر اور دیگر طرح طرح کے پھل پھول۔ پانی سے لبریز نہریں، ندی نالے، جھیل اور ڈل کے نظارے بھی اپنے اندر بڑی کشش رکھتے ہیں اور کشمیری ہر طرح سے سُکھی ہیں۔"

(منقول از کتاب "کاشمیر" مصنفہ شری گوپال نیوٹیا صاحب)

مسٹر سی ایف سٹرکلینڈ ریٹائرڈ آر سی ایس کی شہادت

سب سے پہلے ہم ایک انگریز مدبر کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جس کو خود ایک ہندو اخبار نے ہی شائع کیا تھا، صاحب موصوف کا مضمون چونکہ طویل ہے۔ اس لئے محض اسکے جستہ جستہ ٹکڑے ہی درج ذیل ہیں:۔

"سرکاری ملازمتوں کا سوال"

(۱) "کشمیری پنڈت عام طور پر ریاست کی ملازمت کرتے ہیں، اور بالکل قدرتی طور پر ہر ایک سرکاری افسر یہی کوشش کر رہا ہے۔ کہ اس کے اپنے رشتہ دار کو ہی ملازمت ملے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مسلمان

افسروں جنگلات کے جانوروں کے محافظوں اور دوسرے پبلک افسروں کے سلوک کے خلاف سخت شکایت ہے۔ برٹش انڈیا میں پولیس میں کافی ضبط اور بہادری پائی جاتی ہے لیکن پھر بھی ان میں کئی خامیاں ہیں۔ کشمیر میں پولیس کی بھرتی ہندو ڈوگروں میں سے کی جاتی ہے۔ یہ لوگ پولیس میں بھرتی ہونے کے لئے بہترین لوگ ہیں۔ لیکن چونکہ پولیس میں عام طور پر یہی لوگ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس وجہ سے ان لوگوں میں غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ کہ دوسرے فرقے اُن کے ماتحت ہیں چنانچہ پولیس میں بدانتظامی پھیل جاتی ہے"

"سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصّہ"

"اصلی بات یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے۔ کہ ان کے ساتھ ایک ادنیٰ جماعت جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ اس جذبہ کی وجہ سے وہ معمولی مذہبی اور اقتصادی شکایات کو بھی بہت بڑا خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دلوں میں یہ جذبہ نہ ہوتا۔ تو ان شکایات پر کوئی بھی دھیان نہ دیا جاتا۔ ان کا **الزام بالکل ٹھیک ہے**۔ کہ اگرچہ ان کی آبادی ہندوؤں کی آبادی سے کئی گنا ہے۔ پھر بھی سرکاری ملازمتوں میں ان کو کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ اور اگر کوئی ملازمت مسلمانوں کو کہیں دی بھی جاتی ہے تو وہاں بھی انہیں ہندو افسروں کی ماتحتی میں کام کرنا پڑتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ کئی سرکاری افسر مسلمان ہیں، لیکن ان کی تعداد صرف ۱۱ فیصدی ہے اور اعلیٰ ملازمتوں میں ان کی تعداد اس سے بھی کم ہے۔ ان مشکلات کا کوئی حل تجویز کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ عام طور پر قاعدہ ہے۔ کہ جب جس آدمی کو بہت عرصہ سے سوسائٹی میں ادنیٰ پوزیشن ہی دیجاتی رہی ہے

اسے اگر فوراً آزاد کر دیا جائے۔ تو وہ وہی فرائض سر انجام نہیں دے سکتا جو طاقتور شخص جس نے اُسے دبا کر رکھا ہوا تھا سر انجام دے رہا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کی پہلی ضرورت جو ہے وہ تعلیم ہے۔

بہت تھوڑے مسلمان خواندہ ہیں۔ پرائمری سکولوں میں مسلمان طلباً کی تعداد ہندو طلبار سے زیادہ ہے۔ لیکن ان میں سے بہت تھوڑے طلبار (غربت کے باعث ناقل) سیکنڈری سکول میں جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ کشمیر میں ایک سو مسلمان میں مشکل سے ایک مسلمان لکھا پڑھا ہو گا۔ کئی شہروں میں لازمی تعلیم کا سسٹم رائج ہے۔ لیکن دیہاتوں میں ایسا کوئی قاعدہ نہیں۔ ریاست کی آمدنی تقریباً ۲۰ لاکھ پونڈ ہے جس کا پانچ فیصدی تعلیم پر خرچ کیا جاتا ہے"

"اقتصادی طور پر ریاست نے حتی الامکان مسلمانوں کی پوزیشن بہتر بنانے کے لئے کوشش کی ہے ..... (مگر پھر بھی) کسانوں کی حالت خراب ہے۔ لیکن اسے بہتر بنانے کے لیے اُسے کافی عرصہ درکار ہے۔ اور اگر ہندوؤں کا رویہ اتنا خراب نہ ہوتا تو کسان اور بھی بہت عرصہ کے لئے صبر کر کے بیٹھا رہتا"

(اخبار ویر بھارت لاہور ۳۰ مارچ ۳۲ء مطابق ۱۲؁)

اگر قارئین کرام صاحب موصوف کا مندرجہ بالا بیان جو ہر قسم کی جنبہ داری سے بالا اور حقائق پر مبنی ہے۔ پڑھیں گے۔ تو انہیں ہندو بھائیوں کے اس گمراہ کن فقرہ کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ:۔

"ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں"

اب اس کے بعد ایک انگریز ایڈیٹر کی شہادت ملاحظہ ہو:۔

ایڈیٹر "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی شہادت

(۲) "ہم نے متعدد مرتبہ احرار کی ایجی ٹیشن کی مذمت کی ہے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اگر کشمیر کی مسلم اکثریت کی بے اطمینانی کے محکم وجوہ موجود نہ ہوتے۔ تو یہ ایجی ٹیشن ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔" (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۴ر فروری ۳۲ء)

لنڈن ٹائمز کے نامہ نگار کی شہادت

محولہ بالا شہادت پڑھ لینے کے بعد اب ایک دوسرے انگریزی اخبار کا بیان بھی ملاحظہ فرمائیے، اور اس کے بعد ان دروغگو مہاسبھائیوں کی اخلاقی گراوٹ پر آنسو بہائیے، جو ریاست کے مظلوم اور خستہ حال باشندوں کو شُہدے بتلا کر ان کو حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں:-

(۳) "مسلمانوں کی مظلومیت کے گہرے اور سچے احساسات کے خلوص پر کوئی شک نہیں ہے۔ اور اس کا باعث وہ سخت بے انصافیاں اور غیر عادلانہ امتیازات ہیں۔ جو کشمیر کے نوّے ۹۰ فیصدی سے اوپر اور جموں کے ۵۷ فیصدی مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے ساتھ ہندوؤں کی نہایت قلیل اقلیت کے فوائد کے لئے روا رکھے گئے ہیں۔"

(بحوالہ سٹیٹسمین از اخبار انقلاب ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۱ء ص ۳)

اخبار سٹیٹسمین کے نامہ نگار کی چشمدید شہادت

مندرجہ بالا وقیع شہادتوں کے بعد اب سٹیٹسمین ایسے معزز اور بلند پایہ انگریزی جریدہ کی شہادت بھی پوری توجہ سے پڑھیئے۔ جو اس کے نامہ نگار کی ذاتی تحقیق پر مبنی ہے:۔ (محررہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

"ریاست میں مسٹر لا اور انسپکٹر جنرل پولیس مقرر ہوتے ہیں۔ مسلمان اسے کسی قدر اطمینان کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ لاہور میں منگل کے روز یہ خبر آئی۔ کہ مسلمانانِ کشمیر نے اپنے حقوق و مطالبات مہاراجہ کے سامنے پیش کر دئے ہیں۔ لیکن یہاں کے کانگرسی اخبارات کو قدرتاً اس سے سخت بُغض پیدا ہو گیا ہے۔ اور وہ ان مطالبات کو بہت غیر ضروری اور بے جا بتلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بہت بڑا ظلم تھا۔ کہ لوگ اپنی ریاست کے انتظام میں کیوں مناسب حصہ لینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انہیں واقعی افسوس ہُوا ہوگا۔ کہ کسی ملک کے نوّے ۹۰ فیصدی باشندے آزادی اور حُریّت و اطمینان کی زندگی کیوں بسر کریں؟ انہیں یہ بات شاید بہت ناگوار اور مضحکہ خیز ثابت ہوئی ہوگی۔ کہ مہاراجہ نے ان مطالبات کو بہت دانشمندانہ اور بالکل مناسب بتایا ہے۔ اور ہمدردی ظاہر کی ہے۔ اور پورے ایک کانگرسی پرچہ کے نزدیک تو یہ بہت وزنی "مطالبات ہیں"

"یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ فرقہ وارانہ کشیدگی اور مسلمانوں کے خون کا اصل واقعی درست ہے۔ کہ نوّے فیصدی مسلمانوں کی آبادی ہے مگر مسلمانوں کو ملازمتوں میں ۵ فیصدی بھی گنجائش نہیں دی جاتی۔ ساری ملازمتیں ہندوؤں یا دیگر غیر مسلموں کو دی جاتی ہیں۔ یہ کیا کہ جس قوم کے لوگ کسی ملک میں نوّے فیصدی آباد ہوں۔ اور اُسے ملازمتوں میں مناسب نیابت کا حق اس موجودہ تمدن دروشنی کے زمانہ میں نہ ملنا چاہیئے؟ اگر یہ فرقہ پرستی ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ پھر دنیا کے ہر ملک کا انتظام فرقہ پرستی کی لائنوں پر چل رہا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ جن کی نوّے فیصدی آبادی ہو انہیں ۵ فیصدی ملازمتیں دی جائیں

بلکہ بعض اوقات اس سے بھی کم حقیقت یہ ہے۔ کہ جس قوم نے ۹۵ فیصدی

سرکاری ملازمتیں کشمیر میں غصب کر رکھی ہیں۔ فرقہ پرستی کی لعنت میں وہ

گرفتار ہے۔ اور متہم کیا جاتا ہے مسلمانوں کو۔ جن کے ساتھ صریح

ظلم ہوتا ہے۔ یا اگر فرقہ پرستی کا کوئی مجرم ہے۔ تو وہ کانگرسی پریس

ہے۔ جو کشمیر ایجی ٹیشن کے سلسلہ میں برطانوی ہند کے مسلمانوں کے

خلاف آواز بلند کرتا ہے۔ حالانکہ وہ یہ کام بالکل خود غرضی سے کر رہا

ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو متہم کرنے میں اس کی اغراض وابستہ ہیں"

"مسلمانوں کے مطالبات بالکل درست۔ انکی شکایات

بالکل بجا اور ان کا خلوص مسلمہ ہے۔ انہوں نے اپنے

مطالبات جس صورت سے وضع کئے ہیں۔ وہ صاف ظاہر کرتے ہیں

کہ وہ اپنے حق سے زیادہ نہیں مانگتے۔ اور یہی سب سے

بڑی دلیل ہے ان کے حق بجانب ہونے کی۔ ریاست کے

انتظام کی خرابیاں اسی وجہ سے ہیں۔ کہ مہاراجہ (صاحب بہادر) کے

کابینہ میں مسلمانوں کی آواز اٹھتی ہی نہیں۔ اور ان کی مظلومیت

وشکایات کے متعلق کوئی شخص پوچھنے گچھنے والا ہی نہیں ہوتا۔ مہاراجہ

(صاحب بہادر) نے مسلمانوں کی تعلیمی و اقتصادی کمی کو دور کرنے کے

لئے جہاں جدوجہد شروع کر دی ہے۔ وہاں اس کی بھی کوشش کریں گے۔

کہ آئینی و دستوری حیثیت سے بھی مسلمانوں کے حقوق پامال نہ ہوں

اور کابینہ میں قابل مسلمانوں کی نیابت ہو"

(بحوالہ سٹیٹسمین۔ از الامان دہلی ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

اس غیر جانبدار انگریزی اخبار کی ذاتی تحقیق پر مبنی شہادت ملاحظہ فرما لینے کے

بعد اب مدراس کے مشہور اور مقتدر انگریزی اخبار "ہندو" کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیے اور پھر فیصلہ کیجئے۔ کہ مہا سبھائیوں کا مسلمانوں کی شکایات کو بے بنیاد بتلانا سچائی کا خون کرنا ہے یا نہیں؟

اخبار "ہندو" مدراس کی شہادت

(۴) "مسلمانان کشمیر کے اکثر مطالبات دیگر ریاستوں کی مانند جائز۔ اور شکایات بجا ہیں۔ وہاں جہالت عام ہے، چاروں طرف افلاس اور ناداری کا دور دورہ ہے۔ حصولِ تعلیم اور اقتصادی ترقی کی سہولتیں محدود بلکہ مفقود ہیں۔ کشمیریوں کو سیاسی حقوق حاصل نہیں۔ حکومت میں ان کی فریاد کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کا ایک بڑا مطالبہ یہ ہے۔ کہ انہیں ریاست کی اعلیٰ ملازمتوں میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ ہندوؤں کو ہر جگہ غلبہ اور اکثریت حاصل ہے۔ یہ ایسی شکایات اور ایسے مطالبات ہیں جن میں کسی کو شک و شبہ ہو نہیں سکتا۔"

(منقول از اخبار انقلاب ۱۲ مارچ ۳۲ء صدا)

کیا اس قسم کی بے لاگ شہادتوں کی موجودگی میں بھی یہ کہنے کی جرأت کیجا سکتی ہے۔ کہ مسلمانان کشمیر کے متعلق اسلامی پریس نے جو کچھ لکھا ہے وہ "بے بنیاد" ہے؟۔ اس کے بعد ایک مشہور کانگرسی اخبار کا بیان بھی پڑھیئے۔

ایڈیٹر "تیاگ بھومی" کا خیال

(۵) "جب مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے۔ کہ کشمیر کے نظامِ حکومت میں اصلاح کیجائے۔ تو ہر ایک سمجھدار اور اصلاح پسند کو ان کے اس مطالبہ کی تائید کرنی چاہیئے۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ

ایسا ہو نہیں رہا۔ بلکہ اُلٹا ان کی مخالفت کر کے مہاراجہ کشمیر کی حمایت کی جا رہی ہے۔" (تیاگ بھومی اجمیر ۲۳ نومبر ۳۱ء صـ)

زاں بعد لاہور کے مشہور ہندو اخبار "پارس" کی شہادت بھی چشم وا سے پڑھی جائے۔ جو ہندو سبھائی پروپیگنڈا کی دھجیاں بکھیر دینے والی ہے۔

ایڈیٹر "پارس" کی شہادت

(۶) یہ صحیح ہے کہ ریاست کے مسلمان کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔" (پارس لاہور ۱۹ جولائی ۳۱ء صـ۳)

"بلاشبہ کشمیری مسلمانوں کی حالت قابلِ رحم ہے۔ وہ حکومت کے سامنے اپنے جائز مطالبات پیش کر کے انہیں منوانیکے ہر لحاظ سے حقدار ہیں۔" (پارس ۱۶ نومبر ۳۱ء صـ۳)

کشمیر کے نظام حکومت کے متعلق رائے زنی کرتا ہوا مسلمانوں کی ایک ایک شکایت کی تائید کرتا ہے:۔

"ریاست کشمیر نے اگرچہ قلیل سے عرصہ میں کافی ترقی کی ہے۔ لیکن ابھی بے شمار خامیاں ایسی باقی ہیں۔ جن کی موجودگی کسی وقت بھی خطرناک ہو سکتی ہے۔ اگرچہ عام دنیا کی طرح ریاست بھی کساد بازاری اور بیکاری کا نشانہ بن رہی ہے۔ لیکن اس پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اگر صنعت و حرفت کی طرف توجہ دی جاتی۔ اور بعض غیر ضروری اصراف کے بجائے مفلوک الحال رعایا کی روزی کے اسباب مہیا کئے جاتے۔"

"بدقسمتی سے کشمیر کی مقامی صنعت شالبافی مشینری کی وجہ سے کمزور ہو چکی ہے۔ لیکن اگر اس طرف بھی حکومت بروقت متوجہ ہوتی۔ تو رعایا کے

ایک حصہ کو روزگار مل سکتا تھا صنعت وحرفت کے لحاظ سے ریاست
بھر میں صرف ابریشم بنانے کا ایک کارخانہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ اس
میں کتنے آدمی سما سکتے ہیں۔"

"صنعت وحرفت کے بعد تجارت کا نمبر آتا ہے۔ تجارت کے لحاظ سے
بھی ریاست بہت پیچھے ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ محصول اور چنگی کی
زیادتی ہے۔ کشمیر شاید ہندوستان بھر میں پہلی ریاست ہے۔ جہاں
ساڑھے سات سے چالیس پچاس فیصدی تک محصول لیا جاتا ہے اور
نہایت سختی سے وصول کیا جاتا ہے۔ اب یہ امر صاف عیاں ہے۔ کہ جہاں
صنعت نہ ہو۔ تجارت نہ ہو۔ وہاں کے بیکار تنگ آکر کیا کریں گے۔ چنانچہ
فسادات کشمیر کی سب سے بڑی وجہ بیکاری ہے۔"

"لیکن جہاں تک ملازمتوں کا سوال ہے۔ عام مسلمان سختی سے اس
کے حق میں نہیں ہیں۔ وہ روزی چاہتے ہیں۔ تاکہ بیکاری دُور ہو۔ انہیں
اس امر سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کہ ہزار بارہ سو تعلیم یافتہ نوجوان
کلرک بنا دئے جائیں۔ بلکہ ان کو تو صرف اس صورت میں فائدہ ہو سکتا
ہے۔ کہ وہ ملازمتوں میں فیصدی حاصل کرنے کی بجائے روزی کے
دوسرے ذرائع حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ مثلاً تجارت اور صنعت۔
اگر آج حکومت اپنی پوری توجہ ان دو شعبوں کی طرف لگا دے۔ تو کشمیر
میں مستقل امن قائم ہو سکتا ہے۔"

"ریاست کے مندروں کے دھرم ارتھ میں آن گنت دولت بھری پڑی
ہے۔ اسے حاصل کر کے صنعتی کارخانے جاری کئے جائیں۔ بڑے بڑے
افسروں کی تنخواہیں کم کی جائیں۔ مہاراجہ بہادر اپنے ذاتی اخراجات سے

کچھ بچائیں گے اور اس "قومی بچت" سے جو کچھ بھی بچ سکے۔ وہ اس مد میں لگا دیا جائے۔ گرانبار ٹیکسوں اور حیران کن محصولات کو اس حد تک کم کر دیا جائے۔ جو تجارت پر بار نہ ہو۔ پھر بیکاری اور روزی کا مسئلہ تھوڑے ہی عرصہ میں دور ہو سکتا ہے۔ اور ریاست زیادہ سے زیادہ ترقی حاصل کر سکتی ہے۔" (اخبار پارس ۲۵ ستمبر ۳۱ء صٓ)

یہی وہ باتیں ہیں جو مسلمانانِ ریاست کی طرف سے بار بار کہی گئیں۔ مگر ریاست نے اصلا توجہ نہ کی۔ کیا اب ریاست کے بہی خواہ کشمیر گورنمنٹ کے ذمہ دار حکام کو اس ہندو اخبار کے مشوروں کی طرف متوجہ کریں گے؟

نظام حکومت کے متعلق اس ہندو اخبار میں یہ بھی شائع ہوا ہے۔ کہ:-

"اُس وقت سے لے کر آج تک ریاست میں ایسی باتیں دیکھنے میں آ رہی ہیں جن کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اور جن کو دیکھ کر صرف ریاست کا سمجھدار اور خیر خواہ طبقہ ہی نہیں بلکہ غیر ریاستی اصحاب بھی جو گذشتہ چند سال سے ریاست کی سختیوں کا شکار ہو رہے ہیں انگشت بدنداں تھے۔ ابھی حکام کی ان سخت گیر کارروائیوں کا سلسلہ جو ریاست کی سخت بدنامی کا موجب ہو رہا ہے ختم ہونے میں نہیں آتا۔ روز نئے گل کھل رہے ہیں اور دنیا سوراج کے اس منظر کو دیکھ کر ہنس رہی ہے جو کہا جاتا ہے۔ ہندی (ریاستی) ہند میں بسنے والے لوگوں کو حاصل ہے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ کہ رعایا ریاست جموں و کشمیر کی مجلسی حالت کیسی ہے۔ اور وہاں کیسے مضحکہ خیز احکام جاری کئے جا رہے ہیں۔"

(اخبار پارس ۲۳ نومبر ۳۰ء صٓ)

اس کے بعد ہم لدہیانہ (پنجاب) کے ایک ہندو اخبار "مستانہ" کے مختلف پرچوں سے چند ایک اقتباس درج کرتے ہیں۔ جو ریاست جموں و کشمیر کے ہندو نامہ نگاروں کی درد بھری تحریروں سے لئے گئے ہیں ہمیں توقع ہے۔ کہ قارئین کرام مندرجہ ذیل اقتباسات کو پوری توجہ اور غور سے پڑھیں گے۔ تا کہ انہیں معلوم ہو سکے۔ کہ مسلمانانِ کشمیر اور انکے حامی ریاستی نظام اور اس کے بعض عہدہ داروں کی کوتاہیوں کا جو رونا رونے میں وہ سولہ آنہ ٹھیک اور صحیح ہے۔ اور انکی شکایات قطعی درست اور بجا ہیں۔

لدہیانہ کے ہندو اخبار "مستانہ" کی شہادت

(۷) "مہاراجہ ہری سنگھ کی تخت نشینی کے وقت رعایا کا خیال تھا۔ کہ جو نقائص گذشتہ مہاراجہ جموں و کشمیر کے عہد میں تھے اب موجودہ نوجوان مہاراجہ صاحب بہادر ان کو دور کر دیں گے۔ مگر لوگوں کا یہ خیال غلط نکلا۔ موجودہ عہدہ داران کے خلاف کئی مضامین شائع ہوتے ہیں (مگر) انہوں نے اپنا ہی راجیہ بنا رکھا ہے۔ رعایا کو انہوں نے سخت تنگ کر رکھا ہے۔ کئی حقداروں کے حقوق زائل ہو رہے ہیں۔ سینکڑوں چھوٹے چھوٹے تنخواہ دار ملازم نکال دیئے گئے ہیں۔ اور موجودہ عہدہ داروں کو ترقیوں پر ترقیاں مل رہی ہیں ...[ا] کی خوب گرم بازاری ہے۔ ایک طرف رعایا کو تنگ کر رکھا ہے (مگر دوسری طرف) غریب رعایا کا پرسان حال کوئی نہیں"[۲]

"عرصہ چار سال سے رعایا پر کئی طرح کے ٹیکس جاری کئے گئے ہیں اور دوسرے بیکاری اور مفلسی نے رعایا کا کچومر نکال رکھا ہے اور دفتری حکومت جموں۔ رعایا کے روپیہ کو فضول پانی کی طرح بہا رہی ہے

---

[۱] غالباً یہاں لفظ "رشوت" ہوگا۔ ناقل۔ [۲] اخبار مستانہ لدہیانہ ۱۳ر اگست ۱۹۳۰ء

جب ریاست کے منسٹر ہمدرد رعایا تھے۔ تو ان کی تنخواہیں بارہ صد روپیہ ماہوار تھیں۔ اب چونکہ منسٹر (وزیر) راعی اور رعایا کے . . . ہیں۔ تو ان کی تنخواہوں میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ اور کی تنخواہیں پچیس صد بلکہ ایک کی چالیس صد کر دی گئی ہے۔ مہاراج ادھیراج کا فرض ہے۔ کہ جو روپیہ رعایا سے بذریعہ مالیہ یا ٹیکس وغیرہ وصول کیا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ روپیہ مہاراج کی ملکیت ہے۔ بلکہ وہ روپیہ رعایا کی مہاراج کے پاس امانت ہے۔ اور راجہ صاحب اُسے رعایا کی بہتری و بہبودی پر خرچ کریں۔ راجہ صاحب اس روپیہ کی قدر کریں اور رعایا پر جب کوئی مصیبت آئے۔ تو اس روپیہ سے رعایا کی امداد کیجائے۔ اور ریاست کے عہدہ دار بھی رعایا اور راجہ کے خیر خواہ ہوں۔ نہ کہ "لوٹ پڑی دوہائی کس کی" کے مصداق عمل کریں۔" (اخبار مستانہ ۴ اگست ۳۱ء صفحہ ۱۸)

"اکثر رعایا ریاست۔ عہدہ داران پر یہ الزام لگاتی رہتی ہے۔ کہ عہدہ داران ریاست۔ ریاست کی بہتری و بہبودی کیلئے کبھی بھی نہیں سوچا کرتے۔ بھلا انہیں رعایا اور راعی سے کیا غرض۔ وہ تو اپنی بہتری و بہبودی کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ عہدہ داران کی پارٹیاں بنی ہوتی ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کے گرانے کیلئے داؤ پیچ ہی سوچتے رہتے ہیں۔ ان عہدہ داران کو اگر سانڈ سے تشبیہ دیں۔ تو عین موزون ہو گا۔ کیونکہ مثل مشہور ہے۔ کہ سانڈوں کا بھیڑ جنگل کا ناس۔" (ایضاً)

"ریاست جموں و کشمیر کے عہدہ داران نہ معلوم کیوں دیدہ دانستہ ریاست کو بدنام کرتے ہیں۔ اور بے چینی بڑھا رہے ہیں۔ یا ان میں سوچ سمجھ کا مادہ ہی نہیں ہے۔ بزرگوں کا ابھی ننھا سا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ اُن

پر فی ایک روپیہ دس آنہ کاہ چرائی لگادیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کئی بکروالے بزگالہ فروخت کر کے چمبہ کے پہاڑوں پر چلے گئے۔ اور جو ریاست میں رہے انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ کیونکہ آخر انہوں نے پیٹ بھرنا ہے۔ حکومت نے بکروالوں کو جرائم پیشہ قرار دیا۔ اب ہمیں تحصیل اکھنور سے جو حالات موصول ہوئے ہیں۔ وہ راعی اور رعایا کے لئے سخت خطرناک ہیں گورنمنٹ نے گائے چرائی فی بھینس چھ آنہ ڈیڑھ پائی لگائی ہوئی تھی۔ جو کہ مالیہ کے ساتھ وصول ہوا کرتی ہے۔ اب جہاں گورنمنٹ نے مالیہ آبیانہ میں اضافہ فرمایا۔ وہاں گائے چرائی بجائے چھ آنہ ڈیڑھ پائی سے اٹھارہ آنہ کر دی۔ حیرانی ہے۔ کہ گورنمنٹ نے بھینسوں وغیرہ کے چرنے کے لئے نہ کوئی رکھ قائم کی ہے اور نہ ہی کوئی جنگل ہے کہ وہاں چریں۔ اور یہ گائے چرائی وصول کریں۔ زمیندار لوگ اپنے کھیتوں سے گھاس وغیرہ کاٹ کر یا بھوسہ وغیرہ مال ڈال کر کھلایا کرتے ہیں۔ معلوم نہیں گورنمنٹ گائے چرائی کس کی وصول کرتی ہے" (اخبار مستانہ لدھیانہ ۱۱ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۹)

"ریاست جموں و کشمیر میں حاکمان کی ہمدردی رعایا سے عنقا ہے۔ جو بھی محکمہ ہے وہ رعایا کو جونک کی طرح لگا ہوا ہے خوب آپا دھاپی مچی ہوئی ہے۔ چھوٹے سے لے کر بڑے ملازم تک خود مختار ہے۔ اور اب ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ کہ رعایا پر خوب ظلم و ستم توڑے جائیں۔ کیونکہ اب درستی حالت کے کوئی اسباب دکھائی نہیں دیتے۔ اور ہم اس بات کے پورے قائل ہیں۔ کہ ہر کمال را زوال اور ہر زوال را کمال۔ جس قدر زیادہ زوال ہوگا۔ اسی قدر رعایا جلدی بیدار ہوگی۔ کیونکہ اس وقت تک رعایا نے نہ تو ہوش سنبھالا ہے

اگر رعایا ذرا بھی سوچنے اور سمجھنے کا مادہ رکھتی۔ تو کیا مجال تھی۔ کہ ریاست میں راعی اور رعایا کا بُرا چاہنے والے . . . . اور . . . حاکم ریاست میں رہتے پلتے بعضوں کا خیال ہے۔ کہ یہ سب اینا چار (ظلم) رعایا میں کمی تعلیم کے باعث ہو رہے ہیں۔ کیونکہ رعایا تعلیم نہ ہونے سے اپنے نشیب وفراز سے ناواقف ہے۔ اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ کہ ہم اپنے پِتا مہاراجہ بہادر تک اپنا دُکھڑا کس طرح پہنچا کر کرمچاریوں (حکام) کو درست کر سکتے ہیں۔“

(دستانہ لدھیانہ ۱۳ اکتوبر ۳۰ء ص ۹)

ہند و نامہ نگاروں کی تحریروں کے مندرجہ بالا اقتباسات اس قابل ہیں کہ انہیں بار بار پڑھا جائے۔ تاکہ ناظرین پر دھا سبھائی پروپیگنڈا کی لغویت اور بے ہودگی اچھی طرح ظاہر ہو جائے۔ اور خود انہیں بھی آئندہ یہ کہنے کی جرأت نہ ہو۔ کہ مسلمانوں کی ”شکایات بے بنیاد ہیں“:

لالہ بسوا ناتھ ایڈیٹر ”مشیر“ کی ریاستی نظام کے متعلق شہادت

اس کے بعد ایک تحریر لالہ بسوا ناتھ ایڈیٹر مشیر (لاہور) کی نقل کی جاتی ہے۔ جو انہوں نے مہاراجہ صاحب بہادر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھی ہے۔ قارئین کرام اسے بھی پڑھیں۔ تاکہ انہیں معلوم ہو سکے۔ کہ جس بات کا دکھڑا مسلمان روتے آئے ہیں۔ وہ بے بنیاد نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اور خود ہندو بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں :-

(۸) ”عالیجاہ . . . . اگر مجھے بیباکی کے لئے معاف کیا جائے۔ تو میں پورے ادب اور عقیدت سے یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا۔ کہ وہ (سابقہ اصلاحات) ان سوشیل اخلاقی۔ اقتصادی اور سیاسی بیماریوں کا مداوا ہی نہ تھیں جن کے دور کرنے کے لئے سرکار حضور اس قدر بیتاب ہیں۔ اس غلط تشخیص

کی وجہ اس خیر خواہ کی رائے میں یہ ہو سکتی ہے کہ رعایا کے صحیح حالات۔ ان کی شکایات و تکالیف سے آنحضور کو کماحقہٗ آشنا کرنے میں اراکین حکومت نے دانستہ یا نادانستہ طور پر صحیح طریقہ نہ اختیار کیا۔ اس بیان کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے یہ ازبس ضروری ہے۔ کہ یہ خیر خواہ اس اجمال کی تفصیل آنحضور کی خدمت میں پیش کرے۔ سب سے پہلے میں حکومت کشمیر کے نظام کی گذشتہ چار پانچ سال کی نت نئی بدلتی ہوئی ترکیب کی جانب آنحضور کی توجہ عالی عجز و نیاز سے منعطف کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"عالیجاہ۔ سالہائے متذکرہ بالا کے بجٹ اور سول اینڈ ملٹری کی لسٹ ہا راس امر پر شاہد ہیں۔ کہ ان سالوں میں ریاست کے ہر شعبہ جات سول۔ ملٹری پولیس وغیرہ میں کس قدر انقلاب انگیز تغیر تبدل ہوا جن محکمہ جات کا کام ایک ایک افسر سینکڑوں تنخواہیں پا کر خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے تھے۔ انہی (محکموں) پر اتنے ہی بلکہ بعض حالتوں میں اس سے بھی کم کام کے لئے ایک کی بجائے دو۔ دو اور اکثر صورتوں میں اس سے بھی زیادہ حکام سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روپیہ ماہانہ پر مامور کئے گئے اور پھر ستم ظریفی یہ کہ خزانہ عامرہ پر اس بھاری بوجھ کے ڈالنے کی کوئی وجوہات بھی ظاہر نہ کی گئیں۔ سروس کے اصول کو کہ جب تک کوئی عہدہ دار ریاست ڈاکٹروں کی رائے میں اسقدر ضعیف العمر اور ناتوان قرار نہ دیا جائے۔ کہ اس کے برقرار رہنے سے اس کے ماتحت محکمہ کی حسن کارکردگی کے روبہ تنزل ہونے کا کلی یقین ہو جائے۔ تب تک اس کے تجربہ اور پختہ مغزی کا پورا استفادہ اٹھایا جائے۔ بہت حد تک بالائے طاق

رکھدیا گیا ہے ۔ اور جہاندیدہ قابل عہدہ داران کو دھڑا دھڑ قبل از وقت
ریٹائر کر کے ان کی بجائے ان سے کئی گنا زیادہ تنخواہوں پر
نئے کم تجربہ کے آفیسر بھرتی کئے گئے جس کا نتیجہ یہ ہُوا ۔ کہ
جہاں محکمہ کی حسن کارکردگی میں فرق آنا شروع ہوا ۔ وہاں
غیر ضروری پنشنوں اور حد سے بڑھی ہوئی تنخواہوں کے بوجھ نے
خزانہ عامرہ کا کچومر نکال دیا ۔ اور عام انسانوں کی بھی یہ رائے
بن گئی ۔ کہ ریاست جموں و کشمیر میں اسامیاں پبلک سروس کی حسن
کارکردگی اور ملکی فلاح و بہبود کے لئے نہیں بنائی جاتیں ۔ بلکہ اپنے
منظور نظر احباب پر نوازشات کرنے اور حق دوستی ادا
کرنے کے لئے بنائی جاتی ہیں ۔ اور اس لئے عوام ۔ نظام حکومت
میں ترقیوں کے اس سیلاب کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھنے لگے ۔
پبلک روپیہ کے اس طرح کے استعمال کے متعلق لوگوں میں عجیب و غریب
خیالات پیدا ہونے شروع ہو گئے ۔ وہ یہ دیکھ کر کڑھنے لگے ۔ کہ
خزانہ عامرہ کا یہ روپیہ جو بھاری کسٹمز ڈیوٹی اور مالیہ
کی صورت میں اس کی جیب سے انکی فلاح و بہبود
کے لئے لیا جائے محض کسی خاص شخص یا چند افراد کو
مالا مال کرنے پر صرف کر دیا جائے ۔ اور اس طرح انکی بے چینی
کے اسباب پیدا ہو گئے ۔ گویا نظام حکومت میں ان نت نئے تغیر و
تبدل کی اصلاحات سے کوئی مفید مطلب حاصل نہ ہُوا ۔ ترقی یافتہ افسر
اس لئے مطمئن نہیں ۔ کہ ان کی لگاتار تبدیلیوں کے سیلاب میں اس
کے دل میں اپنی پائیداری کا احساس نہیں ہے ۔ اور اس

لئے وہ اپنے کام کو دل لگا کر نہیں کر سکتا۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ اس کے ماتحت محکمہ کا حُسن انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ افسران کی تعداد میں بھاری بیشی اور کلرکان اور دیگر عملہ میں کمی نے نظام حکومت کو بھاری اور سر گراں بنا دیا ہے۔ کہ وہ اپنا سر سنبھال نہیں سکتا۔ ان امیروں اور دیگر رعایا میں جو بیکاری اور بے روزگاری کی وجہ سے روز بروز نادار سے نادار تر ہوتی جا رہی ہے۔ رشتہ ہمدردی ٹوٹ رہا ہے۔ اور ایک ناقابل عبور خلیج حائل ہو رہی ہے۔ خزانہ عامرہ کے لئے افسران کی بھاری تنخواہوں اور پنشنوں کا بوجھ آج نہیں تو کل ناقابلِ برداشت (ضرور) ثابت ہوگا۔ خاص کر اس صورت میں جبکہ ریاست کی آمدنی بڑھانے کی کوئی اعلیٰ اور منافع بخش سبیل نہیں نکالی جاتی۔"[1]

محولہ فوق طویل اقتباس ایسا نہیں کہ اس پر مزید کسی قسم کی حاشیہ آرائی کی جائے کیونکہ یہ خود ہی آپ اپنی تفسیر ہے۔ اور اس بات کا یقینی اور قطعی ثبوت ہے۔ کہ مسلمانانِ ریاست کی شکایات بجا اور ان کا واویلا حقیقت پر مبنی ہے، اس کے بعد لگتے ہاتھ ریاست جموں کی ایک جاگیر کے متعلق بھی کچھ سُن لیجئے، کہ وہاں کی رعایا کو بھی کس قسم کے نظام حکومت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور اُسکو کس قسم کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

رعایائے چنینی کی کس مپرسی

اخبار "دیش بندھو" کی شہادت

(۵) "چنینی ریاست جموں میں ایک جاگیر ہے جس کی آبادی گیارہ ہزار ہے یہ جموں سے ۶۰ میل شمال کی طرف ہے اس جاگیر کی ہندو مسلم رعایا میں خوب پریم ہے۔ مگر چند یوم سے اس کی رعایا نے اپنی تکلیفات کو محسوس کر کے

[1] اخبار کشمیر لاہور ۲۲ رجون ۱۹۳۲ء۔

آواز اٹھائی ہے۔ اور ایک عرضداشت اپنے راجہ صاحب جاگیردار کی خدمت میں گذاری ہے جس میں مندرجہ ذیل شکایات درج کی ہیں"۔

(ہم نے طوالت کے خوف سے بعض کو حذف کر دیا ہے۔ ناقل)

"محصول چونگی۔ اگر کوئی شخص مال باہر سے منگوائے۔ تو پہلے اس مال کا کسٹم ۳۰ فیصدی یا کم وبیش ریاست کو دینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد جب مال حدود جاگیر چنینی میں داخل ہو۔ تو پھر اسی قدر کسٹم دینا پڑتا ہے۔ اگر سو روپیہ کا مال باہر سے منگوایا جائے۔ تو اس کا کسٹم ۶۰ روپیہ دینا پڑتا ہے۔ یہ کسٹم اڑا دیا جائے۔ کیونکہ یہ سخت بے انصافی ہے"۔

"دہرات اور چونگی۔ سرکار والا چنینی میں دہرات اور چونگی کا کافی روپیہ جمع ہے۔ اسے بہتری قصبہ کے لئے صرف کیا جائے۔ عرصہ دس سال سے دہرت کی رقم وصول کی جا رہی ہے، زمینداران چنینی کو اتنا بھی حق نہیں۔ کہ وہ اپنی مملوکہ اراضی سے معمولی سے معمولی درخت بھی کاٹ کر اپنے استعمال میں لا سکیں۔ اس سے زمیندار تنگ ہیں"۔

"جاگیر چنینی کی تعلیم یافتہ رعایا کو ملازمت نہیں ملتی۔ برعکس اس کے گورنمنٹ جموں وکشمیر کے پنشن یافتوں کو جو ناکارہ ہو گئے ہوتے ہیں۔ ملازمت میں لیا جاتا ہے"۔

"تعلیمی حالت۔ جہاں تک تعلیمی مسئلہ کا تعلق ہے۔ جاگیر چنینی میں صرف ایک پرائمری سکول گورنمنٹ جموں وکشمیر کی طرف سے قائم ہے۔ یہ سکول کم از کم مڈل سکول تک ہونا ضروری ہے۔ تاکہ رعایا چنینی تعلیم سے بے بہرہ نہ رہے۔ اس کے علاوہ گیارہ ہزار کی آبادی میں کوئی ہسپتال نہیں ہے۔ ہسپتال قائم کیا جانا چاہیئے"۔

"جہاں تک دار و پایا ٹیکس کا تعلق ہے۔ کسی بادشاہ کے وقت میں ایسا ناواجب ٹیکس رعایا پر نہیں لگایا گیا۔ اسے معاف کر دیا جائے۔ دار و پایا ٹیکس ہر ایک مکان اور ہر دوکان سے سالانہ ایک روپیہ چار آنہ ٹیکس لیا جاتا ہے" الخ (اخبار ویش بندھو لاہور ۱۹ جولائی ۱۹۳۲ء صدہ)

ریاست کے ذرائع آمد و رفت کی زبون حالی پر اخبار "امر" کے ہندو نامہ نگار کی شہادت

(۱۰) "سڑکیں۔ ریلیں اور تاریں ہر گورنمنٹ یا ملک کی نسیں یا ناڑیاں ہوا کرتی ہیں۔ جس طرح کسی انسان کے جسم کی مشینری نسوں یا ناڑیوں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ اسی طرح جس گورنمنٹ یا ملک کے ذرائع آمد و رفت اور خبر رسانی میں سہولتیں نہ ہوں۔ وہ گورنمنٹ یا ملک بھی موجودہ ترقی یافتہ زمانہ میں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ضلع میرپور (صوبہ جموں) میں سڑکوں کی جو بدترین حالت ہے۔ یا ذرائع آمد و رفت میں جو دقتیں سدراہ ہیں۔ یہ مضمون راقم کے لئے ایسا پرانا یا دیرینہ مضمون ہو گیا ہے۔ کہ جس پر سینکڑوں دفعہ بذریعہ پریس میموریل ہا اور انٹرویو۔ ذمہ وار افسران یا گورنمنٹ کشمیر کی توجہ مبذول کروا چکا ہوں۔ مگر افسوس کہ جملہ عرضداشت پر بجز وعدوں یا کاغذی گھوڑ دوڑ کے کوئی عملی کارروائی نہ ہوئی۔ ...... اس کار خیر کو عمل میں لانے سے مندرجہ ذیل خاص فوائد متصور ہونگے۔

(۱) سڑکوں کے مکمل ہونے یا سلسلہ آمد و رفت اور خبر رسانی میں سہولتیں ہونے سے چوروں، ڈاکوؤں یا باغیوں کو ہر مقام پر جلد دبایا جا سکتا ہے۔

(۲) افلاس زدہ یا تباہ شدہ علاقہ کے لاکھوں بیکار آدمی (جن میں زیادہ عنصر مہاراجہ بہادر کی پیاری زمیندار رعایا کا ہے) مستفید ہونگے۔

(۳) میرپور۔ بھمبر۔ کوٹلی۔ راجوری اور پونچھ کی تجارت یا کاروبار حالات کو بھی چار چاند لگیں گے۔ جس سے زراعی اور رعایا دونوں خوشحال و فارغ البال ہونگے"۔ (اخبار امر لاہور ۲۵۔ اپریل ۳۲ء صفحہ ۱)

پھر اسی اخبار کے ایک دوسرے پرچہ میں گیان چند میرپوری کی طرف سے مہاراجہ صاحب بہادر کو مخاطب کرتے ہوئے ایک اور مضمون بھی شائع ہوا تھا جس کا ضروری حصہ درج ذیل ہے:۔

دوزخ کی طرح جل رہے ہیں غم کی آگ میں
یہ ساکنان خطۂ جنت کو کیا ہوا

راجن! اگرچہ یہ حقیقت ہے۔ کہ حضور والا شان کی ذات بابرکات رعایائے (ریاست) کی بہتری و بہبودی کے مرحلہ پر اس قدر پاک و صاف ہے۔ کہ جس پر کسی قسم کا شک و گلہ کرنا عظیم پاپ ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ امر واقعہ ہے۔ کہ موجودہ نظام حکومت اس قدر متزلزل یا قابلِ اصلاح ہے۔ کہ جس کے سکون یا فوری اصلاح نہ ہونے کی صورت میں غریب رعایا کسی طرح بھی نشوونما نہیں پا سکتی۔ کیونکہ ہر گورنمنٹ کی ترقی یا راحت اور رعایا کے فلاح و بہبود کا راز خصوصاً اس کے مشیران یا ارکانِ حکومت کے اعلیٰ تدبر۔ اہلیت حقیقی ہمدردی اور دیانتداری میں مضمر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ جس گورنمنٹ کے مشیران کی یہ حالت ہو۔ کہ وہ رعایا کی صحیح آواز یا دکھوں کی فریاد کو اپنے نیکدل آقا تک پہنچانے کے جملہ ذرائع مسدود کر دیں۔ یا رعایا کی حقیقی حالت کو اپنے مالک

کے گوش گذار کرنے میں لیت ولعل کریں۔ یا شب وروز کے تغیر وتبدل وذاتیات کے جھمیلوں میں پڑے رہیں۔ ان کے پاس رحم کی درخواست کرنا یا ان کے درد کی دوا مانگنا یا کسی قسم کی بہتری کی امید رکھنا صاحب کے ذیل کے قول کے مترادف ہے۔ ؎

زہے درداں علاج درد دل جستن چناں باشد
کہ خار از پا بروں آرد کسے با نیش عقرب ہا

راجن! رعایا ریاست جن قبیح وخطرناک امراض از قسم بیکاری، افلاس اور رشوت ستانی وغیرہ میں مبتلا ہے۔ ان سے مخلصی دلانے کیلئے کسی ایسے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ جو کہ قابل ہونے کے علاوہ مریض کا حقیقی ہمدرد فرض شناس، محنتی اور خدا ترس ہو۔ جو بیمار کی صحیح تشخیص کے بعد کوئی ایسا تیر بہدف نسخہ تجویز کرے۔ کہ جس سے مریض جملہ بیماریوں سے دائمی نجات حاصل کر سکے۔

راجن! یہ کس قدر افسوسناک امر ہے۔ کہ حضور انور جیسے نیک دل، بیدار مغز اور رعایا کے حقیقی ہمدرد حکمران کی موجودگی میں اس بہشت کی سرزمین میں رہنے والی عام رعایا تو جملہ مہلک امراض کا شکار ہو کر دوزخ کی آگ میں جل رہی ہے۔ اور خود غرض یا غیر ذمہ وار آدمی اسے مصری کی کان سمجھکر یکے بعد دیگرے نہ صرف لوٹ ہی رہے ہیں۔ بلکہ اس کی دوامی خوشگوار فضا کو بذریعہ پریس وغیرہ مکدر کر رہے ہیں"۔[۱]

اخبار رہبر جموں کی شہادت (۱۱) "ماہران اقتصادیات نے کسی ملک کی دولت کا اندازہ لگانے کے بارے میں ایک بے چوک اصول وضع کیا اور وہ یہ ہے۔ کہ اس

[۱] اخبار امر لاہور یکم جولائی ۱۹۳۱ء

ملک کے قدرتی ذرائع کو کسی حد تک انسانی ضروریات میں تبدیل کر کے
انہیں دنیا کے بازار میں نفع بخش مال کے طور پر فروخت کیا جاتا ہے ان
کے نزدیک ہر شئے جو انسانی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ دولت تصور
ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنی ریاست کو اس معیار پر رکھیں۔ تو ہمیں معلوم ہوگا
کہ مالی لحاظ سے ہماری ریاست نہایت پسماندگی کی حالت
میں ہے۔ اگرچہ قدرت نے اسے ہر لحاظ سے مالا مال کر رکھا ہے لیکن
ہماری کم عقلی یا ناتجربہ کاری سمجھو کہ ہم ان سے بہت
کم مستفید ہو رہے ہیں۔ ریاست کی سرزمین کے چپہ چپہ پر قیمتی
معدنیات کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ اس کے جنگل قیمتی لکڑی کے
ذخیرے ہیں۔ اس کی زمین زعفران اور بنفشہ پیدا کرتی ہے۔ ابریشم
ایسی قیمتی چیزیں اس ملک میں بافراط پیدا ہوتی ہیں۔ پھل اور پھول کثرت
سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہزاروں جڑی بوٹیاں یہاں ملتی ہیں۔ لیکن
ہماری بے سمجھی سے یہ سب بہت حد تک اکارت پڑی
ہیں۔ اور ہم ہیں۔ کہ ناداری اور افلاس نے ہمیشہ کیلئے
ہمارے ہاں ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ عجب زبون حالی
میں دن کٹی ہو رہی ہے۔ ہزاروں غریبوں کو نہ دو
وقت پیٹ بھر کر کھانا ملتا ہے۔ اور نہ تن ڈھانپنے کو
کپڑا میسر آتا ہے۔ یہ نقشہ ہے ان لوگوں کی زندگی کا جو
اس فردوس صفت خطہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ حکومت کو
اگر کبھی مالی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو وہ ان ذرائع کی غور
پرداخت کی بجائے کسٹم ڈیوٹی عائد کی جاتی ہے جس

سے لوگوں پر اور بھی بوجھ پڑتا ہے۔ کاغذ کو لیجئے۔ موجودہ زمانہ میں اشاعت تعلیم کے لئے یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اور اگرچہ ریاست نے اس کی صنعت کی طرف کبھی توجہ نہیں دی۔ لیکن جب لوگ باہر سے درآمد کرتے ہیں۔ تو ان سے فی پونڈ ۵ پیسے ڈیوٹی وصول کی جاتی ہے جو بعض حالتوں میں ۱۰۰ فیصدی تک پہنچ جاتی ہے"[۱]

اخبار عام لاہور کے ہندو نامہ نگار کی شہادت

کشمیری پنڈتوں کے آرگن اخبار عام لاہور کا ہندو نامہ نگار لکھتا ہے۔ کہ ریاستی نظام اتنا خراب ہو گیا ہے۔ کہ اسے دوبارہ اوورہال کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

(۱۲) "بدقسمتی سے ریاست کے افسروں کی باہمی رنجش اور بعض نکمے اور سازشی افسروں کی بدولت فسادیوں کے حوصلے بڑھ گئے ہیں جس سے ہندوؤں میں (اور مسلمانوں میں ان سے زیادہ ناقل) بجا طور پر ناراضگی کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ جناب وزیر اعظم صاحب کشمیر صورت حالات سے بخوبی واقف ہیں لیکن وہ ان گندی مچھلیوں (بعض عہدہ داروں) کا کیا علاج کریں۔ جن سے دربار کشمیر کی فضاء ابھی تک صاف نہیں ہوئی چند سازشی اور نکمے آدمی کشمیر سے نکل گئے ہیں یا نکالے گئے ہیں لیکن جب تک کشمیر کی حکومت کے ذمہ وار افسروں کی اس ساری مشین کو اچھی طرح سے اوورہال (Overhaul) نہ کیا جائے گا۔ فسادیوں کے حوصلے پست نہ ہوں گے" (اخبار عام لاہور ۱۹ر دسمبر ۳۱ء صلا)

پھر اسی اخبار میں افسروں کی باہمی رقابت و رنجش کا رونا روتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ:۔

[۱] اخبار رنبیر جموں ۱۱ر اپریل ۳۲ء صلا۔

"ریاست کشمیر کے وزرا میں ایک دوسرے کے خلاف رنجش، حسد اور رقابت کے جذبات زوروں پر تھے جس کے باعث کشمیر کی ایجی ٹیشن پر وقت قابو حاصل نہ ہو سکنے کے باعث معاملات کشمیر نے خطرناک صورت اختیار کی۔" (اخبار عام ۱۹ر دسمبر ۳۱ء صفحہ ۴)

مسٹر چیڈ کر صدر ریاستی پرجا منڈل کی شہادت

مسٹر چیڈ کر نے ریاستی پرجا منڈل کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور (۲۷ر دسمبر ۲۹ء) کے صدارتی خطبہ میں ریاست کشمیر کے نظام حکومت اور وہاں کی رعایا کے متعلق مندرجہ ذیل لفظوں میں شہادت دی تھی کہ:-

(۱۳) "ریاست کشمیر اپنے وسیع ذرائع کے باوصف مقروض ہوا چاہتی ہے۔ رعایا کی قابل رحم حالت ہے۔ تعلیم اور حفظان صحت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ لیکن بایں ہمہ رعایا سے گراں قدر محاصل وصول کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بکریوں، بھیڑوں، مواشی کے ہر گلہ۔ ہر دوکان اور فواکہ کے درخت پر ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ غریب کشمیریوں کو بسر اوقات اور محاصل سے نجات حاصل کرنیکی غرض سے ترک وطن کر کے برطانوی ہند میں آنا پڑتا ہے، اور اس طرح مہاراجہ صاحب (غالباً یہ سابقہ مہاراج کی طرف اشارہ ہے) اور ان کی حکومت کے ارکان کو ریاست کی آمدنی کو فضولیات میں صرف کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔" [۱]

مہاشہ کرشن بی اے مالک اخبار "پرتاپ" کی شہادت

(۱۴) "مجھے بتایا جاتا ہے۔ کہ کشمیر کے عام لوگوں کی مالی حالت نہایت ناقص ہے۔ حیوانوں سے بدتر ان کی زندگی ہے۔ کم سے کم انسانی ضروریات بھی

[۱] اخبار سیاست لاہور ۲۹ر دسمبر ۲۹ء صفحہ ۶)

انہیں چھپا نہیں ہوتیں۔ میں مانتا ہوں کہ ایسی حالت ہے۔"[1]

پنڈت پرمیشور ناتھ کول بیرسٹرایٹ لا کی شہادت

اس کے بعد ہم ایک مشہور کشمیری پنڈت کے اس صدارتی خطبہ کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں۔ جو انہوں نے کشمیری نیشنل بورڈ منعقدہ لدھیانہ کے سالانہ جلسہ پر پڑھا تھا۔ امید ہے کہ اسے بھی پوری توجہ کے ساتھ پڑھا جائیگا۔

(۵۱) "ہمارے کشمیری بھائی جو آج کل کشمیر میں نہایت ذلیل زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہ ہیں۔ جن میں سے دو بڑی وجہیں ہیں اوّل تعلیم کی کمی۔ دوم غربت کی لعنت۔ لیکن سب سے پہلے اقتصادی حالت کو لیتا ہوں۔ ہم میں سے وہ احباب جو کشمیر دیکھ چکے ہیں یقینی طور پر جانتے ہیں۔ کہ کشمیر کا ملک باوجود صنعت وحرفت میں شہرہ آفاق ہونے کے۔ اور اپنے اندر اعلیٰ سے اعلیٰ ذرائع رکھنے کے ایک کارخانہ تک بھی نہیں رکھتا۔ پہلے کشمیر میں کاغذ کی فیکٹری نیز اور چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں موجود تھیں۔ جو اب ریاست کی عدم توجہی کے باعث معدوم ہو رہی ہیں۔ اس وقت کشمیری آبادی ۳½ ملین ہے۔ جس میں اب صرف دو فیکٹریاں ہیں۔ اور وہ ریاست کی ملکیت۔ اور ان میں بھی نہایت قلیل تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ یہ وقت نہایت موزوں ہے۔ کہ ریاست اس طرف توجہ کرے۔ اور ملک میں چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں کھول کر بیکاری جیسے پیچیدہ سوال کا انسداد کرے۔ اگر اس طرح پر ریاست اپنی رعایا کی مدد کر کے ان کا ایک دفعہ معیار زندگی بلند کر دے۔ تو مجھے یقین ہے۔ کہ ان لوگوں کے اخلاق جن کے متعلق طرح طرح کی باتیں سُننے میں آتی ہیں خود بخود ترقی

[1] پرتاپ ۲۵ر فروری ۳۲ء صفحہ ۵۔

کر جائیں گے۔ کس قدر بد قسمتی ہے۔ کہ کشمیری باوجود مادی دولت کی افراط کے اعلیٰ ورجہ کے زرخیز ملک اور خوشنما مناظر کے بھی دنیا کے سامنے ایسا افسوسناک منظر پیش کرے۔ جبکہ فرزندان کشمیر اپنی ذہانت و ذکاوت میں کسی سے کم نہیں ہیں"

"میں اس بات کو بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔ کہ کچھ کشمیری زندگی کے متعلق بھی عرض کروں۔ جیسا کہ تمام ہمعصر ہندوستانی ریاستوں میں بیگار کا دستور تھا۔ ایسے ہی کشمیر میں بھی اس کا رواج تھا۔ اور اب جبکہ تمام ہندوستانی ریاستوں نے اسے اڑا دیا ہے۔ کشمیر گورنمنٹ نے بھی لفظ "بیگار" کو کار سرکار میں بدل دیا۔ یعنی ریاست کشمیر نے دوسری ریاستوں میں اس بدرسم کے قطعی انسداد کو بنظر غور دیکھا۔ اور صرف بطور انتقام لفظی تغیر کر کے پہلے سسٹم کو قائم رکھا۔ اور اب بھی کوئی آدمی اس "کار سرکار" کے بجا لانے سے کتنا ہی معقول عذر کرے اور معذوری کا اظہار کرے۔ مگر مقامی افسر اس سے نہایت بُرا سلوک کرتے ہیں اور اس شخص کو قانون شکن اور باغی خیال کیا جاتا ہے"

"حکومت کشمیر کے لئے یہ کس قدر بدنامی کا باعث ہے۔ کہ ہر سال موسم سرما میں غریب مفلوک الحال کشمیری محض روزی کمانے اور مالگذاری کے پیسے جمع کرنے کے لئے ہندوستان آئیں۔ اس قدر افسوسناک صورت حال کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ کشمیر دربار کی عزت مجروح ہو چکی ہے۔ اور اس کا ثانی دیگر ہندوستانی ریاستوں میں ملنا نا ممکن ہے"

"اب میں تعلیمی سوال کو لیتا ہوں۔ اس کی طرف کچھ عرصہ سے معمولی توجہ کی گئی ہے۔ اور جیسا گمان تھا۔ نتائج نہایت غیر تسلی بخش پیدا

ہوئے ہیں، اس قومی بورڈ کی خواہش ہے۔ کہ ابتدائی تعلیم کم از کم قصبات میں تو لازمی اور جبری جاری کی جاوے۔ ان ریاستوں نے جو ریاست کشمیر سے کم پایا تنے ہی ذرائع آمد رکھتی ہیں۔ اس تعلیمی سوال کی طرف کافی توجہ کی ہے۔

یہ ایک سچائی ہے۔ کہ تعلیم حاصل کرنا ہر ایک شہری کا پیدائشی حق ہے۔ اور اس روشنی سے محروم رکھنا نہ صرف غلط بلکہ نہایت خطرناک پالیسی ہے اور یقیناً یہ امر کشمیر کے لیئے جو اپنی وسعت اور اعلیٰ قسم کے ذرائع آمد رکھنے کے اور جغرافیائی رنگ میں بھی بہترین پوزیشن رکھنے اور دوسری ریاستوں سے اعلیٰ درجہ رکھنے کے باعث فخر نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ تعلیم جیسی اہم چیز کے متعلق کوئی کوشش نہ کر سکا۔ تمام ہندوستان میں زنانہ سکول بڑے وسیع پیمانے پر جاری کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ تاکہ جہالت و توہمات دور ہوں۔ مگر کشمیر میں عورتوں کی تعلیم تو درکنار مردوں کی تعلیم کی طرف بھی پوری توجہ نہیں۔"

"میں دربار کشمیر سے بڑے زور کے ساتھ درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ نہایت پسندیدہ کام کریگی۔ اگر لوگوں سے مالیہ ان کی حیثیت اور وسعت سے زیادہ وصول نہ کرے۔ یہ کھلی کھلی حقیقت ہے۔ کہ موسم سرما میں سینکڑوں بدنصیب کشمیری اپنا گھر بار چھوڑ کر برٹش انڈیا میں سیر و سیاحت کی غرض سے نہیں بلکہ جیسا کہ میں پہلے بتلا چکا ہوں۔ ایک اشد ضرورت کے ماتحت آتے ہیں۔ ان کا مقصد روپیہ کمانا ہوتا ہے۔ تاکہ کشمیر میں جاکر اپنا مالیہ ادا کر سکیں جو یقینی طور پر کاشت کے ذریعہ ہرگز ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح پر ان بیچاروں کو سارا سال ہی محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے موسم

گرما میں کشمیر کے اندر اور موسم سرما میں ہندوستان میں۔ مگر یہ ان کی زندگی زندگی نہیں کہلا سکتی۔ غالبؔ نے اسی قسم کی زندگی بسر کرنے والوں کے متعلق ہی کہا ہے۔ کہ :-

ے زندگی اپنی جو اس ڈھب سے نہ گذری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے"

"اب ہم کو چند منٹ کے لئے اپنی توجہ پبلک ہیلتھ و محکمہ حفظانِ صحت کی طرف مبذول کرنا چاہیئے۔ ریاست کا خاص دارالخلافہ سرینگر ہے۔ صحت اور صفائی کے لحاظ سے اسی کی حالت ہی خراب نہیں۔ بلکہ اس کا گردو پیش بھی بدتر ہے۔ حالت یہ ہے۔ کہ سرینگر کی گندی اور متعفن گلیاں ایک ضرب المثل بن چکی ہیں۔ نہ قدیم نہ جدید۔ بازار نہایت گندے اور حفظان صحت کے بالکل خلاف دریائے جہلم کے کنارے۔ نہایت غیر محفوظ اور کیچڑ سے پُر۔ یہ اور دوسرے وجوہات مل کر ہر سال ہیضہ اور دیگر متعدی بیماریوں کے پھیلنے کا موجب ہوتے ہیں۔ آپ یہ سُن کر تعجب کریں گے۔ کہ آبادی کا ۳۰ فیصدی حصہ مرض سل کا شکار رہتا ہے۔ مگر پھر بھی حکومت کی طرف سے اس جہلک مرض کے انسداد کے لئے کوئی کوشش نہیں کیگئی"۔

"غالباً ہم میں سے بہت تھوڑے اس بات سے واقف ہوں گے۔ کہ چند صدیاں بیشتر کشمیر میں نہایت اعلیٰ درجہ کے سپاہی ہوتے تھے۔ جنھوں نے نہ صرف حدود کشمیر کی توسیع کی۔ بلکہ سندھ پر بھی حکومت کی۔ ایک بڑا حصہ افغانستان کا بھی اپنے تحت میں کیا۔ بلکہ ہندوستان کے وسط تک گھس گئے۔ جیسا کہ موجودہ آثار قدیمہ سے ظاہر ہے۔ یہ

ناقابل تسخیر کشمیری فوج کی طاقت و شجاعت ہی تھی۔ جس نے محمود غزنوی جیسے بہادر سپاہی کو جو ہندوستان کے لئے بلائے ناگہانی تھا واپس لوٹا دیا، ہماری بد قسمتی ہے۔ کہ ہمارے پاس گذشتہ زمانہ کے جنگی کارناموں کی یادگاریں نہیں رہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ بزدل اور ڈرپوک جیسے بُرے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں، لیکن باوجود اس کے بہی کشمیری ہندوستانی فوجوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ ریاست میں بھی کشمیری رجمنٹ پیادوں اور سواروں کی موجود ہے مگر اب کشمیری اس میں بھرتی نہیں کئے جاتے۔ اپنے گذشتہ حقوق حاصل کرنے کے لئے نیشنل بورڈ کو چاہیئے۔ کہ وہ کشمیر دربار سے اس بات کی درخواست کرے۔ کہ آئندہ کشمیریوں کو بھی بغیر کسی قومی امتیاز کے فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دے۔ اور فوج میں کمیشن والے عہدے بھی ملنے چاہئیں۔ یہ ایک بالکل جائز شکایت ہے۔ کیونکہ اگر کشمیریوں کو اس سے محروم رکھا گیا۔ تو ان پر یہ ایک دھبہ ہوگا۔ مگر اس دھبہ کو جلد سے جلد دُور کرنا چاہیئے۔ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ کہ لوگ ہمیں حقیر سمجھتے ہیں۔ اور ہماری وقعت اسی لئے ان کی نظروں میں نہیں۔ کہ ہم اپنی تاریخ سے بالکل واقف نہیں۔ حالانکہ ہم

اس قوم کے فرزند ہیں۔ ناقابل افواج
جس قوم سے محمود کا بھاگا تھا رسالہ
اس قوم کو اب ٹکڑا زمیں کا نہیں ملتا
جو قوم لیا کرتی تھی ملکوں کا قبالہ

اس لئے میں کشمیر دربار کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ کشمیر کے

تمام سکولوں اور کالجوں میں تاریخ کشمیر کا مطالعہ جاری کرائے"

"سر ایلبین بینرجی (سابق وزیر خارجہ ریاست کشمیر) نے کشمیر چھوڑنے کے بعد ہمارے ملک کی ایک نہایت دردناک تصویر کھینچی ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ لوگوں کی اپنی کوئی رائے نہیں۔ نہ کوئی پریس ہے۔ جو لوگوں کی شکایات پیش کر سکے۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ ہندوستان کی بڑی بڑی ریاستوں میں اخبار نکلتے ہیں۔ جن کے ذریعہ عوام اپنی شکایات پیش کرتے ہیں۔ مگر کشمیر دربار اخبار تک نکالنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اور بعض دفعہ تو اخبارات کا داخلہ ہی ریاست میں ممنوع قرار دیدیا جاتا ہے اور محض اس لئے کہ دربار کی پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔

میں اس کے متعلق کچھ زیادہ نہیں کہنا چاہتا۔ بلکہ نہایت ادب سے دربار کشمیر کی توجہ اس طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ کہ وہ برٹش ہند میں پریس کا کام ملاحظہ فرمائے۔ تاکہ اسے معلوم ہو۔ کہ وہاں کے لوگ اگر مہذب بن رہے ہیں تو پریس کی طفیل۔

کیا ہی اچھا ہو۔ اگر دربار کشمیر بھی اس مہذب اور شائستہ پالیسی کو اختیار کرے۔

میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ سر ایلبین بینرجی ایسے بُرے الفاظ میں ریاست کو ملامت نہ کرتا۔ اگر وہ ریاست کی اس مذموم اور بُری پالیسی کو جو دربار نے اختیار کر رکھی ہے اپنی آنکھوں نہ دیکھتا"

"بورڈ توقع کرتا ہے کہ کشمیر گورنمنٹ اس مشہور حاکم کے الفاظ کیطرف متوجہ ہوگی۔ اور کشمیریوں کو تہذیب و تمدن کے نئے طریقوں پر ترقی کرنے میں مدد دے گی"

اس طول طویل مگر ٹھوس اور جامع شہادت کے بعد کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر پھر بھی ہم چاہتے ہیں کہ ناظرین کرام دو ایک شہادتیں خود ریاست کے سابق عہدہ داروں کی بھی سُن لیں۔ تاکہ یہ امر اور بھی روشن اور واضح ہو جائے کہ مسلمانان کشمیر واقعی دُکھی، مصیبت زدہ اور آلام میں مبتلا ہیں۔ اور ان کی شکایات اور مطالبات بجا اور درست ہیں۔ سب سے پہلے ہم انگریزی اخبار سٹیٹسمین کا وہ مضمون نقل کرتے ہیں جس میں اس کے نامہ نگار خصوصی نے ریاست کشمیر کے سابق وزیر خارجہ سر ایلبین بینرجی کے اس بیان کا مفہوم اور خلاصہ اپنے لفظوں میں تحریر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک دو اور عہدہ داروں کی شہادتیں بھی نقل کریں گے۔ ہم متوقع ہیں۔ کہ احباب کرام مندرجہ ذیل اقتباس کو کامل توجہ اور پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔ کیونکہ اس میں ایک ایسے گھر کے بھیدی اور واقفِ راز کی شہادت درج ہے۔ جس سے بڑھکر اور کسی نے کیا واقف ہونا ہے۔ اور ناظرین کو یہ شہادت بتلائے گی۔ کہ مہا سبھائیوں کا ریاستی باشندوں کو ہر طرح سُکھی بتلانا اور ان کی شکایات کو بے بنیاد قرار دینا کس قدر کُھلی کُھلی کذب بیانی اور دھوکہ دہی ہے۔

اخبار سٹیٹسمین کے نامہ نگار خصوصی اور کشمیر کے سابق وزیر خارجہ مسٹر ایلبین بینرجی کی شہادت

اب سٹیٹسمین اور سر ایلبین کی آراء ملاحظہ ہوں۔ اس غیر جانبدار جریدہ میں لکھا ہے۔ کہ:-

(۱۶) "ہندو کانگریسی اخبارات جس طرح برطانوی راج کے خلاف محاذ جنگ قائم کئے ہوئے تھے۔ اسی طرح آج کل انہوں نے مسلمانوں کے کشمیری اضطراب کے خلاف بھی ایک مستقل جہاد شروع کر رکھا ہے۔ اور اس مسلم ایجی ٹیشن کو ناقص بتا بتا کر اس کے اثر کو زائل

کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ تحریک
اس قدر کامیاب منظم ہے۔ کہ قارئین کرام کو بخوبی معلوم ہوگا۔

ریاست جموں و کشمیر کے باشندوں کی حالت جس قدر خراب ہے۔ ان پر جس طرح حکومت کی جاتی ہے ان کے ساتھ غیر شریفانہ اور انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے۔ اس کا اندازہ خود ریاست کے ایک سابق اہلکار کی زبان سے سنئے۔ اور غور کیجئے۔ کہ یہاں کی حالت کسقدر ناگفتہ بہ اور کسقدر ناقابل برداشت ہوچکی ہے۔ پریس کے نمائندہ سے ریاست کشمیر کے "محکمہ خارجیہ سیاسیہ" کے سابق وزیر (سنہ ۱۹۲۹ء) سر ایلبین بینرجی نے اپنے عہدہ سے دست بردار ہونے کے بعد جو ایک دفعہ بیان دیا تھا۔ اس وقت اُس کا اعادہ ضرور مفید ہوگا۔ یاد رہے۔ کہ یہ بیان کسی تحریک کے سلسلہ میں نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ ان واقعات سے متاثر ہو کر دیا گیا ہے۔ جن سے وہ اپنے عہد میں متاثر ہوئے۔ اور جو انہوں نے اپنے عہد حکومت میں اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اور آگاہی عوام کے لئے شائع کردیا۔ سٹر ایلبین بینرجی نے جو واقعات بیان کئے تھے۔ ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

(۱) "کشمیر کی ریاست میں تقریباً تمام مسلمانوں کی آبادی ہے۔ لیکن اس قدر جاہل، اس قدر سادہ لوح اور مظلوم و معصوم کہ حدِ بیان سے باہر ہے۔ افلاس بے انتہا بڑھا ہُوا ہے۔ اور حکومت کی بے اعتنائی اور جَور اس قدر ناقابلِ برداشت ہیں۔ کہ مجھے ان کی حالت دیکھ دیکھ کر رقت ہوتی تھی۔ حکومت اور رعایا کے درمیان کوئی رابطہ محبت نہیں ہے۔

وہ بے زبان مویشیوں کی طرح ہیں۔ جو حاکم جس صورت سے چاہتا ہے۔ ان سے کام لیتا ہے۔ اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ حکومت کی انتظامی مشینری اس قدر خراب اور ناقص ہے۔ کہ میں عرض نہیں کر سکتا۔ ضرورت نہیں بلکہ اشد اور لابدی امر ہے۔ کہ تمام انتظامی عملہ کو از سر نو تعمیر کیا جائے اور تمام نقائص فوراً دور کر دئے جائیں۔ لوگوں کو شکائتیں کرنے اور اپنی حالت حکام بالا تک پہنچانے کا کوئی معقول ذریعہ نہیں ہے۔ اور حکومت ان کی طرف سے اس قدر استغنا برتتی ہے۔ کہ گویا وہ ان سے کچھ فائدہ حاصل کرتی ہی نہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ جو تمام تر کشمیری پنڈتوں پر مشتمل ہے۔ ان کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں۔ اس لئے انہیں بھی ایک طرح سے مسلمانوں ہی کی طرح خراب وخستہ سمجھنا چاہیئے۔ وہ کسی قسم کی تجارتی یا صنعتی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اور مذہبی حلقوں میں ان کی حالت اچھی نہیں، اس لئے وہ بھی بُری حالت میں ہیں۔ حکومت کی ملازمتوں میں ان کو بھی ترجیح نہیں دی جاتی۔ ہاں بیرونی احباب کی خوب پرورش ہوتی ہے۔ ریاست میں کوئی رائے عامہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اخبارات سرے سے ہیں ہی نہیں۔ اور موجودہ دورِ تمدن میں کسی مقام پر اخبارات کا نہ ہونا جس قدر اندوہناک منظر ودرجہالت وبربریت کا پیش کر سکتا ہے۔ وہ وہاں موجود ہے۔ یعنی رائے عامہ کے فقدان سے وہاں کی حکومت کی پالیسی پر نکتہ چینی بالکل نہیں ہوتی۔ اور اس کی وجہ سے یا تو بعض امور عامہ ہوتے ہی نہیں۔ اگر ہوتے ہیں تو بہ خرابی بسیار۔ جس پر اعتراض کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

اور وہ موجودہ دور کی اس نعمت سے محروم ہیں۔ کشمیر کی سیاسی فوقیت زیادہ تر قدرتی اور جغرافیائی محل وقوع کی بنا پر ہے۔ کیونکہ قدرت نے اسے تین بڑی بڑی سلطنتوں کے مابین پیدا کیا ہے۔ اور اس وجہ سے اسے جو سیاسی فوقیت حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن یہ ریاست نہ تو کبھی اپنے پورے مدارج پر پہنچے گی۔ اور نہ اپنی ذمہ داریاں پہچانے گی جب تک کہ حکومت اور باشندوں کے درمیان زیادہ رابطہ اتحاد اور زیادہ رشتۂ الفت و مفاہمت قائم نہ ہو۔ ...... کشمیر کے دستکار جس قدر مشہور اور جفاکش مشہور تھے۔ اب ان کی ہمت افزائی نہیں ہوتی۔ اور اس وجہ سے ان کی حالت اس قدر مائل بہ انحطاط ہے۔ کہ بیان سے باہر ہے۔ حکومت ان کی سرپرستی اور امداد نہیں کرتی اس وجہ سے ان کی حالت روز بروز گھٹتی (گرتی) چلی جا رہی ہے۔ میسور کی حکومت اپنے صناعوں کی جتنی امداد و سرپرستی کرتی ہے۔ وہ اس ریاست (کشمیر) کے لئے ایک نمونہ ہے۔"

(بحوالہ ٹیٹسمین ۱۹ اگست ۱۹۳۱ء از سیاست لاہور ۲۳ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۴)

ہندو مہا سبھائی اور کانگرسی اصحاب جو مسلمانانِ کشمیر کی کامیابی و خوشحالی میں بُری طرح روکیں پیدا کر رہے ہیں۔ اس بیان کو پڑھ کر بتلائیں۔ کہ جو لوگ اتنے دکھی اتنے تباہ حال اور ستم رسیدہ ہوں۔ کیا ان کی مخالفت کرنا روا ہے؟ کیا اخلاق اور انسانیت کا یہی تقاضہ ہے۔ کہ ان بے یار و مددگار انسانوں کے دُکھ دور کرنے کی بجائے انہیں اور بھی ستایا اور تنگ کیا جائے؟ کیا آپ لوگوں کا ریاستی عہدہ داروں کی پیٹھ ٹھونکنا اور مظلوموں کی مخالفت کرنا وید اور شاستر کی تعلیم ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر کیوں ایسا کیا جاتا ہے؟

کیا ان کی اس لئے مخالفت کی جاتی ہے۔ کہ وہ مسلمان ہیں؟ لیکن ہندو دہرم اس کی اجازت دیتا ہے؟ اگر کہئے نہیں تو پھر اس مخالفت کی اور کیا وجہ ہے؟

مگر ہم جانتے ہیں۔ کہ اس اندہی مخالفت کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ اگر وہاں کے مسلمان آسودہ اور خوشحال ہو گئے، انہیں مطلوبہ جائز حقوق مل گئے۔ اور حکومتِ وقت میں انہیں بھی حصہ دار بنالیا گیا۔ تو اس سے ان کی اس سکیم کا قطعی طور پر تیا پانچا ہو جائیگا جس کا نام ہندو راج ہے۔ اور جو کشمیر سے راس کماری تک قائم کرنا چاہتے ہیں،

مگر انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس قسم کے غلط ایمان اور اخلاق کے خلاف منصوبے کبھی بھی پورے نہ ہونگے۔ اور نہ ہی ایسی مذموم اور بے انصافی پر مبنی تحریکیں سرسبز ہو سکتی ہیں، خواہ ہندو مہاسبھائی اور کانگریسی ایڑی چوٹی تک کا زور بھی لگا کر کیوں نہ دیکھ لیں،

ملک کے حالات اور انسانیت کا یہی تقاضا ہے کہ جس کو جتنا حق پہنچتا ہے۔ وہ اسے لینے دیا جائے، اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس منصفانہ اصول سے اکثر و بیشتر شریف طبع ہندو متفق ہونگے۔ اور ہمارے نزدیک وہ وقت جلد آنیوالا ہے جبکہ ایسے ہی روشن خیال اور نیک طینت ہندو میدان عمل میں نکلیں گے۔ اور مہاسبھائیوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے ہر ایک کو جتنا حق پہنچتا ہے دلائیں گے، اور ان کی پاکیزہ کوششیں ہندو اور مسلمانوں کو یک جان دو قالب بنادیں گی۔ لیکن جب تک ایسی مبارک ہستیوں کو آگے آنے کا موقعہ نہ ملے۔ ہم ان کا راستہ صاف کرنے کے لئے مہاسبھائی ذہنیت کو بے نقاب کرتے ہی رہینگے، انشاء اللہ تعالیٰ،

سر برجور دلال چیف جج ہائیکورٹ ریاست جموں و کشمیر کی شہادت	اس کے بعد دلال کمیشن کی شہادت بھی سن لیجئے۔ جو ان کی رپورٹ سے ماخوذ ہے۔ لکھا کہ:۔

(۱۸) "واقعی ملازمتوں میں مسلمانوں کی بڑی کمی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا تناسب ہر محکمہ میں قائم ہونا چاہیئے"

راجہ سر ہری کشن کول سابق وزیر اعظم کشمیر کی شہادت

اس کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے سابق وزیر اعظم کی شہادت بھی سُن لیں۔ جو بھائی پرمانند کے اخبار "ہندو" کی اس کذب بیانی کا کہ مسلمانان کشمیر کی شکایات بے بنیاد ہیں مُنہ توڑ جواب ہے۔ صاحب موصوف نے ٹریبیون کے نامہ نگار کے سامنے اقبال کیا۔ کہ :-

(۱۹) "میں نے کبھی اس بات کو نظر انداز نہیں کیا کہ مسلمانوں کی کئی جائز شکایات بھی ہیں" (اخبار ویر بھارت ۲۶ فروری ۳۲ء صلا)

گلینسی کمیشن کی شہادت

اب ہم ریاست جموں و کشمیر کے سپیشل کارکن مسٹر گلینسی اور ان کے رفقاء کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جو اس امر کی مُنہ بولتی شاہد ہے۔ کہ ہندو مہاسبھائیوں کا یہ کہنا قطعی غلط اور جھوٹ محض ہے۔ کہ :-

"ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں"

اور یہ کہ مسلمان اخبارات

"جو شکایات اس ہندو ریاست کے خلاف شائع کر رہے ہیں،... وہ بالکل بے بنیاد ہیں"

کیونکہ یہ شہادت ایسے شخص بلکہ ایسے اشخاص کی ہے جنھوں نے مہاراجہ صاحب بہادر کے حکم اور ارشاد کے ماتحت ملک کا دورہ کر کے سرکاری کاغذات کا مطالعہ کر کے اور ہر طرف سے حالات معلوم کر کے شہادت دی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس قسم کی مضبوط اور جچی تُلی شہادت کا انکار بڑے سے بڑے مہاسبھائی

سے بھی ناممکن ہے۔ چونکہ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ کشمیر پونچی ہر ایک شکایت کے متعلق اس کمیشن کی تائید و تصدیق کا حوالہ دیا جائے۔ اس لئے فی الحال چند اقتباس ہی ہدیۂ ناظرین کرنے پر اکتفاء کرینگے،

وظائف یتامیٰ کے متعلق

وظائف یتامیٰ کے متعلق وہاں کے مسلمانوں کو سخت شکایت تھی۔ کہ ریاست اس فنڈ کا زیادہ حصہ ۲۰ فیصدی آبادی پر خرچ کرتی ہے۔ اور جن کی آبادی ۸۰ فیصدی ہے۔ ان کو بہت کم مدد ملتی ہے۔ چونکہ یہ شکایت جائز اور حقیقت پر مبنی تھی۔ اس لئے گلینسی کمیشن کو لکھنا پڑا۔ کہ:۔

(۲۰) "وظائف یتامیٰ میں بھی تمام اقوام کو جائز حصہ دیا جانا چاہیئے۔ محکمہ تعلیم نے جو تازہ اعداد و شمار مہیا کئے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ۱۹۰ طلباء کو وظائف یتامیٰ دئے گئے۔ جن میں ۱۴۸ ہندو اور صرف ۴۲ مسلمان تھے۔

یہ بھی سفارش کی جاتی ہے۔ کہ جن وظائف کو اب "گوورکھشا وظائف" کہا جاتا ہے۔ ان کو وظائف یتامیٰ میں ملا دیا جائے۔ اس لئے کہ بظاہر ان وظائف کا گوورکھشا سے کوئی تعلق نہیں۔ حکام تعلیم نے جو خط و کتابت مہیا کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ گوورکھشا وظائف کا حقیقی منشاء یہ تھا۔ کہ مذہب و ملت کی تمیز کے بغیر یتیم اور غریب طلباء کو امداد بہم پہنچائی جائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ عملی طور پر صرف ایک ہی قوم (ہندو) کو ان وظائف سے فائدہ پہنچایا جا رہا ہے"[۱]

محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کا افسوسناک تناسب

ایک شکایت مسلمانان ریاست کو یہ تھی۔ کہ ریاست کے محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کو

[۱] (ترجمہ گلینسی کمیشن رپورٹ ص ۲۸)

بہت کم بھرتی کیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے ہیں چونکہ یہ بھی شکایت حقیقت پر مبنی تھی۔ اس لئے کمیشن کو اقرار کرنا پڑا۔ کہ اس محکمہ میں مسلمانوں کی تعداد واقعی افسوسناک ہے۔

"محکمہ تعلیم نے جو اعداد و شمار مہیا کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال ان کا تناسب یہ ہے:۔

عہدہ دار	مسلمان	مجموعی تعداد
ٹیچر	۸۱۷	۲۲۰۱
سرکاری مڈل سکولوں کے ہیڈ ماسٹر	۳	۳۹
سرکاری ہائی " " "	۱	۱۵
کالجوں کے پروفیسر	۴	۳۳
ڈیمانسٹریٹر	۱	۸
معائنہ کرنے والا عملہ	۳	۱۴
گزٹیڈ آفیسر	۴	۲۷

پس ظاہر ہے۔ کہ مسلمان ملازمین کی تعداد افسوسناک طور پر کم ہے اس صورت حال کے تدارک کی کوشش کی جائے"

ٹریننگ کلاسوں کے مسلمان وظیفہ خواروں سے غیر مساویانہ سلوک

"گذشتہ پانچ سال کے عرصہ میں ٹریننگ کلاسوں کے مسلمان وظیفہ خواروں کی تعداد ۱۳۲ غیر مسلموں کے مقابلہ میں صرف ۳۷ تھی"

دفتر محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کا فقدان

"فہرست موصولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وزیر تعلیم کے سیکرٹریٹ میں جو سکرٹری

سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ اہلکار تک ۱۲ عہدیداروں پر مشتمل تھی۔ ایک بھی مسلمان نہیں۔ اس سے بیّن طور پر منکشف ہوتا ہے۔ کہ محکمہ مذکورہ میں نہایت افسوسناک اور ناگوار صورت حال ہے۔ اور اس محکمہ میں مسلمان ملازمین کی تعداد بڑھانے کے متعلق مسٹر شارپ کی سفارشات پر عمل نہیں کیا گیا۔ علیٰ ہذا القیاس انسپکٹران تعلیم کے دفاتر میں مسلمانوں کی تعداد ناکافی ہے۔ اس کے انسداد کے لئے تدابیر عمل میں لائی جائیں۔"

(ترجمہ گلینسی کمیشن رپورٹ صفحہ ۳۳-۳۴)

اسلامی زبانوں پر سنسکرت کو ترجیح

"شکایت کی گئی ہے۔ کہ کچھ عرصہ سے وہ سرمایہ جو مشرقی علوم کی نشر و اشاعت کے لئے منظور کیا گیا تھا۔ صرف سنسکرت کی ترقی کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ یہ تبدیلی سخت قابلِ اعتراض اور مذمت کے لائق ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ عربی اور سنسکرت کے اساتذہ کی تنخواہیں حتی المقدور یکساں کر دی جائیں، بشرطیکہ ان کی قابلیتیں بھی یکساں ہوں۔" (ر ر صفحہ ۳۵)

سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی افسوسناک کمی

سب سے بڑی شکایت مسلمانوں کی یہ ہے۔ کہ انہیں سرکاری ملازمتوں میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ چونکہ یہ شکایت بھی وزندار اور معقول تھی اس لئے کمیشن کو لکھنا پڑا کہ:-

"اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ سرکاری ملازمت کے معاملہ میں مسلمانوں کو جو آبادی میں بہت بڑی اکثریت رکھتے ہیں۔ کافی نیابت حاصل نہیں ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ بعض چھوٹی اقلیت

والی اقوام (غیر ہندو) کے متعلق بھی ملہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کے موجودہ تناسب کے متعلق بعض نہایت دلچسپ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

	محکمہ	غیر مسلم	مسلم
شعبہ انتظامی	تعمیرات عامہ	۱۸۳	۵۴
	الیکٹریکل ومکینیکل	۴۷	۳
	ٹیلیگراف وٹیلیفون	۴۲	۷
	کسٹم (اسسٹنٹ محالدار اور اس سے اوپر)	۱۹۵	۱۴
	مال (گرداور اور پٹواری) میرپور	۱۳۱	۳۱
	” ” ” ریاسی	۸۵	۹
کلیریکل	فنانس	۳۶۸	۲۹
	محکمہ تعمیرات عامہ	۱۹۴	۳
	عدالت	۱۶۲	۲۱
ادنیٰ ملازم	محکمہ تعمیرات عامہ	۱۲۰	۲۳
	کسٹم	۳۱۴	۱۰۸
	سٹیشنری ڈپو اور چھاپہ خانہ	۶۶	۵

مذکورہ بالا اعداد و شمار متعلقہ محکمہ جات سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اور یقین کیا جاتا ہے۔ کہ موجودہ حالات میں یہ بالکل صحیح (اپ ٹو ڈیٹ) ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ تمام محکموں اور اضلاع کے متعلق مکمل معلومات حاصل نہیں ہو سکیں ۔۔۔۔ مسلمان کہتے ہیں

کہ بعض اعلیٰ عہدہ داروں نے جان بوجھ کر ہمیں ملازمت سے محروم رکھا ہے۔ اور انہوں نے مسلمانوں سے ان تمام اسامیوں کو جو سرکاری دفاتر میں خالی ہوتی ہیں پردۂ اخفار میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان خالی اسامیوں کو رشوت لے کر یا کنبہ پروری کے طور پر خفیہ خفیہ پُر کر دیا جاتا ہے"۔ (رر صفحہ ۳۸ تا ۹۹)

ذرائع آمد و رفت کی افسوسناک حالت

"واقعی سڑکوں کی حالت یہ ہے۔ کہ ریاست کے اکثر حصوں میں نامہ و پیام اور آمد و رفت کا سلسلہ بہت خراب ہے"۔ (صفحہ ۹۶)

محکمہ چُنگی کی ایذا رسانیاں

"محکمہ چونگی کے خلاف تاجروں اور دیگر اشخاص نے بہت شکایت کی ہے۔ جو دیہاتی یا دوسرے اشخاص ریاست کی سرحد کے بالکل قریب رہتے ہیں۔ ان کے لئے قدرتی طور پر چونگی کا محکمہ ہمیشہ سے تکلیف کا باعث بنا ہوا ہے۔ . . . زراعت پیشہ لوگوں نے شکایت کی ہے کہ چونگی وصول کرنے کے لئے گنّے کو نامناسب طور پر پھلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ شکایت جائز معلوم ہوتی ہے۔ گنّے کو زرعی پیداوار کا نام دینا زیادہ موزوں ہے۔ اس طرح گنّے پر موجودہ قواعد کے مطابق چونگی نہیں دینا پڑیگی۔ . . . تاجروں نے شکائت کی ہے۔ کہ ہمیں بعض معاملات میں حکام محکمہ محصول بلا وجہ تکلیف دیتے ہیں حال ہی میں قانون میں ایک تبدیلی کی گئی ہے جس کے مطابق صرف اسی صورت میں محصول درآمد سے معافی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ جو مال ریاست سے باہر پسند کے لئے بھیجا گیا ہو۔ وہ وصول کرنیوالے

سے واپس آگیا ہو۔ اس وقت قانون یہ ہے۔ کہ اس قسم کا تمام مال برآمد سے قبل حکام محکمہ محصول کو دکھالیا جائے۔ ورنہ محصول کی معافی کا مطالبہ نامنظور کر دیا جائے گا۔ اگر ناجائز ذرائع (رشوت) سے اہلکاران متعلقہ کو جلدی کام کرنے پر آمادہ نہ کیا جائے۔ تو اکثر تاخیر واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت سی معتبر شہادتیں موجود ہیں۔ جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ محکمہ محصول نے تاجروں کے مال کا کتنا نقصان کیا۔ مثلاً شالوں پر محکمہ کسٹم کی مہر لگائی گئی۔ تاکہ ان کے پہچاننے میں دقت نہ ہو۔ لیکن مہر کچھ ایسے طریقے سے لگائی گئی۔ کہ شال کا فروخت کرنا قریب قریب ناممکن ہو گیا۔" الخ

کشمیر کے باغوں کی ویرانی اور بربادی

مسلمانان کشمیر کی روزی کا دار و مدار باغوں کی شادابی اور پھلوں کی فروخت پر بھی ہے۔ مگر کئی سال سے ان کے باغ ایک خاص قسم کی بیماری کے باعث تباہ ہو رہے ہیں۔ مگر ریاست نے اس کے ازالہ کی کوئی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ ان باغوں کی آمد میں سے ریاست بھی کچھ نہ کچھ حصہ لیتی ہے، چونکہ یہ شکایت بھی حقیقت پر مبنی تھی۔ اس لئے دوسری شکایات کی طرح اسے بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

"چند سالوں سے پھلوں کی صنعت کو ایک مرض سے جسے سان جوسی سکیل کہتے ہیں سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور اس کی ترقی کی راہ میں روڑا اٹک گیا ہے۔ اکثر باغ تباہ ہو گئے ہیں۔ اور اکثر تباہ ہو رہے ہیں۔ باغوں کی حالت نہایت خطرناک ہے۔ یہ مرض بڑی تیزی کے ساتھ ایک باغ سے دوسرے باغ میں پھیل رہا ہے (ہر وقت نہیں بلکہ اب) اس کے انسداد کے لئے ریاست کے حکام نے ایک ماہر کی خدمات طلب کی ہیں

(غالباً ابھی حاصل نہیں ہوئیں۔ ناقل) اور اس کا مقابلہ کرنے کی تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ بظاہر اس معاملہ میں اور زیادہ مستعدی دکھانے کی ضرورت ہے۔" (" صـ۱۰۱)

رشوت کی گرم بازاری

کشمیریوں کو جہاں اور بیسیوں دکھ ہیں وہاں رشوت نے بھی ان کا کچومر نکال رکھا ہے جس کے متعلق گلینسی کمیشن کو بھی بایں الفاظ اقرار کرنا پڑا کہ:-

"شکایات موصول ہوئی ہیں۔ کہ ریاست کے ہر محکمہ مثلاً پولیس، جنگلات، مال وغیرہ میں رشوت ستانی کا بازار گرم ہے۔ ادنیٰ اہلکار مثلاً فارسٹ گارڈ گیم واچر (چوکیدار جنگلات۔ چوکیدار شکار) دیہاتیوں کے خرچ پر مفت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور دیہاتیوں سے باقاعدہ ٹیکس کی صورت میں رشوت وصول کرتے ہیں۔ بالخصوص پولیس کے خلاف سخت الزامات لگائے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ پولیس بیکار محض ہے۔ اس کو عوام سے ناجائز نذرانے یا رشوتیں حاصل کرنے سے ہی فرصت نہیں ملتی بلاشبہ **ان شکایات میں بہت صداقت ہے** تاہم امید ہے۔ کہ اب پولیس کا محکمہ ایک تجربہ کار انسپکٹر جنرل کی نگرانی میں آگیا ہے یہ شکایتیں جلد دور ہو جائیں گی۔ محکمہ تعمیرات عامہ کے خلاف بھی رشوت ستانی کے بہت سے الزامات لگائے گئے ہیں۔ افسوس کہ یہ باور کرنے کی ہر وجہ موجود ہے۔ کہ **رشوت خوری کی شکایات بہت حد تک صحیح ہیں**۔ لیکن اکثر حالات میں خود عوام زیادہ ملامت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ناجائز نذرانے (رشوتیں) محض اس توقع سے دیتے ہیں

کہ ان کے دینے والوں کو فائدہ ہو گا۔ (ہمارے نزدیک عوام میں سے زیادہ تر ایسے لوگ رشوت دیتے ہیں۔ جو حکام کے بیجا ظلم و ستم سے بچنا چاہتے ہیں۔ نا قل) اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بدترین مجرم ریاست کے اہلکار ہی ہیں۔ اس لئے ہز ہائینس گورنمنٹ کو ہر طرح کوشش کرنا چاہیئے۔ کہ رشوت ستانی میں کمی ہو جائے۔ اس وقت اسی کا ہر طرف دور دورہ ہے"

"(رشوت کے متعلق) ایک انسدادی تدبیر کی سفارش کی جاتی ہے جس پر عمل کیا جانا چاہیئے۔ تدبیر یہ ہے۔ کہ اعلیٰ عہدیدار محکموں کی زیادہ نگرانی اور علاقوں کا پہلے سے زیادہ دورہ کیا کریں۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس وقت ریاست کی مشینری میں حد سے زیادہ مرکزیت پائی جاتی ہے۔ اعلیٰ افسر زیادہ تر ایسے کاموں میں مصروف ہیں۔ جو ماتحتوں کے حوالہ کیا جانا چاہیئے تھا۔ ان کے اس رویہ کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ انکو معائنہ اور نگرانی کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے۔

اہلکاران ماتحت بہت کم اختیارات کے مالک ہونے کیوجہ سے اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے۔ بالعموم وہ اپنے عہدوں کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ان کی یہ کوشش ہوتی ہے۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ دولت جمع کر لیں۔ یہ بھی شکایت کی جاتی ہے۔ کہ محکموں کے اکثر افسران میں غیر ضروری تبادلوں کی بھرمار رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ محکمے بہت غیر ذمہ دار بن گئے ہیں اور ان میں رشوت ستانی کا زور بڑھ گیا ہے"

(" صہ ۸۷ ")

رعایا کو راجی کے پاس شکایات پہنچانے میں عہدہ دار روک ڈالتے ہیں۔

مہاراجہ صاحب بہادر کی وفادار رعایا کو ایک بہت بڑی شکایت یہ بھی ہے۔ کہ ریاست کے بعض عہدہ دار اسے اپنے والی اور حکمران کے حضور باریاب نہیں ہونے دیتے۔ حالانکہ اگر وہ اس قسم کی روکیں نہ ڈالیں اور بلا کسی روک ٹوک کے رعایا کو اپنے مہاراج کے پاس جانے دیں۔ تو جس قسم کی مشکلات اور مصائب میں وہ گرفتار ہے۔ وہ بہت حد تک جلد ہی دور ہو جائیں۔ لیکن چونکہ بعض عہدہ دار یہ سمجھتے رہے۔ کہ اگر رعایا کو مہاراج کے پاس جانے دیا اور اس نے وہاں شکایات کا دفتر کھول دیا۔ تو ہماری خود مختاری اور جلبِ زر میں فرق آجائے گا۔ اس لئے وہ رعایا کو اس کا موقعہ ہی نہ دیتے تھے۔ لیکن چونکہ رعایا کی یہ شکایت بجا اور درست تھی اس لئے گلینسی کمیشن کو اس کی معقولیت پر صاد کرنا پڑا جیسا کہ مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:-

"شکایت کی گئی ہے۔ کہ تمام اقوام۔ بالعموم اہلکاروں کے جلبِ زر کا تختۂ مشق بنی ہوئی ہیں۔ بعض غرض مند (اہلکاروں کی) جماعتوں نے اپنا یہ وطیرہ بنا رکھا ہے۔ کہ وہ رعایائے ریاست کو ہز ہائینس کی خدمت میں بآسانی باریاب ہونے نہیں دیتیں۔ یہ پختہ طور پر یقین کیا جاتا ہے۔ کہ اگر رعایا کی شکایات مناسب موقع پر ہز ہائینس مہاراجہ بہادر کے گوش گذار کیجائیں تو بہت سی خرابیوں کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اگر اعلیٰ حکام یا دوسرے افسر مہاراجہ بہادر کی خدمت میں اس لئے کسی کو باریاب نہ ہونے دیں۔ کہ وہ آپ کی خدمت میں اپنی شکایات پیش کرے گا۔ تو ایسے حکام کی سختی سے گوشمالی کرنا چاہیئے" (رر ص۸۷)

ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر اس شکایت کا کماحقہٗ ازالہ ہو جائے۔ اور آئندہ رعایا کو براہ راست اپنے حکمران کے سامنے شکایات پیش کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ تو حالات

کی اصلاح بہت جلد ہو جاتے، اور ایسی حالت میں رعایا کو نہ تو اخباروں میں شور مچانے کی ضرورت پڑے نہ پلیٹ فارم پر چیخنا پڑے۔ اور نہ ہی اس کو برطانوی ہند کے لوگوں سے امداد حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہو، کیونکہ جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں موجودہ مہاراج نہایت شریف، با اخلاق، نرم دل اور روادار واقع ہوئے ہیں۔ . . . اور انہیں اپنی رعایا سے ہمدردی ہے۔ اگر انہیں رعایا سے بالمشافہ گفتگو کا موقعہ ملے، تو یہ یقینی بات ہے۔ کہ ریاست اور رعایا کی مشکلات جلد سے جلد دور ہو جائیں۔ اور ملک دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر کے دکھادے، لیکن یہ توقع تو اسی حالت میں پوری ہو سکتی ہے۔ جبکہ ماتحت عملہ کی بھی اصلاح ہو۔ اور اس کی ذہنیت بھی بدل جائے۔ بہرحال گلینسی رپورٹ کے یہ ریمارک ضائع نہیں جائیں گے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ کبھی نہ کبھی رعایا کو یہ شرف بھی حاصل ہو کر ہی رہیگا،

مسلمانانِ ریاست کی مذکورہ بالا تمام شکایات پر

مہاراجہ صاحب بہادر کی مہر تصدیق ثبت

مسلمانانِ ریاست کو جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور جس قسم کے عہدہ داروں اور قانون سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور جس رنگ میں ان سے عہدہ دار برتاؤ کرتے ہیں۔ اور جس طرز پر نظامِ حکومت چلایا جا رہا ہے اور جس نوع کی اس میں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ ان کے متعلق اور بھی بہت سی شہادتیں نقل کی جا سکتی ہیں۔ مگر چونکہ ہمارے پاس نہ اتنا وقت ہے اور نہ ہی جگہ۔ اس لئے فی الحال انہی شہادتوں کو کافی اور وافی سمجھتے ہیں جن میں انگریز مدبروں کی بھی ہیں، انگریزی اخباروں کی بھی

ہیں۔ہندو لیڈروں کی بھی ہیں، ہندو کانگرسیوں کی بھی ہیں، ہندو اخباروں کی بھی ہیں اور خود مہا سبھائیوں کی بھی ہیں، یہی کیوں خود ریاست کے ذمہ وار عہدہ داروں کی بھی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں۔کہ مسلمانانِ کشمیر کی تائید وحمایت میں اتنا شاندار ریکارڈ پہلے کبھی جمع نہ ہوا ہوگا۔جو خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے رسالہ ہذا اور اس کے پہلے حصہ میں جمع ہوگیا ہے۔ اور ہمیں یقین ہے۔کہ ان تمام غیر جانبدار اور حقیقت پر مبنی شہادتوں کے مطالعہ کے بعد اس بات میں خفیف سے خفیف شک کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی۔کہ مسلمانان جموں وکشمیر واقعی حقوق سے محروم، مفلوک الحال، پسماندہ، مظلوم اور ستم رسیدہ ہیں۔اور یقیناً اس قابل ہیں۔کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں رحم اور ہمدردی کا جذبہ موجود ہے۔ ان لوگوں کی حالت زار کو دیکھتا ہوا ان کی طرف اپنی اعانت ودستگیری کا ہاتھ بڑھائے گا۔ اور اس وقت تک دم نہ لے گا۔جب تک کہ خدا کی یہ ۳۲ لاکھ پریشان اور خستہ حال مخلوق اپنی مراد کو نہ پہنچ جائے۔

ان وقیع، وزندار اور حقیقت پر مبنی شہادتوں کے بعد کسی مزید شہادت کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔مگر ہم چاہتے ہیں۔کہ مہا سبھائیوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تہ خاک ملا دینے کی خاطر خود شری مہاراجہ صاحب بہادر کی بھی ان شکایات پر مُہر تصدیق ثبت دکھا دیں۔تاکہ آئندہ چالاک سے چالاک معترض اور مخالف کو بھی اس معاملہ میں لب کشائی کی جرأت نہ ہو۔

جب گلینسی کمیشن نے ہر قسم کی شکایات جمع کرکے اور ان میں سے اکثر کے ازالہ کی سفارش کرکے مہاراجہ صاحب بہادر کے سامنے رپورٹ پیش کی۔تو اس پر مُہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے مہاراجہ صاحب بہادر نے فرمایا۔کہ:۔

”مسٹر گلینسی اور کمیشن کے دوسرے ممبروں نے تحقیقات میں جس محنت، احتیاط اور قابلیت سے کام لیا ہے۔اس کے لئے ان اصحاب

کو میرا شکریہ پہنچا دیا جائے۔ رپورٹ میں بالکل غیر جانبدارانہ۔ سیر حاصل، مدلل اور مفصل پیرایہ میں ان تمام معاملات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جن پر کمیشن نے شرائط تحقیقات کے ماتحت غور کیا۔ ہز ہائینس مہاراجہ بہادر نے ازراہ شفقت خسروانہ رپورٹ کی سفارشات قبول فرمالی ہیں۔ اور حکم دیا ہے۔ کہ ان سفارشات پر جلد سے جلد عمل کرنے کے تدابیر اختیار کئے جائیں"

(رپورٹ گلینسی کمیشن صفحہ ۱۳۶)

اب ہندو مہاسبھائی خود ہی بتلائیں۔ اگر ریاست کے مسلمانوں کو ریاست سے کوئی شکایت نہ تھی، بلکہ انہیں ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل تھے۔ تو یہ کیا بات ہے۔ کہ گلینسی کمیشن ان کی بہت سی شکائتیں مہاراجہ صاحب بہادر کے سامنے دہراتا ہے۔ اور ان کے ازالہ کی سفارش کرتا ہے۔ اور پھر مہاراجہ صاحب بہادر بھی انہیں تسلیم کرتے ہوئے ان کے ازالہ کی ہدایت فرماتے ہیں، کیا مہاراجہ صاحب بہادر کا ارشاد آپ لوگوں کے غلط اور گمراہ کُن پروپیگنڈا کا مُنہ توڑ جواب نہ سمجھا جائے؟

مُسلمانانِ کشمیر کی مخالفت میں مہاسبھائیوں کے

باقیماندہ لولے لنگڑے عُذرات کی تردید

متذکرہ بالا ٹھوس۔ وزنی اور تحقیقی شہادتوں کے بعد اب یہ کہنے کی تو کسی کو جرأت نہ ہوگی۔ کہ مسلمانان ریاست کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ اور یہ کہ ان کی شکایات بالکل بے بنیاد ہیں، لیکن ایسے موقعہ پر بات بنانے کیلئے یہ ضرور کہا جائیگا (جیسا کہ ہندو اخباروں نے بارہا سے دہرایا) کہ

کیا کشمیریوں نے غیر آئینی طریق اختیار کیا؟

مہا سبھائیوں اور کانگریسیوں نے مسلمانانِ ریاست کی اس لئے مخالفت نہیں کی۔ کہ وہ اپنے حکمران سے حقوق کے کیوں طالب ہیں یا ان کو ریاست سے کوئی شکایت نہیں۔ ان کی مخالفت کی وجہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے غیر آئینی طریق کیوں اختیار کیا، کیونکہ اگر حکومت وقت سے کوئی شکایت تھی۔ تو اس کا ازالہ پُرامن طریق سے کروانا چاہیئے تھا نہ کہ ملک میں شورش اور ہنگامہ برپا کر کے،

تو اس کے متعلق بھی ہم بتلا دیں۔ کہ اس قسم کا اعتراض اپنے اندر کچھ وزن نہیں رکھتا کیونکہ مسلمانانِ کشمیر اس ایجی ٹیشن سے قبل ہر ممکن طریق اور ذریعہ استعمال میں لا کر دیکھ چکے تھے۔ مگر ان کی شنوائی نہ ہوئی۔ انہوں نے اپنی تکالیف کا اظہار عرضداشتوں کے ذریعہ کیا کسی نے توجہ نہیں کی، انہوں نے میموریل بھیجے۔ کسی نے توجہ نہیں کی، انہوں نے ریزولیوشن پاس کر کے بھیجے کسی نے توجہ نہیں کی، انہوں نے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر دوہائی دی۔ کسی نے توجہ نہیں کی، اخباروں میں شور مچایا، چیخے اور چلائے۔ مگر پھر بھی کسی نے توجہ نہیں کی[1] اور حکامِ وقت کی سرد مہریوں اور خاموشی کو دیکھتے ہوئے بھی انہوں نے کسی قسم کا غیر آئینی مظاہرہ نہیں کیا، لیکن جب انہوں نے اپنے مذہب میں کھلی کھلی مداخلت دیکھی تو اس وقت وہ بے تاب ہو گئے۔ اور اپنے زخمی جذبات کا اظہار کرنے کے لئے دیوانہ وار بازاروں میں نکل آئے۔ اور علانیہ چیخے، چلائے، روئے اور پیٹے، اور خوب خوب واویلا کیا، مگر اس کی ذمہ واری ان پر نہیں بلکہ ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ جنھوں نے ان کے مذہبی جذبات سے کھیلنا پسند کیا، ان کی اذانیں روکیں، ان کے خطبے بند کئے، ان کی دینی کتاب کی توہین کی۔

[1] کیونکہ ان کی عرضداشتوں اور فریادوں کو مہاراجہ صاحب بہادر تک پہنچایا ہی نہ گیا۔ ورنہ یہ ممکن تھا۔ کہ مہاراجہ صاحب کے کان انکی شکایات سے آشنا ہوتے اور وہ ان کا ازالہ نہ فرماتے؟ (احمدی مہاجر)

کیونکہ جہاں تک ہم نے کشمیریوں کو سمجھا ہے۔ وہ ہر قسم کے دکھ درد برداشت کرسکتے ہیں، ہر قسم کی ناانصافیوں اور حقوق تلفیوں کو برداشت کرسکتے ہیں، مگر وہ نہیں برداشت کرسکتے تو اپنے مذہب اور دین کی توہین کو،

لیکن باوجود اس کے کہ وہ مذہبی توہین کو برداشت نہ کرسکنے کے باعث بےتاب ہوگئے، اور خوب چیخے اور چلائے۔ اور اپنے غم اور غصہ کا اظہار کیا۔ مگر ایسی حالت میں بھی انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ کہ جس سے ان پر امن شکنی اور انارکی کا الزام عائد ہو۔ اور ان کا یہ رونا اور چلانا محض اس وجہ سے تھا۔ کہ کسی طرح ان کی آہ و بکار اور نالہ و شیون کی آواز ان کے محبوب والی اور حکمران کے کانوں تک پہنچ جائے۔ لیکن چونکہ ان کی آواز کا مہاراجہ صاحب بہادر تک پہنچنا ریاست کے بعض غیر ہمدرد عمال کے مقاصد مشئومہ کے صریح خلاف تھا۔ اس لئے انہوں نے ان کی آواز دبانے کیلئے نہتوں اور بےگناہوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کیا، اور وہ جیل کے احاطہ میں پرامن ہجوم پر گولیاں چلاکر اپنی وحشت اور بربریت کا ثبوت دئے بغیر نہ رہے۔ لیکن جو قوم کامل ایک صدی سے دکھ پر دکھ اور تکلیف پر تکلیف اٹھاتی چلی آرہی تھی۔ اور اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔ وہ ان گولیوں سے کہاں خاموش رہ سکتی تھی اس نے زخم کھائے، گھائل ہوئی، اور مظالم کی چکی میں پیسی گئی۔ مگر اس نے جو آواز اٹھائی تھی دبنے نہ دی، اور یہ انہی کے استقلال اور جوانمردی کا نتیجہ ہے۔ کہ ان کی آواز مہاراجہ صاحب بہادر تک پہنچی اور اچھی طرح پہنچی۔ اور یہ اسی کا پھل ہے۔ کہ آج ان کی بہت سی شکایات رفع ہونے والی ہیں۔

اور مہاسبھائیوں کو بھی تو اسی بات کا غصہ ہے۔ کہ ریاست کے مسلمان اتنے زور سے کیوں چیخے اور چلائے، اور دیوانہ وار مسجدوں، میدانوں اور بازاروں میں غم وغصہ کا اظہار کیا۔ اور اپنے حکمران سے فریادی ہوئے،

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے۔ اگر بعض بے تدبیرے حکام۔ مسلمانوں کو روپیٹ لینے دیتے۔ ان کو مہاراجہ صاحب بہادر تک فریادی کی صورت میں جانے دیتے۔ تو کسی قسم کا بھی ناخوشگوار واقع ظہور میں نہ آتا۔

لیکن چونکہ مہا سبھائی پریس ان کو انگیخت کر رہا تھا اور رہ رہ کر اس بات پر زور دے رہا تھا۔ کہ اس شورش کو سختی کے ساتھ دبایا جائے۔ تاکہ کہیں رعایا کی آواز مہاراج تک نہ پہنچ جائے۔ اس لئے بعض عقل اور تدبر سے محروم عہدیدار، ہندو سبھائی اثرات کے ماتحت ایسی حرکات کے مرتکب ہوئے۔ جو بعد میں ریاست کی انتہائی بدنامی کا باعث ہوئیں۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ مسلمانانِ کشمیر نے اپنی شکایات کے ازالہ کی خاطر غیر آئینی طریق اختیار کیا (حالانکہ یہ غلط ہے) تو اس پر

غیر آئینی طریق پر یہ معترض کس منہ سے اعتراض کرتے ہیں

برطانوی ہند کے کانگرسی، مہا سبھائی اور آریہ سماجی کس منہ سے اعتراض کر سکتے ہیں؟ کیا کشمیریوں پر غیر آئینی طریق اختیار کرنے کا اعتراض کرنیوالے خود اس اعتراض کے مورد نہیں ہیں؟ کیا انہوں حکومتِ وقت کی مخالفت نہیں کی؟ اس کے حکموں کو نہیں توڑا؟ اس کے قانون کی بے حرمتی نہیں کی؟ اپنی امن شکن حرکات سے ملک کا امن برباد نہیں کیا؟ کیا ان میں سے بعض نے بم نہیں چلائے؟ پستولوں سے کام نہیں لیا؟ سرکاری آدمیوں کو گولیوں کا نشانہ نہیں بنایا؟ جب یہ معترض خود ہر ایک قسم کے قابلِ مذمت افعال کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ تو یہ دوسروں کو کس منہ سے طعن کر سکتے ہیں؟

اگر کہا جائے کہ ہم نے تو یہ سب کچھ ملکی حقوق کی خاطر کیا تو کیا کشمیری بھی یہی جواب نہیں دے سکتے؟ حالانکہ ان کے اور کشمیریوں کے معاملہ میں زمین آسمان کا فرق ہے، کیونکہ ان کے حاکم (انگریز) خود ان کو حقوق پر حقوق دیئے چلے جا رہے ہیں، مگر

کشمیریوں کے بعض حاکم تو اس قسم کی ذہنیت کے مالک نہ تھے۔ پس جب کانگرسی ایسے فیاض حاکموں کی مخالفت کر کے اپنے آپ کو ہر قسم کے اعتراضوں سے مبرّا سمجھتے ہیں۔ تو کشمیری کیوں نہ اس قسم کے بے بنیاد اعتراضوں سے منزّہ سمجھے جائیں۔ جبکہ انکا واسطہ بعض ایسے لوگوں سے آپڑا تھا۔ جو انہیں کسی قسم کے حقوق کے بھی مستحق نہ سمجھتے تھے۔ اگر اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے رونا پیٹنا اور واویلا کرنا قابل اعتراض ہے۔ تو پھر کانگرسی مہاسبھائی اور آریہ سماجی بھی موردِ الزام ہیں۔ اور کشمیریوں سے کئی گنا موردِ الزام ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ کہ جس قسم کے مذموم، قابل نفرت اور لعنتی طریقوں سے کانگرسی کام لے رہے ہیں۔ کشمیر و دہلی کے مسلمان ان میں سے ایک طریقہ بھی عمل میں نہیں لائے، اور گذشتہ ایک سال میں جس قدر بھی ناخوشگوار واقعات ظہور میں آئے وہ محض حکام کی بے تدبیری اور مہاسبھائی انگیخت کا ہی نتیجہ تھے، نہ کہ ریاست کے مسلمانوں کی مفروضہ غیر آئینی حرکات،

کیا کشمیر ایجی ٹیشن ریاستی ہندوؤں کے خلاف تھا؟

ہم جانتے ہیں۔ کہ مہاسبھائی اور کانگرسی اپنی غلط اور غیر منصفانہ پوزیشن کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے یہ بھی کہیں گے۔ کہ اگر مسلمانانِ کشمیر نے اپنی شکایات کا ازالہ کروانا ہی تھا۔ تو وہ حکومت وقت سے اُلجھتے نہ کہ وہاں کے ہندوؤں کو بھی اپنا مدّمقابل سمجھ کر انہیں دُکھ دیتے؟ ہرچند کہ یہ اعتراض قابل توجہ نہیں۔ کیونکہ مسلمانانِ کشمیر شروع سے ہی اس بات کا اعلان کرتے آئے ہیں۔ کہ ہمارا ایجی ٹیشن اور واویلا سردھر حکام کے خلاف ہے نہ کہ اپنے ہندو ہمسائیوں کے بھی خلاف،

مگر چونکہ مہاسبھائیوں نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے بیرونی دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ کہ ریاستی مسلمان حقوق ہی نہیں چاہتے۔ بلکہ وہاں کے

ہندوؤں کو بھی کچل دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے اس بہتان اور افترا کی تردید کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ پبلک کو ان کی دروغ بافیوں اور کذب بیانیوں کی حقیقت معلوم ہو جائے، اور وہ سمجھ لے کہ ان لوگوں کا مسلمانان ریاست پر بہتان باندھنا اور انہیں بدنام کرنا کسی حقیقت پر مبنی نہیں۔ بلکہ محض ان وجوہ سے ہے۔ کہ ایک طرف اگر برٹش ہندوستان کے ہندو بھڑک اٹھیں تو دوسری طرف بیرونی دنیا جو ان کی مظلومی وستم رسیدگی کی وجہ سے اظہار ہمدردی کر رہی ہے، ان کی طرف سے بدظن ہو جائے، اور حقوق طلبی کا معاملہ کھٹائی میں جا پڑے،

لیکن ہمیں اس قسم کے لغو اور بے بنیاد بہتان کی تردید میں کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود مہاراجہ صاحب بہادر کے مقرر کردہ مڈلٹن کمیشن نے ہی اپنی رپورٹ میں ایک فقرہ لکھکر اس کی تغلیط کر دی ہے اور ہمارے نزدیک تو اکیلا یہ فقرہ ہی مسلمانان ریاست کی پوزیشن کو صاف اور بے داغ کرنے کے لئے ایک محکم اور ناقابل تردید برہان ہے۔ لہذا ہم اسی کی نقل پر اکتفا کریں گے،

مڈلٹن رپورٹ کی گواہی

مڈلٹن کمیشن اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ:۔

"(مسلمانان کشمیر کا) سارا ایجی ٹیشن حکام کے خلاف تھا۔ اور اگرچہ یہ خالص اسلامی ایجی ٹیشن تھا (یعنی اس میں صرف مسلمان شریک تھے) لیکن یہ ہرگز فرقہ دارنہ تھا۔ اور نہ کسی دوسری قوم کے خلاف تھا"

اس اعتراف سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کشمیر کے مسلمانوں نے اب تک جو کچھ کیا وہ اس نظام حکومت کے ظلم وجبر اور تشدد وتعدی سے مجبور ہو کر کیا۔ جس میں ان کے جائز حقوق پامال ہو رہے تھے۔ اور جس کے ماتحت عام انسانی حقوق تک سے محروم تھے وہ نہ ہندوؤں کے خلاف تھے۔ ان کی ساری کوششوں اور ساری قربانیوں کا مرجع یہ تھا

کہ نظام حکومت میں ایسے تغیرات ہو جائیں۔ کہ مسلمان اپنے جائز حقوق سے استفادہ کر سکیں۔ اور وہ حکام بدل جائیں (یا ان کی ذہنیت بدل جائے) جو ایک نظام کو اپنی شقاوت و سنگدلی کے باعث سوگنا جبر و تشدد کا ذریعہ بنائے بیٹھے تھے"! (انقلاب)

احراریوں کی جتھہ بازی کا جواب

اگر ہندو مہاسبھائی اپنی مخالفت کی وجہ احراریوں کی جتھہ بازی بتلائیں اور کہیں کہ اگر یہ لوگ ریاست کے معاملات میں دخل نہ دیتے۔ یہاں سے جتھے لے جا کر وہاں اُدھم نہ مچاتے۔ اپنی شر انگیز تقریروں سے ملک کا امن برباد نہ کرتے۔ تو ہم بھی خاموش رہتے۔ مگر چونکہ ان لوگوں نے ریاست کے امن کو برباد کرنے کی ٹھان لی اس لئے ہم بھی مخالفت کرنے کے مجاز تھے، تو اس کے متعلق بھی ہم بتا دیں۔ کہ جہاں تک جتھہ بازی، سول نافرمانی اور پکٹنگ کا تعلق ہے۔ وہاں تک تو ہم بھی اس قسم کی حرکات کو غیر مفید اور بے نتیجہ سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہو یا ریاستوں کے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اس قسم کے طریقوں سے کام لینا مناسب نہیں سمجھا۔ مگر اس کے باوجود ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ ہندو مہاسبھائی اور کانگرسی اس قسم کی جتھہ بازی پر معترض نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی اس بنا پر وہ مخالفت کرنے کے مجاز ٹھہرائے جا سکتے ہیں،

کیونکہ جب وہ خود اس کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ تو وہ دوسروں کو کس طرح موردِ الزام ٹھہرا سکتے ہیں؟ ہم اگر یہ کہیں۔ تو قطعاً بے جا نہ ہو گا۔ کہ اس بدعت اور بیہودگی کے بانی اور باعث خود ہی کانگرسی اور مہاسبھائی ہیں۔ اور یہ سب کچھ انہی کی تقلید میں ہوا۔ تو ایسی حالت میں وہ احراریوں کی جتھہ بازی پر (خواہ وہ کیسی ہی غیر مستحسن ہو) اعتراض کس طرح کر سکتے ہیں؟

جب ہندو خود جتھہ بازی کے مرتکب ہوئے پھر اعتراض کیوں؟

کیونکہ اگر برطانوی ہند کے بعض مسلمان ریاست کشمیر میں جتھے لیجانے کے باعث موردِ الزام

ہیں۔ تو اس الزام سے ہندوؤں کا بھی دامن پاک نہیں، برطانوی ہند کے تو سمجھدار اور اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں نے اس فعل کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا، مگر ہندوؤں نے جب اس فعل کا ارتکاب کیا تھا۔ تو عام ہندو ہی نہیں بلکہ خاص بھی اسے جائز اور بجا سمجھا تھا۔ اور ہندو جتھے بازوں کی نہ صرف پیٹھ ٹھونکی تھی بلکہ ہر قسم کی مالی اور جانی مدد بھی دی تھی، بلکہ خود اس کام میں ہاتھ بٹایا تھا،

اور اس قسم کا فعل ایک دفعہ نہیں کئی مرتبہ سرزد ہوا۔ اور مختلف مقامات پر ہوا اور وہ بھی برطانوی علاقہ میں نہیں بلکہ دیسی ریاستوں کے خلاف،

پس جب خود ہندو مہا سبھائی۔ کانگرسی اور آریہ سماجی بلکہ ان کے پٹھو سکھ بھی اس قسم کے افعال کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ تو ان کا آج احراریوں کی جتھے بازی کو اپنی مخالفت کا باعث بتلانا صحیح سمجھا جا سکتا ہے؟ جبکہ یہ باتیں انہی سے سیکھ کر کی گئی ہیں۔ اگر کہئے۔ کہ ہندوؤں نے اپنے گھر میں (برطانوی ہند) تو ستیہ گرہ ضرور کیا ہے۔ مگر کسی ریاست پر دھاوا نہیں بولا۔ تو جو شخص اس قسم کی بات زبان پر لاتا ہے۔ وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے اور یا پھر وہ اتنا بے علم اور ناواقف ہے۔ کہ اسے اپنے گھر کی بھی خبر نہیں،

کیونکہ ہر ایک وہ شخص جو اخباری ذوق رکھتا ہے۔ اس بات کی گواہی دے گا۔ کہ سنہ ۱۹۲۱ء میں ہندوؤں نے ریاست کوچین میں جتھے بھیجے۔ ریاست ٹراونکور میں جتھے بھیجے۔ اور ستیہ گرہ کے مرتکب ہوئے۔ کیا ویکم کا ستیہ آگرہ کوئی بھولی بسری بات ہے؟ کیا مہا سبھائیوں، کانگرسیوں اور سکھوں کو سنہ ۱۹۲۳ء کا یہ مشہور واقعہ یاد نہیں؟ کیا ریاست ٹراونکور اور کوچین میں برطانوی ہند کے ہندوؤں نے ستیہ آگرہ کرنے کیلئے جتھے نہیں بھیجے، وہاں جا کر قانون کو نہیں توڑا، ملک کا امن برباد نہیں کیا؟ اور نو اور کیا اس کام کو کانگرس نے اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا؟ کیا کانگرس کے سابق صدر مسٹر سرینواس آئنگر نے اس فعل کی بایں الفاظ تائید نہ کی تھی۔ کہ:۔

"ستیہ آگرہ شروع کرنے سے پیشتر ہی میری رائے میں ورکنگ کمیٹی کا ستیہ آگرہ بالکل جائز ہے اور وہ اس وقت تک جاری رکھا جائے۔ کہ دل تبدیل ہو جائیں"۔ (اخبار کیسری لاہور ۲۵ اپریل ۱۹۲۴ء صفحہ ۶)

کیا کانگرس کے ہرتا، کرتا اور دھرتا اور ڈکٹیٹر گاندھی جی نے جتھے بازوں کے اس کام کو سراہتے ہوئے مبارکباد نہ دی تھی؟ جیسا کہ ذیل کے بیان سے ظاہر ہے:۔

"مہاتما گاندھی جی نے کانگرس کے سکرٹری کے نام پیغام بھیجا ہے اور انہیں یہ تحریک شروع کرنے پر بہت مبارک باد دی ہے۔ اور کامیابی کے لئے پرماتما سے پرارتھنا کی ہے"۔ (کیسری ۳۰ مارچ ۱۹۲۴ء صفحہ ۳)

کیا سکھوں نے اس فعل کو پسند نہیں کیا؟ کیا انہوں نے سردار لال سنگھ بی اے اور باوا کرپال سنگھ کی قیادت میں یہ کہہ کر جتھہ نہیں بھیجا۔ کہ وہ وہاں جاکر لنگر کھولیگا اور "ستیہ آگرہیوں کو ہر طرح سہاتا (مدد) دی جائے گی، زخمیوں کا علاج معالجہ سیوا۔ تن من دھن سے کی جاویگی"۔ (کیسری ۲۵ اپریل ۱۹۲۴ء صفحہ ۵)

اگر یہ سب کچھ صحیح۔ ٹھیک اور درست ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ جو فعل ۱۹۲۴ء میں مہا سبھائیوں، کانگرسیوں اور سکھوں کے لئے جائز تھا۔ وہ ۱۹۳۱ء میں احراریوں کے لئے ناجائز ٹھہرے؟ اگر مہا سبھائیوں اور کانگرسیوں نے اس سے قبل خود ریاستوں میں جا جاکر ستیہ آگرہ کیا۔ تو آج اگر ریاست کشمیر کے خلاف بھی بعض نے جتھہ بازی ضروری سمجھی، تو اس کو وجہ مخالفت بتلانا کیونکر درست سمجھ لیا جائے؟

اگر کہیئے۔ کہ ٹراونکور اور کوچین کا ستیہ آگرہ تو اس لئے تھا۔ کہ وہاں کے اچھوتوں کو انسانیت کے ابتدائی حقوق دلائے جائیں، تو کیا کشمیریوں کو انسانیت کے ابتدائی حقوق دلانے کے لئے جتھہ بازی ناجائز ٹھہرا دو گے؟

اس قسم کے افعال پر اظہار ناپسندیدگی ہماری طرف سے کیا جاسکتا ہے۔ جن کے

نزدیک یہ طریق مفید اور موثر نہیں۔ مگر کانگرسی اور مہا سبھائی اس پر اعتراض نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ چونکہ بعض مسلمانوں نے ریاست میں جا کر ستیہ آگرہ کیا۔ اس لئے ہم نے مخالفت کرنا ضروری سمجھا۔

لیکن جس طرح مہا سبھائیوں کی مخالفت کی محولہ بالا وجوہات غلط اور بے بنیاد ثابت ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی لغو اور بے حقیقت ہے۔ کیونکہ اگر مہا سبھائیوں نے مسلمانانِ کشمیر کی مخالفت اس لئے کی ہوتی۔ کہ احراریوں نے ریاست میں جا کر اودھم مچایا۔ اور ستیہ آگرہ کیا۔ تو یہ کیا بات ہے۔ کہ احراریوں کی جتھہ بازی اگست یا ستمبر میں شروع ہوئی۔ مگر مہا سبھائی اور کانگرسی ایڈیٹر اور لیڈر اس سے کئی ماہ قبل مسلمانانِ کشمیر کے خلاف شعلہ افشانی کر رہے تھے؟

بیرونی مداخلت کا عذر اور اس کی تردید

مہا سبھائی اور کانگرسی اپنی مخالفت کو جائز ثابت کرنے کے لئے یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اگر برطانوی ہند کے مسلمان اس معاملہ میں دخل نہ دیتے۔ اگر وہ کشمیریوں سے مل کر ریاست کے خلاف سازشیں نہ کرتے، اگر وہ کشمیریوں کو روپے اور آدمیوں سے امداد نہ دیتے۔ تو ایسی حالت میں ہندو بھی خاموش رہتے۔ نہیں بلکہ اگر دیکھتے۔ کہ واقعی وہاں کے مسلمان مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہیں۔ تو ہم ان کی تکالیف دور کرنے کے لئے خود ریاست پر زور دیتے، لیکن چونکہ یہ سارا ایجی ٹیشن ایک گہری سازش اور بیرونی انگیخت کا نتیجہ تھا اس لئے ہندوؤں کا مسلمانوں کی مخالفت اور ریاست کی حمایت کرنا ضروری تھا۔

ہر چند کہ یہ عذر بھی عذر لنگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن چونکہ ان کی طرف سے بار بار اس پر زور دیا گیا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں۔ کہ لگتے ہاتھ ان کے اس عذر کی بیہودگی اور لغویت بھی ظاہر کر ہی دیں:۔

"اگر کشمیر کے متعلق سر محمد اقبال۔ خواجہ حسن نظامی۔ قادیانی مرزا اور انقلاب و مسلم آؤٹ لک نے خفیہ اور علانیہ سرگرمیوں کا اظہار نہ کیا ہوتا۔ تو ہندو دیکھتے کہ کشمیر کے مسلمان واقعی سخت تکلیف میں ہیں۔ اور ان کے حقوق خطرہ میں ہیں۔ تو وہ بلا پس و پیش دربار کشمیر کو مجبور کرتے۔ کہ ان کے مستحق کو اس کا حق دیدیا جائے" (ملاپ ۲۰ر اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۵)

لیکن قبل اس کے کہ ہم بیرونی مداخلت اور امداد کا جواب دیں۔ اور یہ بتلائیں۔ کہ ان کی مفروضہ سازش کہاں تک واقعات سے ثابت ہے، پہلے ہم یہ پوچھتے ہیں۔ کہ اگر ہندو مہاسبھائی واقعی اتنے رواداروں، رحمدل، ہمدرد اور غمگسار واقع ہوئے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ انہوں نے اس ایجی ٹیشن سے قبل کشمیر دربار پر مسلمانان ریاست کو حقوق دلانے کے لئے زور نہ دیا؟ کیا اس سے پہلے انہیں وہاں کے مسلمانوں کی تکلیفوں، مصیبتوں اور پامالیوں کا علم نہ تھا۔ کیا وہ ۱۹۳۱ء سے قبل ان کی حالت زار سے واقف نہ تھے، کیا ان کی بیچارگی اور تباہ حالی کا انہیں پتہ نہ تھا؟ اگر کہو نہیں؟ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ نہ صرف مسلمانان کشمیر ہی بلکہ خود بعض ہندو بھی اخبارات میں وہاں کے مسلمانوں کی پتلی اور سقیم حالت کا رونا رو چکے تھے، اور تو اور خود مہاسبھائی اخباروں میں بھی کثرت کے ساتھ ایسی تحریریں شائع ہو چکی تھیں۔ جن میں کہ دربار کشمیر کی سرد مہریوں، لاپرواہیوں اور نامنصفانہ کارروائیوں کو الم نشرح کرتے ہوئے مسلمانانِ کشمیر کی ستم رسیدگی کا اقبال کیا گیا تھا،

پس جبکہ انہیں اس ایجی ٹیشن سے سالہا سال قبل وہاں کے مسلمانوں کی بیچارگی اور پامالی حقوق کا علم تھا۔ تو اس وقت انہوں نے کیوں نہ دربار کشمیر پر زور دیا، اور کیوں نہ ان کو حقوق دلائے؟ لیکن یہ سب بہانہ سازیاں ہیں کیونکہ یہ اگر اپنے قول کے سچے ہوتے اور اپنے آپ کو جیسا انصاف پسند اور ہمدرد ظاہر کرتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ ایسے ہی ہوتے

تو اس ایجی ٹیشن کی نوبت ہی کیوں آتی ؟

اگر برطانوی ہند کے مسلمانوں کی مداخلت اور امداد ان کے نزدیک ناجائز ہے۔ تو اس کی ذمہ واری بھی انہی لوگوں پر ہے نہ کہ مسلمانانِ ہند پر۔ کیونکہ اگر یہ خود ہی انصاف اور ہمدردی سے کام لیتے ہوئے دربار کشمیر پر دباؤ ڈال کر مسلمانانِ کشمیر کو وہ حقوق (جو اس ایجی ٹیشن کے بعد انہیں ملنے والے ہیں) دلا دیتے۔ تو مسلمانانِ ہند کا سر پھرا تھا کہ بے وجہ دوسروں کے معاملات میں دخل دیتے ؟

بیرونی مسلمانوں کی مداخلت کی وجہ یہ تھی کہ مہاسبھائیوں نے اپنے ہی ایک سنہری اصول کو نظر انداز کر دیا

چونکہ ہندوؤں نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی وہاں کے مسلمانوں کی مدد نہ کی اور اس معاملہ میں یہ **سنہری اصول** نظر انداز کر دیا کہ :-

" مصیبت زدہ خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔ ہر ایک قوم پرست بلکہ ہر ایک فردِ بشر کی ہمدردی اور امداد کا مستحق ہے " (پرتاپ ۱۹ اگست ۳۱ء ص۵)

اس لئے برطانوی ہند کے مسلمانوں کو ان "مصیبت زدہ" لوگوں کی "ہمدردی اور امداد" کرنا پڑی۔ کیونکہ جب ہمدرد، قوم پرست کہلا کر بھی اس ضروری فرض کی ادائیگی سے دیدہ دانستہ اعراض کر گئے تو کیا ایسی حالت میں مسلمانانِ ہند کا فرض نہ تھا۔ کہ وہ ان "مصیبت زدہ" اور "ہمدردی و امداد کے مستحق" لوگوں کی اعانت کرتے ؟

ہم نہیں سمجھتے کہ جب یہ لوگ اپنے فرض سے دیدہ دانستہ اغماض کر گئے۔ تو ایسی حالت میں ان کا یہ اعتراض کیا معنی رکھتا ہے۔ کہ

" اس معاملہ کو آل انڈیا سوال بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ڈھونگ رچنے کی کیا ضرورت تھی " (ملاپ ۱۹ اگست ۳۱ء ص۵)

آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنانے کی غرض

مہاشہ جی! اس معاملہ کو آل انڈیا سوال بنانے یا آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کرنے کی یہی ضرورت تھی۔ کہ جن مصیبت زدوں کی ہندو مہاسبھائیوں نے جان بوجھ کر بھی مدد نہیں کی۔ ان ہمدردی اور امداد کے مستحقوں کو آلام و مصائب سے نجات دلائی جائے۔ اور دربار کشمیر پر زور دیا جائے۔ کہ وہ ان تکلیف اور مصیبت میں مبتلا لوگوں کو ان کے جائز اور واجبی حقوق دیدے ؛

باقی رہا یہ کہنا۔ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی یا اس کے محترم صدر نے وہاں کے مسلمانوں کو دربار کشمیر کے خلاف بھڑکایا۔ یا انہیں بغاوت اور فساد پر آمادہ کیا۔ اور ان کے ساتھ سازش کر کے حکومت کشمیر کا تختہ الٹ دینا چاہا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہے۔ تو یہ بھی کھلا کھلا افترا اور بہتان ہے ؛

کشمیر کمیٹی کے محترم صدر پر مہاسبھائیوں کے غلط الزام

”مرزا قادیانی نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی اسی غرض سے قائم کی ہے تاکہ کشمیر کی موجودہ حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور اس غرض کے لئے انہوں نے کشمیر کے گاؤں گاؤں میں پروپیگنڈا کیا۔ . . . انہیں روپیہ بھیجا۔ ان کے لئے وکیل بھیجے، شورش پیدا کرنیوالے واعظ بھیجے۔ شملہ میں اعلیٰ افسروں کے ساتھ ساز باز کرتا رہا“ (ملاپ یکم اکتوبر ۳۱ء ص ۵)

”کشمیر میں قادیانی شرارت کی آگ لگائی۔ واعظ گاؤں گاؤں گھومنے لگے۔ چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ چھپوائے گئے۔ اردو میں بھی اور کشمیری زبان میں بھی۔ اور انہیں ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کیا گیا مزید برآں روپیہ بھی بانٹا گیا“ (ملاپ ۳۰ ستمبر ۳۱ء ص ۵)

ہم مانتے ہیں۔ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر نے "کشمیر کے گاؤں گاؤں میں پروپیگنڈا کیا۔" "انہیں روپیہ بھیجا۔" "ان کے لئے وکیل بھیجے"۔ "واعظ بھیجے"۔ "شملہ میں اعلیٰ افسروں کے ساتھ" اس معاملہ کے متعلق ملاقاتیں کیں۔ اور چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ چھپوائے گئے۔ اُردو میں بھی اور کشمیری زبان میں بھی۔ اور انہیں ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کیا گیا"

کشمیر کمیٹی کے محترم صدر کا پروپیگنڈا حکومت کشمیر کا تختہ اُلٹنے کیلئے نہ تھا

لیکن اس لئے نہیں کہ "کشمیر کی موجودہ حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے"۔ بلکہ اس لئے کہ جس اصول پر مہاسبھائیوں نے عمل نہیں کیا اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ تاکہ بیرونی دُنیا یہ نہ کہے۔ کہ ہندوستان ایسے لوگوں سے یکسر خالی ہے جو کہتے تو ہیں کہ "مصیبت زدہ خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔ ہر ایک قوم پرست بلکہ ہر ایک فرد بشر کی ہمدردی اور امداد کا مستحق ہے" مگر وقت آنے پر اسے طاقِ نسیان کا گلدستہ بنا دیتے ہیں، بے شک حضرت اقدس نے پروپیگنڈا کیا۔ وکیل بھیجے۔ واعظ بھیجے۔ مگر اسی لئے کہ مہاسبھائی جس اصول کو عمل میں نہیں لا سکے۔ اسے عمل میں لایا جائے۔ تاکہ ہندوستانیوں کی لاج رہ جائے۔ اور آئندہ ان پر کوئی طعن نہ کر سکے،

چونکہ کشمیری مصیبت زدہ تھے، مظلوم اور آفت رسیدہ تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ان پر توڑے گئے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جاتی، ظالموں کا ہاتھ روکا جاتا۔ اور مظلوم کو اس کا حق دلایا جاتا۔ پس اگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر نے مظلوموں اور مصیبت زدوں کی دستگیری و اعانت کے لئے پروپیگنڈا کیا، واعظ بھیجے، وکیل بھیجے اور روپیہ بانٹا اور ٹریکٹس تقسیم کئے۔ تو انہوں نے یہ سب کچھ اس فرض کی ادائگی کے لئے کیا جسے مہاسبھائی پسِ پشت ڈال چکے تھے، اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر آل انڈیا کشمیر

کمیٹی کے معزز ممبر اور محترم صدر اس ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند نہ کرتے۔ تو وہ ایڈیٹر ملاپ کے اس فتوی کے نیچے ضرور آتے۔ کہ :۔

"ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند نہ کرنا اپنے ضمیر کو اور اپنے آتما (روح) کو مردہ بنانا ہے" (ملاپ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۵)

پس انہوں نے جو کچھ کیا۔ ٹھیک کیا اور اپنا فرض ادا کیا۔ اور اس معاملہ میں اُن کی جتنی بھی تعریف کی جائے تھوڑی ہے۔ ہاں اگر ان کا پروپیگنڈا کرنا۔ وکیل اور واعظ بھیجنا۔ ٹریکٹس تقسیم کرنا اور روپیہ بانٹنا اس نیت سے ہوتا۔ کہ اس سے "موجودہ حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے"۔ تو ایسی حالت میں واقعی ان پر الزام عائد ہو سکتا تھا۔ لیکن جب ان کی یہ نیت اور ارادہ ہی نہ تھا۔ تو پھر کس طرح ان کے کاموں پر حرف گیری کی جا سکتی ہے؟

کشمیر کمیٹی کے محترم صدر کی مداخلت بحالی امن کیلئے تھی

ہم تو یہ بھی کہیں گے۔ کہ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی اس معاملہ کو ہاتھ میں نہ لیتے، اگر وہ کشمیر میں واعظ نہ بھیجتے، وکیل نہ بھیجتے۔ پروپیگنڈا نہ کرتے۔ تو یہ یقینی امر ہے۔ کہ وہاں شورش اور بدامنی میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوتا۔ کیونکہ جس طرح قدم قدم پر وہاں کے مسلمانوں کو اشتعال دلایا جا رہا تھا۔ بات بات پر ان کے جذبات کو بھڑکایا جا رہا تھا۔ اگر ایسے وقت میں کشمیر کمیٹی اُنکی رہنمائی نہ کرتی۔ تو نتائج اتنے بھیانک اور خوفناک نکلنے تھے۔ کہ دنیا میں اس کی نظیر نہ ملتی۔ اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کی تصدیق انہی ٹریکٹوں سے ہو جاتی ہے۔ جو بقول ایڈیٹر ملاپ وہاں ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیے گئے۔ ان ٹریکٹوں میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر نے اسی بات کی تلقین کی تھی۔ کہ اگر مسلمانانِ کشمیر اپنے حقوق لینا چاہتے ہیں۔ اگر موجودہ مصائب کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ تو

وہ جہاں اتحاد اور اتفاق سے کام لیں۔ وہاں کوئی ایسی راہ اختیار نہ کریں۔ جو امن اور آئین کے خلاف ہو۔ کیونکہ موجودہ حالات میں شورش اور بدامنی کامیابی کی بجائے ناکامی ہی کا باعث ہوگی ،

اور ہمیں خوشی ہے۔ کہ اہالیانِ کشمیر نے آپ کے قیمتی مشوروں اور مفید نصیحتوں کو خضرِ راہ بنایا۔ اور باوجود اشتعال دلائے جانے کے انہوں نے بغاوت اور فساد میں حصہ نہیں لیا[1]

پس حضرت اقدس اور اُن کے رفقاء کار کی طرف سے کشمیر کے گاؤں گاؤں میں پروپیگنڈا بحالیٔ امن کے لئے تھا۔ نہ کہ شورش اور فساد پیدا کرنے کے لئے ،

اگر کہا جائے۔ کہ یہ پروپیگنڈا خواہ کسی نیت سے ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بیرونی آدمیوں کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے۔ کہ وہ دوسروں کے معاملات میں دخل دیں ، سو ہم اس اعتراض کا عقلی طور پر بھی جواب دے سکتے ہیں۔ مگر طوالت سے بچنے کے لئے فی الحال یہی کہنا کافی ہوگا۔ کہ جس طرح مہا سبھائیوں اور کانگرسیوں کو ملک کی ہائی ریاستوں کے معاملات میں دخل دینے کا حق پہنچتا ہے۔ اسی طرح مسلمانان ہند کو بھی مسلمانان کشمیر کی وکالت وحمایت کا حق پہنچتا تھا۔ اور انہوں نے اسی حق کی بناء پر اس معاملہ کو ہاتھ میں لیا۔ اور خدا کی ۳۲ لاکھ بے زبان اور تباہ حال مخلوق کی امداد اور دستگیری کی ،

کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے۔ کہ یہ لوگ تو اپنے لئے ہر ایک بات جائز سمجھ لیں۔ لیکن اگر کوئی دوسرا بھی اسی بات کو پسند کرے۔ تو یہ اس پر معترض ہوں ؟ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ خود تو ریاستی معاملات میں دخل انداز ہوں۔ لیکن مسلمان ایسا کریں۔ تو وہ موردِ الزام ٹھہرائے جائیں ؟ اگر یہ اعتراض اپنے اندر معقولیت رکھتا ہے تو کیا معترض ہمیں بتلائیں گے۔ کہ ان کے بھائی ہندوؤں نے راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں جا جا کر کیوں اودھم مچایا۔ وہاں کی رعایا کو آمادۂ فساد کیا۔ انہیں سول نافرمانی کی تلقین کی ؟

[1] ہمارا خیال ہے کہ اگر میرپور، کوٹلی، راجوری وغیرہ میں بھی کشمیر کمیٹی کے واعظ اور مبلغین پہنچ جاتے۔ تو ان علاقوں میں بھی کوئی ناگوار واقعہ ظہور میں نہ آتا۔ احمدی مہاجر

اگر کہیئے کہ وہاں کی رعایا بہت دکھی، مفلوک الحال اور ستم رسیدہ ہے۔ اس لئے مجبوراً برطانوی ہند کے ہندوؤں کو ان کی امداد کرنا پڑی۔ تو اگر یہ جواب درست ہے۔ تو یہی جواب مسلمانانِ ہند کی طرف سے بھی سمجھ لیجئے،

کشمیر کمیٹی کی خلت کی مدا و اجبیت خود ہندوؤں کے عمل سے ثابت ہے

یہی نہیں اور سُنئے اور کان کھول کر سُنئے ہم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اس اقدام کی واجبیت ہندو سبھائیوں ہی کے قلم اور طرز عمل سے ثابت کئے دیتے ہیں۔ ناظرین کو یاد ہوگا۔ کہ ۱۹۲۸ء میں شدھی سبھا دہلی اور دوسری سبھاؤں کی طرف سے تعزیرات بھوپال گورنمنٹ دفعہ ۲۹۳ کے خلاف بہت کچھ کہا سُنا گیا تھا، اور برطانوی ہند کے ہندوؤں نے اسے منسوخ کروانے کے لئے مخالفانہ مظاہرے بھی کئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ چدانند سکرٹری آل انڈیا شدھی سبھا دہلی نے تو ایک کھلی چٹھی بھی نواب صاحب بھوپال کے نام شائع کی تھی۔ جس میں طرح طرح کی دھمکیاں دی گئی تھیں، پہلے ہم اس چٹھی کے اصل الفاظ نقل کرتے ہیں۔ بعد میں بتلائیں گے۔ کہ یہ لوگ اپنے لئے تو ہر ایک بات جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن جب دوسرے بھی اس پر عمل کریں۔ تو اُن کی مخالفت کی جاتی ہے،

ہندوؤں کا ریاست بھوپال کیخلاف شور و غل

"ہم بھوپال سرکار کو اس کھلی چٹھی کے ذریعہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ وہ تعزیرات بھوپال سے دفعہ ۲۹۳ کو بہت جلد منسوخ قرار دے کر ہندوستان کے ۲۴ کروڑ ہندوؤں کو اطمینان دلائے کہ بھوپال سرکار اپنی ہندو رعایا کی مذہبی، سیاسی اور مجلسی حقوق کی حفاظت کرتی ہوئی ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریگی۔ جیسا کہ مسلم رعایا کے ساتھ کرتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اگر بھوپال سرکار نے اپنے فرض منصبی سے

لاپرواہی دکھلائی۔ تو چوبیس کروڑ ہندوؤں کو بھی ہم یہ کہہ دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ وہ اپنے مقدس ہندو دہرم کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہوجاویں اور وقت آنے پر جو جو ذرائع بھی مناسب سمجھے جاویں۔ ان کی تعمیل کے لئے عملی ثبوت دے کر اپنی خدمات سے مستفید فرماویں۔ اور اس متبرک کام کو کرنے کے لئے ہر طرح تیار ہو جاویں۔" (پرتاپ ۱۸ اپریل ۲۹ء)

اس چٹھی کو پڑھ کر مہاسبھائی تبلائیں۔ کہ جس حالت میں تعزیرات بھوپال کی دفعہ ۲۹۳ کا بُرا یا بھلا اثر صرف بھوپال کے ہندوؤں پر ہی پڑتا تھا۔ تو ایسی حالت میں برطانوی ہند کے ہندوؤں کو اس کے منسوخ کرانے کے لئے بھوپال گورنمنٹ کو دہمکیاں دینے اور اس کے خلاف مورچہ بندی کا پروگرام بنانے کا کیا حق تھا؟ اگر کہیئے کہ اس دفعہ کی زد ہندو دہرم پر پڑتی تھی۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ ۲۴ کروڑ ہندو اس معاملہ میں دخل دیتے اور اگر یہ دفعہ منسوخ نہ ہوتی تو سیاست کے خلاف ہر ممکن طریق استعمال میں لاتے، تو کیا اگر تمہارا یہ جواب اپنے اندر کچھ وزن رکھتا ہے۔ تو یہی جواب مسلمانانِ ہند کی طرف سے نہیں سمجھا جا سکتا؟ اگر کہیئے کہ بھوپال کے خلاف تو ہندو اس لئے کمربستہ ہوئے تھے۔ کہ وہ مذہبی معاملہ تھا۔ لیکن چدانند کی چٹھی میں تو سیاسی حقوق کے متعلق بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ اور صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ "بھوپال سرکار اپنی ہندو رعایا کی مذہبی۔ سیاسی اور مجلسی حقوق کی حفاظت" کا وعدہ کرے۔ ورنہ ہندو دھاوا بول دینگے۔

جب ہندو سبھائی بھوپال کی ہندو رعایا کے مذہبی، سیاسی اور مجلسی حقوق کی "حفاظت" کے لئے مخالفانہ مظاہرے کر سکتے ہیں۔ ۲۴ کروڑ ہندوؤں کو اس کی مخالفت پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ تو کیا آل انڈیا کشمیر کمیٹی مسلمانان کشمیر کے مذہبی، سیاسی اور مجلسی حقوق کی حفاظت کے لئے آئینی طریق پر کوئی کارروائی عمل میں لانے کی مجاز نہ تھی؟ اگر کہئے نہیں، تو پھر ۲۴ کروڑ ہندو کیونکر بھوپال کے ہندوؤں کے مذہبی، سیاسی اور مجلسی

حقوق کی حفاظت کے لئے لنگر لنگوٹے کس کر تیار ہو گئے؟

حالانکہ بھوپال کے ہندوؤں کے مذہبی، سیاسی اور مجلسی حقوق ویسے ہی محفوظ ہیں۔ جیسے وہاں کے مسلمانوں کے۔ مگر کشمیر میں تو حالات بالکل مختلف تھے۔ اور کشمیری صحیح معنوں میں اپنے مذہبی، سیاسی اور مجلسی حقوق سے محروم رکھے گئے تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ برطانوی ہند کے ۲۴ کروڑ ہندوؤں کو تو بھوپال کے فرضی مظلوموں کی حمایت اور اعانت کا حق حاصل ہو۔ مگر ۷ کروڑ مسلمانوں کو کشمیر کے ۳۲ لاکھ حقیقی مظلوموں کی امداد و اعانت کا اختیار نہ ہو؟ پس یہ کہنا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور برطانوی ہند کے مسلمانوں کا کشمیر کے معاملات میں دخل دینا ناجائز تھا۔ کسی حالت میں بھی درست نہیں سمجھا جا سکتا۔

ہم یہ سمجھنے سے یکسر قاصر ہیں۔ کہ مہا سبھائی ایک طرف تو یہ کہیں کہ:-

"ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند نہ کرنا اپنے ضمیر کو اور اپنے آتما کو مردہ بنانا ہے"

لیکن جب آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے محترم صدر اس پر عمل پیرا ہوں۔ تو پھر یہ کہہ کہہ کر انہیں مطعون کیا جائے۔ کہ دوسروں کے معاملات میں دخل دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ کس قدر بیہودہ بات ہے۔ کہ اگر سماج مندر میں ایک پنڈت اپنے کسی ماتحت پر ستم ڈھا رہا ہو۔ اور ستم رسیدہ دوسروں کو مدد کے لئے پکارے۔ تو اس کی پکار سننے والے اس کو ظلم سے نجات دلانے کی بجائے خاموشی سے آگے گذر جائیں؟ کیا یہی ویدوں نے تعلیم دی ہے، کیا شاستروں کی یہی آگیا ہے، کیا رشیوں منیوں نے یہی اپدیش دیا تھا؟

کشمیر ایجی ٹیشن "قادیانی سازش کا نتیجہ" نہیں

باقی رہا یہ کہنا۔ کہ:-

"قادیان کے خلیفہ جو خالص مذہبی آدمی بنتے ہیں۔ وہ بھی کشمیر کے مسلمانوں کے گلے سے طوق غلامی اتارنے کے لئے لنگر لنگوٹے کس لیتے ہیں۔ آج

سے برسوں پہلے کشمیر کے گاؤں گاؤں میں قادیانیوں نے اپنے واعظ بھیج دیئے جن کا کام مسلمانوں کو احمدی بنانے کے علاوہ یہ بھی تھا۔ کہ وہ حکومت کشمیر کے خلاف لوگوں کو بھڑکائیں اور بغاوت پر تیار کریں۔"

"قادیانی سازش کا نتیجہ ہے۔ کہ کشمیر کے امن پسند مسلمان اب شورش اور شرارت اور بغاوت کے شرارے بن چکے ہیں۔ اب کشمیری مسلمانوں کو وہ پہلے جیسا صلح جو، میانہ رو، اور حلیم الطبع انسان نہ سمجھو۔ بلکہ قادیانی روپیہ نے، قادیانی پروپیگنڈا نے اور قادیانی گدی کے خلیفہ کی حرص و آز نے ان کشمیری مسلمانوں کو مرنے مارنے پر تیار کر دیا ہے۔" ۲

سو یہ بھی مہا بھائیوں کا کھلا کھلا افترا اور بہتان ہے۔ کیونکہ یہ بات ۱۰۰ فیصدی غلط اور بے بنیاد ہے۔ کہ حضرت اقدس یا آپ کے مریدوں نے کشمیر میں جا جا کر لوگوں کو شورش، شرارت اور بغاوت پر آمادہ کیا۔ اور ہم چیلنج کرتے ہیں۔ کہ ایڈیٹر ملاپ ہو یا اس کے حمائتی۔ اس پاجیانہ الزام کی تائید میں ثبوت پیش کریں۔ مگر ہم دعویٰ سے کہتے ہیں، کہ اگر ان کے چھوٹے۔ ان کے بڑے۔ ان کے عامی۔ اور ان کے لیڈر مل کر بھی کوشش کریں، تو اس الزام کو صحیح ثابت نہیں کر سکتے۔ کہ کشمیریوں کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر یا ان کے پیروؤں نے ریاست کے خلاف بھڑکایا۔ اور "انہیں شورش اور شرارت اور بغاوت کے شرارے" بنا دیا۔ جس طرح تین اور دو کا چھ ہونا ناممکن ہے۔ اسی طرح اس الزام کو صحیح ثابت کرنا بھی قطعی محال اور ناممکن ہے۔

ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس قسم کی افترا پردازیوں سے انکے مقاصد ہرگز پورے نہ ہوں گے۔ دنیا میں شرافت اور دیانت داری بھی کوئی چیز ہے۔ کیا مذہبی آدمی اور قوم کے مصلح کہلوا کر اس قسم کے جھوٹ اور گند پر منہ مارنا زیبا ہے؟

ہم جانتے ہیں۔ کہ اس قسم کے کذب و افتراء کا موجب صرف یہ ہے۔ کہ کسی طرح

بیرونی دنیا کو یہ باور کروا دیا جائے۔ کہ کشمیری تو ہر طرح پُرامن، سکھی اور خوشحال ہیں۔ اور انہیں ریاست سے کسی قسم کی شکایت نہیں۔ مگر یہ قادیانی لوگ ہی تھے۔ جنہوں نے کشمیریوں کو شورش شرارت اور بغاوت پر آمادہ کیا؛

حالانکہ اس قسم کی باتوں سے اصل حقیقت پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔ یہ ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ اس بات کو دوہرائیں اور دنیا کو باور کرانے کی کوشش کریں۔ کہ کشمیر ایجی ٹیشن کسی حقیقت پر مبنی نہیں۔ بلکہ محض بیرونی انگیخت کا نتیجہ ہے۔ مگر سمجھدار طبقہ ان کے اس مزوّرانہ اور پاجیانہ پروپیگنڈا کا شکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فہمیدہ اور دُور رس طبقہ سمجھ چکا ہے۔ کہ گذشتہ دنوں کشمیر میں جس قسم کی بے چینی اور ایجی ٹیشن ظہور میں آئی۔ یہ قادیانی انگیخت کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس کا موجب وہ صد سالہ مظالم اور سختیاں ہیں۔ جو کشمیریوں پر توڑی گئیں۔

ہندو مہا سبھائی تو اس افترار کی تائید میں کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ مگر ہم اس کی تردید میں غیر جانبدار لوگوں کی گواہی دلائے دیتے ہیں۔ جو ان کے کذب و افترار کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیگی؛

انگریزی کے مشہور اخبار سٹیٹسمین کے نامہ نگار خصوصی نے اس تحریک کا مطالعہ کرنے اور اس کے اسباب معلوم کرنے کے لئے اکتوبر ۱۹۳۱ء میں کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ اور وہاں جا کر اور لوگوں سے مل کر اور حالات کا بچشم خود مطالعہ کرکے جو نتیجہ اخذ کیا۔ وہ اسی کے لفظوں میں سُنئے۔ اور اس کے بعد ان لوگوں کی کانی حالت پر آنسو بہائیے؛

سٹیٹسمین کی گواہی کہ تحریک کشمیر بیرونی انگیخت کا نتیجہ نہیں؛

سٹیٹسمین کا نمائندہ لکھتا ہے کہ:۔

"ہم برطانوی علاقہ میں سُنا کرتے تھے۔ کہ کشمیر کی موجودہ تحریک باہر کے اثر اور پروپیگنڈے کی وجہ سے ہے یا یہ کہ اندرون کشمیر

کے صرف چند تعلیم یافتہ لوگ باہر کے لوگوں کے اکسانے سے بھڑک اٹھے ہیں، اور لوگوں کو ورغلا کر ریاست کے خلاف اُبھار رہے ہیں۔ لیکن جب میں یہاں آیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ کشمیر کی تحریک اندرونی نقائص کا نتیجہ ہے جس سے لوگ بیزار ہو چکے ہیں۔ صرف پڑھے لکھے لوگ ہی اس میں شریک نہیں ہیں۔ بلکہ ہر کشمیری میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے حقوق طلب کرتا ہے۔ معمولی معمولی غریب آدمی بھی اب بہت بیباکی کے ساتھ نکتہ چینی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس صورت حال کو عرصہ سے برداشت کر رہے تھے۔ لیکن اب وہ ایک منظم صورت میں آ چکے ہیں۔ یہ تحریک ایک عام و عالمگیر تحریک ہے۔ جس میں تمام مسلمان بلا لحاظ و مراتب شامل ہیں۔ ان کے پاس اخبار نہیں۔ بولنے والے بھی معمولی اور تھوڑے ہیں۔ لیکن ان میں اس قدر زبردست بیداری پیدا ہو گئی ہے۔ کہ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ مصائب و شکایات نے انہیں خواب گراں سے چونکا دیا ہے۔ مہاراجہ (صاحب بہادر) کی ذات سے لوگوں کو اتنی پرخاش نہیں ہے جس قدر ریاست کے عمال، وزیر اور دیگر حکام و افسران کی بدعنوانیوں۔ بدنظمیوں، غفلت شعاریوں اور نظام مملکت کے نقائص سے ہے۔" (بحوالہ سٹیٹسمین از الامان دہلی ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

پھر کلکتہ کے اسی اخبار نے مہاراجہ بیکانیر کے جواب میں لکھا تھا۔ کہ

"مہاراجہ صاحب (بیکانیر) جو ابھی ابھی انگلستان سے آئے ہیں۔ کشمیر کے مسئلہ پر لنڈن میں والیان ریاست نے جو اثر قبول کیا ہے۔ اس کے ناظر تو ہو سکتے ہیں۔ مگر خود کاشمیر کے واقعات اور سانحات حاضرہ کے ہرگز شاہد و ناظر نہیں ہیں۔ لہذا ان کا بیان قابل اعتنا نہیں ہے۔ لہذا ان کا

یہ کہنا کہ کاشمیر کا قضیہ بیرونی مداخلت کا نتیجہ ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کشمیر کا ایجی ٹیشن بیرونی امداد کے بل پر نہیں۔ بلکہ خود اپنے اسباب و حالات کی بنا پر عرصہ سے جاری ہے۔" (بحوالہ سٹیٹسمین از انقلاب ۱۶ دسمبر ۳۱ء)

یہی نہیں اور بھی اسی قسم کی غیر جانبدار شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر چونکہ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ ان کو نقل کیا جائے۔ اس لئے محولہ بالا دو شہادتوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ اور رہا سبھائیوں کی کذب بیانیوں کی تردید میں تو یہ بھی کافی اور وافی ہیں اسلئے ان پر مزید شہادتوں کا اضافہ کچھ ضروری نہیں۔ اور انہی سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی مخالفت میں جھوٹ اور افترا سے بھی پرہیز نہیں

کشمیری ایجی ٹیشن ہندوؤں کی اکساہٹ کا نتیجہ ہے

ہم تو یہی سمجھتے ہیں۔ کہ یہ ایجی ٹیشن حالات کا طبعی اور قدرتی تقاضہ تھا۔ لیکن اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ یہ تحریک بیرونی انگیخت کا نتیجہ ہے۔ تو پھر یہ قادیانی انگیخت کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس کا موجب اور باعث خود ہندو ہی ہیں۔ اور یہ انہی کی انگیخت، اکساہٹ اور تحریک کا نتیجہ ہے۔ کہ مسلمانان کشمیر صورت حال بدلنے کے لئے دیوانہ وار میدان عمل میں اُتر آئے۔ پس اگر مسلمانان کشمیر کی اس طبعی اور قدرتی ایجی ٹیشن کو شورش، شرارت اور بغاوت کہنا جائز ہے۔ تو پھر اس شورش، شرارت اور بغاوت کا باعث ہندو ہیں۔ اور ہندو بھی وہ ہندو جو آج ریاستی مسلمانوں کو شریر، باغی اور سازشی بتلاتے ہیں۔ ناظرین ہمارے جواب سے چونکیں نہیں۔ خدا کے فضل سے ہم اس کو انہی کی تحریروں سے ثابت کئے دیتے ہیں۔ کہ جو لوگ آج کشمیر کے بیگناہ لوگوں کو سازشی اور باغی بتلاتے ہیں۔ ایک وقت تھا۔ کہ یہی انہیں شورش اور ایجی ٹیشن کیلئے آمادہ کیا کرتے تھے، اور یہ انہی کی اکساہٹ کا نتیجہ ہے۔ کہ ملک کے چاروں طرف اصلاح حال کا مطالبہ ہونا شروع ہو گیا۔ اور مسلمان متحد اور منظم ہو کر اس مقصد کے حصول کے لئے

کمر بستہ ہو گئے۔

ہندوؤں کے انقلاب انگیز مضامین و تقریریں

ہندو مہا سبھائیوں اور کانگرسی خیال کے ہندوؤں نے جس طریق اور جن لفظوں میں رعایائے ریاست میں بے چینی پیدا کی۔ اور جس رنگ میں انہیں ایجی ٹیشن پر آمادہ کیا۔ وہ مندرجہ ذیل چند اقتباسات سے ظاہر ہو جائے گا۔ پہلا اقتباس ہندو اخبار مستانہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے اخباروں کے اقتباس بھی درج کریں گے۔ مذکورہ بالا اخبار کا نامہ نگار زیر عنوان "ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں" لکھتا ہے۔ کہ:۔

ہندو اخبار "مستانہ" کا مضمون

"اس رعایا کی حالت کبھی درست نہیں ہو سکتی جو اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتی ہو۔ دوسروں کے سہارے کھڑا ہونیوالا ضرور گرے گا جب سہارا ٹوٹا وہ لڑکھڑا کر گرے گا۔ مگر ہماری حالت دوسروں کے سہارے پر کھڑے ہونیوالوں سے بھی ابتر ہے۔ نہ ہمیں سہارا حاصل ہے۔ اور نہ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ گورنمنٹ جموں و کشمیر کا ایک سخت قانون ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے نہیں دیتا اور نہ ہی ہمیں وہ خود سہارا دیتی ہے۔ پھر ہم کس بل بوتے پر کھڑے ہو سکتے ہیں اگر سچ پوچھو تو ہم زندہ رہنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔ گورنمنٹ جموں و کشمیر کا حکم ہے۔ کہ کوئی جلسہ بغیر منظوری ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نہیں کیا جا سکتا دوسرے کوئی سبھا، سوسائٹی بغیر منظوری مہاراجہ بہادر قائم نہیں ہو سکتی رعایا کا دکھڑا سننے کے لئے ریاست کا کوئی عہدہ دار (تیار) نہیں ہے۔ رشوت کی گرم بازاری نے غربا کا دم ناک میں بند کر رکھا ہے۔ بغیر رشوت

کوئی بات نہیں سُن سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ انصاف کی بنر پری کو رشوت
کے قوی ہیکل دیو نے خرید رکھا ہے۔ . . . . اب سب کچھ سستا ہے۔ مگر
قیمتیں اور مزدوریاں وہی ہیں

حکام بالا کو توجہ دلائی گئی۔ مگر ان کے دل میں رعایا اور غریبوں سے
کوئی ہمدردی نہیں۔ اس لئے انہوں نے رعایا کے واویلا کی کوئی پرواہ نہ
کی۔ رعایا بے بس ہے۔ نہ تو وہ کوئی جیبریہ ریاست کے قانون کے مطابق
کوئی جلسہ کر سکتے ہیں نہ کوئی جلوس نکال سکتے ہیں۔ نہ ہی وہ تبادلہ خیالات
کر کے اپنی بہتری کی سبیل نکال سکتے ہیں۔ رعایا کو اب اپنے پاؤں
پر کھڑا ہونا سیکھنا چاہئیے۔ موجودہ حالات سے جیل کو
ترجیح دینا بہتر ہے۔" (اخبار رستانہ لدھیانہ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۶)

جس رنگ میں رعایائے ریاست کو جیلیں بھر دینے کا مشورہ دیا ہے۔ اور اسی ایجی ٹیشن
پر آمادہ کیا ہے۔ وہ تو آپ نے سُن لیا۔ اب خود اخبار ملاپ ہی کے نامہ نگار کا بیان بھی سُن
لیں۔ وہ کس طرح آنے والے انقلاب کی پیشگوئی کرتا اور رعایائے ریاست کو اس کام کی
طرف متوجہ کرتا ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ :-

اخبار "ملاپ" کی انقلابی پیشگوئی

"اکونٹنٹ جنرل پنڈت گوپی ناتھ جی بوجہ کمی سماعت
در پردہ سب کانٹ چھانٹ کر کے بجٹ شیشے کی طرح صاف بنا دیا کرتے
ہیں۔ کونسل چیمبر لیجی ممبران وغیرہ وہی رقوم پڑھ کر ان کا اعادہ کر دیتے
ہیں۔ بجٹ تو تب ہو۔ جب پبلک کا بھی کچھ ہاتھ ہو اور اخراجات اور تخفیف
میں کچھ ان کی آواز ہو۔ لیکن آخر یہ سب کچھ کب تک؟ زمانہ
کے تیور بدل رہے ہیں۔ ریاست کے منتظمین کو نوٹ

کر لینا چاہیئے۔ کہ تبدیل شدہ ہوا کے جھونکے ان تک بھی آئیں گے۔ اور جو کچھ دورِ دراز (برطانوی ہند میں) اس وقت ہو رہا ہے۔ جموں و کشمیر میں بھی ہو گا۔ نادر شاہی لوٹ ہمیشہ نہیں چلا کرتی۔"

(بحوالہ اخبار انقلاب لاہور از اتحاد الاسلام امرتسر ۱۲ تاریخ ۲۴ نومبر)

ریاستی پرجا منڈل میں کشمیریوں کو بھی ایجیٹیشن کے لئے اکسایا گیا

اب ہم ریاستی پرجا منڈل کے اس جلسہ کا کچھ حال سناتے ہیں جو دسمبر ۱۹۲۸ء میں مسٹر جیکر کی زیر صدارت لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ اور جس میں ہندوان کشمیر کے موجودہ لیڈر پنڈت ودیش بندھو نے بھی نمایاں حصہ لیا تھا۔ اور تقریر بھی کی تھی۔ اخبار سیاست کا نامہ نگار اس منڈل کے حالات لکھتا ہوا رقمطراز ہے کہ:۔

"آج ۱۲ بجے کے قریب رعایائے ریاستہائے ہند (ریاستی پرجا منڈل) کی کانفرنس بریڈلا ہال میں منعقد ہوئی۔ ہال میں ایک بند ڈاویزاں تھا جس پر لکھا تھا "ہندوستانی والیان ریاست کو تباہ کر دو" اجلاس میں سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون بھی شریک ہوئے۔ مولینا ذوالفقار علی صاحب نسیم مدیر روزنامہ سیاست بھی رونق افروز تھے۔ پنڈت کشیپ بندھو آف کشمیر۔ خواجہ غلام محمد صاحب لون، اور خواجہ اللہ بخش گنائی وغیرہم شامل جلسہ تھے۔ چار سو ڈیلیگیٹوں نے شمولیت کی۔ نیز مسٹر منی لال کوٹھاری۔ سردار سردول سنگھ کویشر۔ سردار منگل سنگھ سینا پتی نیشنل کانگرس باوردی موجود تھے ایک اور بورڈ پر لکھا تھا "ہم ریاستوں میں ذمہ وار حکومت چاہتے ہیں"

اجلاس مسٹر چیڈ کر کی زیر صدارت شروع ہُوا۔ اور سردار جسونت سنگھ صاحب وائس پریذیڈنٹ نے اپنا ایڈرس پڑھ کر سنایا جس کا ترجمہ پنجابی میں پڑھ کر سُنا دیا گیا۔ اس کے بعد صاحب صدر کا شکریہ ادا کیا گیا۔"

کشمیری پنڈتوں کے لیڈر کشیپ بندھو کی تقریر

"مسٹر کشیپ بندھو نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ دنیا کی تمام تحریکیں شروع میں بہت معمولی ہُوا کرتی ہیں۔ مگر ان کا انجام نہایت شاندار ہوتا ہے۔ دنیا کے انقلابات اس بات کے مظہر ہیں۔ ہماری کانفرنس میں اس وقت چھ سات سو آدمیوں نے شرکت کی ہے۔ لیکن یاد رکھیئے۔ کہ یہی کانفرنس ریاستی رعایا کی آزادی کا باعث ہوگی" (ریاست لاہور ۲۹ دسمبر ۲۹ء)

مسٹر چیڈکر کی تقریر

پھر اسی کانفرنس کے ہندو صدر مسٹر چیڈکر نے مسلمانان کشمیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ

"ہماری کوششیں کسی خاص ریاست کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ ہندوستان کی ۵۶۲ ریاستوں کا یہی حال ہے۔ جو آپ صاحبان نے کشمیر کے متعلق بیان کیا ہے اب تک ہماری توجہ جنوبی ہند اور ساحلی ریاستوں کی طرف رہی ہے۔ مگر اب ہم نے شمالی ہند اور یوپی اور جموں و کشمیر کو بھی اپنے حلقہ میں لیا ہے جن طریقوں سے والیانِ ریاست کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور رعایائے ریاست میں بیداری کا کچھ احساس پیدا ہو سکتا ہے ان میں سے چند آپ صاحبان کی خدمت پیش کرتا ہوں

(۱) پبلسٹی یا پروپیگنڈا ورک یعنی نشر و اشاعت کا کام جو نہایت مستند و صحیح واقعات پر مبنی ہے۔ اور جس کو ہم بوقت ضرورت شمار و اعداد سے ثابت کر سکیں۔ اشاعتی کام مقصد کی کامیابی کے لئے ایک

چلتا ہوا جادو ہے۔ اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے۔ کہ ہم نے جام صاحب جام نگر کی ریاست کی بدنظمیوں کے حالات ایک پمفلٹ کی صورت میں پیش کئے۔ یہ پمفلٹ ہندوستان کے علاوہ آئرلینڈ۔ انگلستان جرمن۔ فرانس اور امریکہ میں تقسیم کیا گیا۔ جام صاحب اس سال ولایت گئے۔ تو انہیں یہ جرأت نہ ہوئی۔ کہ وہ لنڈن میں کسی معقول انگریز کو منہ دکھا سکیں۔ وہ سیدھے آئرلینڈ میں اپنے محل میں چلے گئے۔ اور پھر اس وقت باہر نکلے۔ جب ہندوستان کو روانہ ہونا تھا۔ اس لئے ہمیں چاہیئے۔ کہ ہم اپنی توجہ اور تمام طاقت نشرو اشاعت کے لئے وقف کر دیں۔ یہی وہ حربہ ہے۔ جو آج کل ہر جگہ استعمال کیا جا رہا ہے اور اس حربہ سے پبلک رائے مضبوط کی جا سکتی ہے۔

(۲) والیانِ ریاست خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اپنی ریاستوں کو ذاتی ملکیت سمجھ رہے ہیں۔ اور اپنی غریب رعایا کے گاڑھے پسینہ کی کمائی کو بلاشرکت غیرے اپنی اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہتے ہیں۔ خرچ کر دیتے ہیں۔ اور کوئی ان کو پوچھنے اور روکنے والا نہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ریاستوں میں ایسی فضا پیدا کریں۔ جس سے ان کی عیاشیاں اور فضول خرچیاں رک سکیں۔ اور وہ اپنی رعایا کے سامنے رعایا کے روپے کے جوابدہ ہوں"

اس کے بعد کشمیری پنڈت

مسٹر پی۔ این کول کی تقریر

"مسٹر پی۔ این کول صاحب بیرسٹر ایٹ لاء نے کہا۔ کہ پروپیگنڈا ریاستوں کے باہر مفید نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ریاستوں کے اندر احساس خودداری و بیداری کے شعلے بھڑکانے چاہئیں"

"مسٹر جیڈ کرنے جواب دیتے ہوئے کہا۔ کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ بے شک صحیح ہے۔ لیکن باہر کا پروپیگنڈا بھی بڑا کارگر ہو سکتا ہے"

(اخبار سیاست ۵ جنوری ۱۹۳۲ء)

پنڈت گوا شہ لال بی اے (جموں) کا انقلابی مضمون

اب ہم ایک ایسے شخص کا مضمون درج ذیل کرتے ہیں۔ جو گذشتہ دنوں مسلمانان ریاست کو سازشی، شریر اور باغی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی تک کا زور لگا رہا تھا۔ اور جس کی تصنیف کردہ سازشی کہانیوں کو ہندو اخباروں نے بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔ حال ہی کشمیری پنڈت جس کا نام گوا شہ لال (بی اے) ہے۔ اپنے مندرجہ ذیل مضمون میں رعایائے کشمیر کو انقلاب بپا کرنے کی بڑے چھپے لفظوں میں تحریک کرتا نظر آتا ہے۔ اگر ناظرین اسے پڑھیں گے۔ تو انہیں دو اور دو کی طرح یقین ہو جائے گا۔ کہ ریاستی رعایا میں ہیجان، شورش، بدامنی اور ایجی ٹیشن پیدا کرنے کے بانی مبانی یہی لوگ تھے۔ جو آج مسلمانوں کو بدنام کر رہے ہیں نہ کہ حضرت امام جماعت احمدیہ یا ان کے امن پسند مرید۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:-

"مہاراجہ صاحب اب عمر رسیدہ ہو گئے ہیں۔ اور تعجب نہیں کہ بتقاضائے عمر اب وہ اتنی بڑی ریاست کے نظم و نسق کو سنبھال سکیں۔ اور حکومت کی ذمہ واری سے دست بردار ہو جائیں۔ کونسل کے قائم ہونے سے مہاراجہ صاحب کے اختیارات بالکل کم ہو گئے ہیں۔ کونسل پانچ ارکین پر مشتمل ہے۔ جن میں سے چار غیر ملکی اور مختلف اقوام کے ہیں۔ انہیں ملکیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ یہ اور ان کے مددگار بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں۔ جن سے ریاست کا خزانہ خالی ہو رہا ہے۔ انہوں نے

کیا اصلاحات کیں اور کیا ریاست کو ترقی دی؟ اس کا علم دیوان کونسل کی چار دیواری سے باہر شاید ہی کسی کو ہو۔ جن لوگوں کی خون پسینہ کی کمائی پر موجیں اڑائی جا رہی ہیں۔ ان بدنصیبوں کا کیا حال ہے۔ وہ بھوکوں مر رہے ہیں۔ ضعف و ناتوانی سے ان کے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ اور وہ دن قریب آ رہا ہے۔ جب ان کا بسیرا قبروں میں ہوگا۔ دوسرے خواندہ اور علم لوگوں کے ٹڈی دل کو علیحدہ رہنے دیجئے یہی گریجوایٹ۔ انڈر گریجوایٹ اور انٹرنس پاس اپنی قوم کے لئے بار گراں ثابت ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے بھائی بند پہاڑ کی دوسری طرف (برطانوی علاقہ میں) بڑی بڑی قربانیاں عام آزادی کیواسطے کر رہے ہیں۔ لیکن یہ غریب یہاں کے سخت قوانین کی وجہ سے جنھوں نے ان کا خون خشک کر رکھا ہے۔ لب کشائی تک نہیں کر سکتے۔

. . . اس کا الزام افسروں پر نہیں۔ بلکہ خود ملک بالخصوص تعلیم یافتہ جماعت اس کی مورد ہے۔ موجودہ زمانہ کی جمہوریت کے نزدیک نیابت بغیر ایجی ٹیشن کے ہو ہی نہیں سکتی جب تک آئینی جدوجہد نہ کی جائے گی۔ ان خرابیوں کا انسداد نہیں ہو سکے گا۔ وہ (آفیسر) جانتے ہیں۔ کہ انسان نما بھیڑوں سے جیسے کہ ہم اہل کشمیر ہیں۔ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ جب کوئی درخواست بغرض ملازمت دی جاتی ہے۔ تو اس پر داخل دفتر لکھ کر اس کو ایسا گم کیا جاتا ہے۔ کہ یاد دہانی پر یاد دہانی کرنے سے بھی اس کا سراغ نہیں ملتا۔ میں تعلیم یافتہ حضرات سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ وہ ایک انجمن بنائیں۔ اور اس کے ذریعہ سے اپنی روٹی کے

سوال کو صلح و امن و جائز اور باعزت طریق سے حل کریں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی کریں۔ یورپ کی طرف دیکھئے۔ وہ تعلیم یافتہ جماعت ہی تھی۔ جو حکومتوں کے طریق کار میں تبدیلی کر کے ان کو موجودہ راستہ پر لے آئی ہے۔ چین کو دیکھ لیں۔ یہاں بھی طلبا ہی اپنے ملکی حقوق کے واسطے لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ دور نہ جائیے اپنے ہندوستان ہی کو دیکھیں۔ یہاں بھی تعلیم یافتہ ہیں۔ جو اس کو صدیاں آگے کھینچ لے آئے ہیں۔ تمام دنیا بقائے زندگی کی جد وجہد میں مصروف ہے۔ جو سب سے زبردست ہوگا۔ وہی زندہ رہے گا۔ اور جو سب سے کمزور ہوگا۔ اس کا نام صفحۂ دنیا سے مٹ جائیگا۔

جو مادر وطن کی قربانگاہ میں بھینٹ چڑھنے کیلئے تیار ہیں۔ شہادت اور بقائے دوام کا تاج انہی کے سر پر رکھا جائے گا۔ پس کمر ہمت باندھ کر میدان میں نکل آیئے۔ پھر دیکھئے خدا کیا کرتا ہے۔ بقول شخصے

اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
تو دیکھ خدا کیا کرتا ہے"[1]

اگر تحریک کشمیر کے متعلق یہ کہنا درست ہے۔ کہ وہ بیرونی تحریک کا نتیجہ ہے۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ اس کے بانی مبانی یہی لوگ تھے۔ جو اس قسم کے ولولہ انگیز اور جوشیلے مضامین لکھ لکھ کر وہاں کے مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پیدا کرتے رہے۔ جو یورپ، چین اور ہندوستان کی انقلابی تحریکوں کی مثالیں دے دے کر انہیں اکساتے رہے۔ ہاں یہی لوگ ہیں۔ جو جیلیں بھر دینے کی تلقین کرتے رہے۔ یہی ہیں جو

[1] اخبار کشمیری لاہور ۲۸ اگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۰-۹)

ریاستی پرجامنڈل میں کھڑے ہوکر انقلاب کی امیدیں دلاتے رہے۔ اور جو ریاست کے اندر ہی "احساس خودداری وبیداری کے شعلے بھڑکانے" پر زور دیتے رہے، نہ کہ حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان یا اُن کے خادم؟

پس اگر کشمیر ایجی ٹیشن کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ تو صرف انہی لوگوں پر جو آج بغیر کسی ثبوت اور بُرہان کے دوسروں کو مورد الزام بنا رہے ہیں،

کیا حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان کی غرض تختِ کشمیر پر قبضہ کرنا تھی؟

ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ لوگ دوسروں کو بدنام کرنے میں کیا فائدہ سمجھتے ہیں، کیا دوسروں پر بہتان باندھتے وقت ان کی ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتی؟ ان کا کانشنس انہیں دھتکار نہیں بتلاتا؟ آخر یہ لوگ مذہبی آدمی کہلا کر بھی کیوں اس قسم کی افتراپردازیوں سے کام لیتے ہیں؟ تعجب ہے کہ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی کہ حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان کی زندگی امن اور صلحکاری کا وعظ کرتے ہی گذری۔ ملک میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کا پرچار کرتے ہی گذری، ہر قسم کے فتنوں، بغاوتوں اور شورشوں کی مذمت کرتے ہی گذری، مگر یہ لوگ ایسے بے ضرر اور بے شر اور صلح جُو وجُود با جُود پر بھی سازش، شرارت اور شورش کا الزام لگائے بغیر نہیں رہتے؟ کس قدر عجیب بات ہے۔ کہ جو لوگ بم بازوں کی حمائت کریں، جو لوگ پستل چلانے والوں کی حمائت کریں، جو لوگ سول نافرمانی کرنے والوں کی حمائت کریں، جو لوگ قانون توڑنے اور امن برباد کرنے والوں کی حمائت کریں، انہیں قومی شہید اور ملک کے سچے خادم بتلائیں۔ وہ لوگ آج ایک ایسی ہستی پر سازش، شرارت اور شورش کا الزام لگاتے ہیں۔ جس کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے۔ کہ جس طرح بھی ہو۔ دنیا میں امن اور صلحکاری کا ہی دور دورہ ہو؟

کیا یہ بات وہم وخیال میں بھی لائی جاسکتی ہے۔ کہ جو بزرگ انسان اپنے پرائے

سبھی کو ایک دوسرے سے محبت و الفت کرنے کا سبق دے، جو بزرگ انسان ایکدوسرے کے حقوق کی نگہداشت کی تلقین کرے، جو بزرگ انسان ایک دوسرے کے حق پر ہتھا صاف کرنے کی پُر زور مذمت کرے آج اس کے متعلق یہ کہنے کی بے باکانہ جرأت کی جائے۔ کہ اس کا منشاء کشمیر میں شورش پھیلانے سے یہی ہے۔ کہ مہاراجہ صاحب بہادر کو تخت سے ہٹا کر خود ملک پر قبضہ کرے۔ جیسا کہ مندرجہ اقتباس سے عیاں ہے:۔

"سچ تو یہ ہے کہ مرزا قادیانی کا یہ تمام ایجی ٹیشن ریاست کشمیر کا تختہ اُلٹنے کے لئے تھا۔ اور اس تمام جدوجہد کا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ ریاست کشمیر پر مرزا قادیانی قابض ہوں" (اخبار ہندوستان لاہور ۲۵ دسمبر ۱۹۳۱ء)

اگر مہا سبھائی اسی قسم کی افتراء پردازیوں اور کذب بیانیوں کا نام "سچ" رکھتے ہیں، تو پھر جھوٹ اور دروغگوئی کا دنیا میں وجود ہی نہ ملے گا،

اب ہر ایک سمجھدار انسان غور کر سکتا ہے۔ کہ جن لوگوں کے نزدیک اس قسم کی بہتان بندیاں بھی "سچ" ہی کی مترادف ہوں۔ وہ دوسروں کو بدنام کرنے کیلئے کیا کچھ نہ کر گذرینگے؟

حضرت اقدس مہاراج کو تخت سے محروم کرنا نہیں چاہتے تھے

ان کذب و افتراء کے بُتوں کو اتنا تو خیال کرنا چاہیئے تھا۔ کہ آخر ان باتوں کا تمہارے پاس کوئی ثبوت بھی ہے؟ اگر ہے تو وہ پیش کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر کوئی ثبوت نہیں اور یقیناً یقیناً کوئی ثبوت نہیں۔ کہ حضرت اقدس مہاراجہ صاحب بہادر کو تختِ حکومت سے معزول کر کے خود قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔ تو پھر اس طور کی کذب بیانیوں سے کیا حاصل؟ کیا اس قسم کی مفتریانہ تحریریں اس لئے شائع کی جاتی ہیں۔ کہ دنیا میں مصیبت زدوں کی اعانت و ہمدردی کرنے کی کوئی شخص جرأت نہ کرے؟ اگر یہی بات ہے۔ تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ خدا تعالیٰ نے جن لوگوں کے اندر رحم اور ہمدردی کے پاکیزہ جذبات پیدا کئے ہیں۔ وہ اس قسم کی دروغ بافیوں اور افتراء پردازیوں

سے گھبرا کر اپنے مشن سے ہاتھ نہیں کھینچ لیا کرتے،

چونکہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ قطعی غلط اور بے بنیاد اور محض بہتان ہے جس کو کوئی بھی سلیم العقل انسان تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم اسکے متعلق کچھ مزید لکھنا تحصیل حاصل سمجھتے ہیں۔

اس افترار کی تردید "ملاپ" بھی کرتا ہے

مگر ہاں یہ ضروری ہے۔ کہ لگتے ہاتھ اس بے بنیاد الزام کی تردید میں "ملاپ" کے چند الفاظ نقل کر دیں۔ جو انشاء اللہ ان کی افترا پردازی کا مسکت جواب ہوں گے۔ ایڈیٹر ملاپ نے حضرت اقدس کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ:-

"آپ کو وزیر بننے یا کوئی عہدہ حاصل کرنے کی تو خواہش ہے ہی نہیں کیونکہ آپ ایک مذہبی جماعت کے پیشوا ہیں"۔ (ملاپ ۸ر اکتوبر ۳۱ء صفحہ ۱)

ہندو بیشک مہاراج کو تخت سے محروم دیکھنا چاہتے تھے

اس کے بعد ہم چند لفظوں میں یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ جو لوگ آج یہ کہتے نہیں شرماتے۔ کہ حضرت اقدس مہاراجہ صاحب بہادر کو تختِ حکومت سے معزول کروانا چاہتے ہیں۔ ایک وقت تھا۔ کہ خود انہی میں سے بعض اس قسم کی خواہش رکھتے تھے، نہ صرف ان کے دلوں میں ہی اس قسم کی خواہشات پرورش پایا کرتی تھیں۔ بلکہ ان کی طرف سے ہندو اخباروں میں مہاراج کے خلاف نہایت گندے، دلآزار اور توہین آمیز مضامین بھی شائع ہوا کرتے تھے۔ جن میں آپ کی تخت نشینی کی بھی مخالفت کی جایا کرتی تھی اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو کہا جاتا تھا۔ کہ وہ اپنا جانشین ان کو نہیں بلکہ اپنے دوسرے متبنّیٰ کو بنائیں۔

لیکن چونکہ اس قسم کی خرافات کے نقل کرنے سے مہاراجہ صاحب کے عقیدتمندوں کو ملال ہوگا۔ اس لئے ہم ان کی نقل سے اجتناب کرتے ہوئے مثال کے طور پر صرف ایک اقتباس پر ہی اکتفار کریں گے۔

"ریاست دہلی نے ۱۰ر جنوری کی اشاعت میں اپنے افتتاحیہ میں سر راجہ ہری سنگھ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ ولیعہد قرار دئے جانے اور آئندہ حکمران ہونے کے اہل اور حقدار نہیں ہیں۔ اور آخر میں ہز ہائینس (پرتاب سنگھ) کو مشورہ دیا ہے۔ کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت اور ریاست کشمیر کو تباہی سے بچانے کے لئے انتہائی کوشش صرف کردیں۔ اور گورنمنٹ ہند پر زور ڈالیں۔ کہ راجہ ہری سنگھ ولیعہدی سے مستعفی ہوجائیں۔ اور ان کی جگہ مہاراجہ صاحب کے متبنّیٰ راجکمار جگت دیو سنگھ کو ولیعہد مقرر کیا جائے"۔[۱]

اسی طرح اخبار بندے ماترم وغیرہ کئی ہندو اخباروں میں آپ کے خلاف انتہائی یاوہ گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا گیا تھا۔ کہ آپ کو وارثِ تخت نہ بنایا جائے۔

مسلمانانِ ریاست اور اسلامی پریس موجودہ مہاراج ہی کو تخت پر متمکن دیکھنا چاہتے تھے

مگر اس کے برخلاف ریاست کے مسلمانوں اور برطانوی ہند کے مسلمان اخباروں نے موجودہ مہاراج کا پارٹ لیا تھا۔ اور اس وقت کے مہاراجہ پر زور دیا تھا۔ کہ وہ مہاراجہ سر ہری سنگھ ہی کو وارث تخت بنائیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہے۔

پہلا اقتباس انجمن اسلامیہ جموں کے اس رزولیوشن کا ہے۔ جو ہندو اخباروں کے جواب میں پاس کر کے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو بھیجا گیا۔ اور دوسرا اقتباس زمیندار اخبار کا ہے۔

"بالاتفاق تجویز ہوا۔ کہ اخبار بندے ماترم مورخہ ۵ر جولائی ۱۹۲۵ء میں آقائے نعمت سر یحضور راجہ سر ہری سنگھ صاحب بہادر کی ذات شاہانہ کے متعلق ایڈیٹوریل حصہ میں جو رائے زنی کی گئی ہے۔ وہ لاکھوں مسلم رعایائے ریاست کے لئے انتہا درجہ کی جگر خراش و زہرہ گداز ہے۔ ایسے سفیہانہ انداز میں

---

[۱] کشمیری لاہور ۱۴ر جنوری ۱۹۲۵ء صلا)

عبارت آرائی کی گئی ہے جو سراسر و تمام و کمال قابل نفرت ہے ہر کچھ تدبر۔ قابلیت۔ ہمدردی و غمگساری رعایا و معدلت گستری جملہ اوصاف شاہانہ سے بہمہ وجوہ کامل طور پر متصف ہیں۔۔۔۔ بندے ماترم نے ولیعہدی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ طومار خرافات و ہزلیات ہے۔ اس کی تشریح کرنا دلوں کو زخمی و مجروح کرنا ہے" الخ (اخبار کشمیری، فروری ۲۵ء)

اسی طرح اخبار زمیندار میں بھی اس کے ایڈیٹر مولانا مہر نے مڈلینڈ بنک کے ناگوار واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ:۔

"مہاراجہ صاحب کشمیر کو بھی چاہیئے۔ کہ وہ اپنے مظلوم بھتیجے سے انتہائی ہمدردی کریں۔ اور انہیں ولیعہدی سے محروم کرنے کی کوشش ہرگز نہ فرمائیں۔ ہم نے سُنا ہے۔ کہ راجہ سر ہری سنگھ میں انتظامی قابلیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ اور وہ اپنی مفوضہ خدمات کو نہائت دانشمندی۔ روشن خیالی اور بے تعصبی سے انجام دیتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے۔ تو انہیں گدی سے محروم کرنا ہرگز مناسب نہیں" الخ (زمیندار ۲ فروری ۲۵ء)

تلاش کرنے پر اور بھی اس قسم کی بہت سی تحریریں درج کی جا سکتی ہیں۔ مگر عدم گنجائش کے باعث انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اب ایک طرف ہندو اخباروں کا طرز عمل ملاحظہ ہو اور دوسری طرف مسلمانان ریاست اور مسلمان اخباروں کا۔ معلوم ہو جائیگا کہ مہاراجہ صاحب بہادر کو تخت حکومت سے محروم رکھنے کے خواہشمند ہندو تھے۔ یا مسلمان؟

حضرت اقدس کا برٹش حکام سے ملنا مہاراج کو نقصان پہنچانے کیلئے نہ تھا

اگر کہا جائے۔ کہ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی منشا مہاراجہ صاحب بہادر کو نقصان پہنچانے کی نہ تھی۔ تو وہ برٹش آفیسروں کے

پاس کیوں گئے؟ مگر اس قسم کا اعتراض کرنے والوں کو اتنا تو سوچنا چاہیئے۔ کہ جو لوگ برٹش حکام کے پاس جاتے ہیں۔ وہ دوسروں کو نقصان ہی پہنچانے کے لئے جاتے ہیں؟ اگر ہاں میں جواب دیا جائے۔ تو پھر اس کا ثبوت معترضین کے ذمہ ہے، اور اگر نفی میں جواب دیا جائے تو پھر حضور پر اعتراض کیوں؟ لیکن ہم بتائے دیتے ہیں کہ حضرت اقدس وائسرائے ہند یا دوسرے ذمہ وار حکام سے ملاقی ہوئے۔ تو آپ کی غرض مہاراج کو تخت سے معزول کروانا نہ تھی۔ بلکہ یہ مقصد تھا۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کے کیس کو صحیح طریق پر اُن کے سامنے رکھیں۔ اور ان کی تکالیف، مصائب اور شکایات سے حکام کو واقف کریں اور اصلاح حال کے لئے انہیں آمادہ کریں۔ تاکہ آئندہ ریاست میں کبھی بھی کسی قسم کا فتنہ اور بے چینی پیدا نہ ہو۔ اور راعی و رعایا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر کے ملک کو خوشحال اور ترقی یافتہ بنانے میں ساعی ہوں۔

اور یہ آپ ہی کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ کہ آج حالات کے اصلاح پذیر ہونے کی بہت کچھ توقع ہو گئی۔ اور مہاراجہ بہادر کے عز و وقار میں بھی کوئی فرق نہیں آنے پایا اگر آپ کا معاملات کشمیر کے متعلق حکام سے انٹرویو کرنا محلِ اعتراض ہے۔ تو پھر

اگر وائسرائے کے پاس حضرت اقدس کا جانا محلِ اعتراض ہے۔ تو پھر ہندو کیوں مہاراج کی شکایت لیکر گئے؟

وائسرائے کے پاس خود ہندو کیوں مہاراجہ صاحب بہادر کی شکایات لے کر جاتے رہے؟ اگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر محض اس بناء پر مورد الزام ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ کہ انہوں نے مہاراج کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ محض اصلاح حال کے لئے ذمہ وار برٹش آفیسروں سے ملاقاتیں کیں۔ تو کیا وہ ہندو موردِ الزام نہیں۔ جو مہاراجہ صاحب بہادر کے خلاف شکائتیں لے کر

وائسرائے بہادر کے پاس پہنچے تھے؟ اگر وہ بھی اس اعتراض کے نیچے آتے ہیں۔ تو پھر ہندو اخباروں نے ان کے خلاف کیوں نہ آواز اٹھائی؟

اور اگر کوئی اس امر کا ثبوت چاہے۔ کہ کب ہندو مہاراجہ صاحب بہادر کی شکایات لیکر وائسرائے بہادر کے پاس گئے۔ تو اس کے لئے اخبار گوروگھنٹال کے مندرجہ ذیل الفاظ کا پڑھ لینا کافی ہوگا:۔

"ہمعصر ہندے ماترم لاہور اپنے تازہ پرچہ میں لکھتا ہے کہ۔ ریاست کشمیر کے شہروں کے متعلق جو حالات سننے میں آئے ہیں۔ ان سے پتہ لگتا ہے کہ ساہوکار پیشہ لوگوں کی بہت سی تعداد پریشان ہو رہی ہے۔ بڑے بڑے اچھے آدمی جو لاکھوں روپیہ کے مالک تھے۔ اب دیوالیہ بن گئے ہیں سب لوگ کہتے ہیں۔ کہ ایسا قانون (جو مہاراجہ صاحب بہادر نے ساہوکارہ ایکٹ کے نام سے منظور فرمایا تھا۔ ناقل) نہ کبھی سنا گیا اور نہ ہی دیکھا گیا۔۔

۔۔۔ ہندوؤں نے بہتیرا واویلا کیا۔ ہندوؤں کے کئی ڈیپوٹیشن مہاراجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اب بھی وائسرائے کے پاس (شکایات لے کر) ہندو پہنچے ہوتے ہیں۔ الخ"[۱]

پس جب یہ یقینی اور ثابت شدہ بات ہے۔ کہ اس سے پہلے خود ہندو بھی مہاراجہ صاحب بہادر کے خلاف شکایات لے کر وائسرائے کے پاس گئے تھے۔ اور ان کے اس فعل پر ہندو اخباروں نے کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا تھا۔ تو حضرت اقدس پر اعتراض کرنا کیونکر حق بجانب ہو سکتا ہے۔ جبکہ آپ مہاراجہ صاحب بہادر کی مخالفت کی غرض سے نہیں۔ بلکہ اصلاح احوال کے لئے تشریف لے گئے تھے؟

اگر کہا جائے۔ کہ آپ وائسرائے پاس خواہ کسی نیت سے گئے۔ بہر حال یہ امر واقع ہے کہ آپ نے وائسرائے کو ریاست کے معاملات میں مداخلت کی تحریک کی۔ حالانکہ یہ

[۱] گوروگھنٹال ۲۱ فروری ۲۷ء صفحہ ۱

بھی جائز نہ تھا۔ کیونکہ خواہ "ہندو ہوں یا مسلمان جو بھی گورنمنٹ انگریزی کو کسی ریاست کے اندرونی معاملات میں دست اندازی کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ پرلے درجہ کے غدار ہیں"۔ (پرتاپ ۱۳ اگست ۳۱ء ص ۵)

تو اس کے متعلق بھی ہم عرض کر دیں۔ کہ ہندو مہا سبھائیوں کا یہ اعتراض اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ جب مسلمانانِ کشمیر، برطانوی ہند کے مسلمان، اسلامی اخبارات اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر، ریاست کے ارباب بست وکشاد کو اصلاح حال کے لئے بار بار توجہ دلا چکے، کشمیریوں کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو روکنے کے لئے ریاستی حکام کو وہ طریق بھی بتلا چکے۔ جن سے کام لے کر ہر قسم کی بے چینی دور ہو سکتی تھی۔ مگر پھر بھی زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد والا معاملہ ہی رہا۔ تو ایسی حالت میں اگر کشمیر کمیٹی کے صدر محترم نے ملک کے حاکم اعلیٰ کو ان معاملات کی طرف توجہ دلائی تو کیا بُرا کیا؟ آخر معترض خود ہی بتلائیں۔ کہ ان حالات میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے محترم صدر اور کون سی صورت اختیار کرتے۔ جس سے کہ حالات رُو بہ اصلاح ہوتے؟

اگر کشمیر کے معاملہ میں وائسرائے کی مداخلت گوارا نہیں تو نظام گورنمنٹ کیخلاف کیوں ہندوؤں نے اسکو جائز سمجھا؟

لیکن اگر ان کے نزدیک کسی حالت میں بھی گورنمنٹ کو مداخلت کی دعوت دینا جائز نہ تھا۔ تو پھر یہ کیا بات ہے کہ آج سے چند سال قبل خود یہی لوگ نظام گورنمنٹ کے خلاف ژاژ خائی کرتے ہوئے برٹش حکام کو مداخلت کی دعوت دیتے رہے، برٹش حکومت کو سلطنت آصفیہ کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کی ہر رنگ میں تحریک کرتے رہے، اور جلسوں کے ذریعہ، رزولیوشنوں کے ذریعہ، اخباروں اور شرربار تقریروں کے ذریعہ اس پر مداخلت کے لئے زور دیتے رہے،

کیا اس وقت یہ اصول بھول گیا تھا؟ کیا اس وقت اس قسم کی فتویٰ بازی کی ضرورت نہ تھی؟ کیا اس وقت پرتاپ کا ایڈیٹر اس اصول کو طاق نسیان کا گلدستہ بنا چکا تھا؟

اگر اس وقت جبکہ کانگرسی اور مہاسبھائی اخبارات، مہاراشٹری اور پنجابی ہندو اٹھتے بیٹھتے یہی رٹنا لگائے ہوئے تھے کہ گورنمنٹ ہند۔ حکومت آصفیہ کے معاملات میں دخل دے۔ کیوں نہ اس وقت ان لوگوں کو ملامت کی گئی؟ کیوں نہ اس وقت ان کو جھاڑ بتلائی۔ اور انہیں یہ اصول یاد دلایا؟ کیا اس کی یہی وجہ نہ تھی۔ کہ سلطنت آصفیہ کا حکمران مسلمان تھا؟ اور اب جبکہ انہی کے طرز عمل کو سامنے رکھتے ہوئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر نے مجبور ہو کر وہی کچھ کیا۔ جو پہلے یہ خود ہی کر چکے تھے۔ تو اس وقت یہ فتویٰ یاد آگیا؟

یہ فتویٰ اُس وقت موثر ہو سکتا تھا جبکہ پرتاپ کا ایڈیٹر نظام گورنمنٹ کے مخالفوں کو ان کی معاندانہ حرکات سے باز رکھتا اور انہیں اس اصول پر عمل کرنے پر مجبور کرتا، مگر اس نے انہیں کیا مجبور کرنا تھا۔ جبکہ یہ خود ان کا معاون اور سہائیک تھا۔ اور مخالفین کی تحریروں اور تقریروں کو ان کے خطبوں اور ایڈریسوں کو اپنے اخبار میں نمایاں جگہ دیتا تھا اور اپنے عمل سے بتلا رہا تھا۔ کہ اسے بھی دیگر مہاسبھائیوں کی طرح یہی خواہش ہے۔ کہ برٹش حکومت معاملات دکن میں دخل انداز ہو۔

ہم نہیں سمجھتے کہ جو لوگ خود وائسرائے ہند اور دیگر حاکموں کو ایک اسلامی ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی درخواستیں کرتے رہے اس پر دباؤ ڈالتے رہے، وہ آج کس منہ سے یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ:-

"جو بھی گورنمنٹ انگریزی کو کسی ریاست کے اندرونی معاملات میں دست اندازی کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ پہلے درجہ کے غدار ہیں۔"

اگر واقعی یہ فعل غداری ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ حضرت اقدس پر اعتراض کرنے والے اسی فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے بھی "قوم پرست" ہی کہلاتے ہیں، اور انہیں کوئی ایک مہا سبھائی بھی "غدّار" کہنا پسند نہیں کرتا؟ پس جب وہ لوگ جو بے بنیاد شکایات کی بنا پر حکومت ہند کو نظام گورنمنٹ کے معاملات میں دخل دینے پر اکساتے رہے غدّار نہیں کہلاتے۔ تو کشمیر کمیٹی کے معزز ممبر اور محترم صدر کس طرح اس فتوےٰ کے تحت میں آ سکتے ہیں جبکہ ان کا یہ فعل حقیقی شکایات کی بناء پر تھا۔ اور وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ ریاستی حکام کی سردمہریوں کی بدولت اور کوئی بھی ذریعہ اصلاح حال کا باقی نہ رہ گیا تھا،

ہندو مہا سبھائی اور کانگرسی تحریک کشمیر کی مخالفت میں جتنی وجوہات پیش کر سکتے تھے۔ ہم نے ان سب کا بودا پن خود انہی کی تحریروں سے ثابت کر دیا ہے۔ اور ناظرین نے معلوم کر لیا ہوگا۔ کہ محولہ بالا وجوہات میں سے ایک وجہ بھی ایسی نہیں۔ جو ان کی مخالفت کو جائز اور حق بجانب ٹھہرا سکے،

اب مذکورہ بالا بحث کو پڑھتے ہوئے مہا سبھائیوں کی وکالت کرنے والے بتلائیں تو سہی، کہ جب ہم نے ان کے ہر ایک عذر، ہر ایک حیلہ اور ہر ایک وجہ کی لغویت اور کھوکھلا پن انہی کی تحریروں اور شہادتوں سے ثابت کر دیا۔ تو کیا ایسی حالت میں اگر ہم یہ کہیں۔ تو بے جا ہوگا۔ کہ ان کا مسلمانان کشمیر کے خلاف پروپیگنڈا کرنا، انہیں بدنام کرنا، گورنمنٹ اور مہاراجہ صاحب بہادر کو ان کے خلاف ابھارنا، ان پر طرح طرح کے الزام لگانا اور

لہ خدا تعالیٰ نے توفیق دی۔ تو ہم اپنے ایک دوسرے رسالہ "حکومت آصفیہ اور ہندو مہا سبھائی" میں واقعات اور دلائل کی بنا پر بتلائینگے۔ کہ انہوں نے نظام گورنمنٹ کے خلاف جن بودی اور بے بنیاد شکایات کی بنا پر گورنمنٹ کو مداخلت کرنے پر مجبور کیا۔ وہ اپنے اندر کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس اسلامی سلطنت کی ترقیوں، رواداریوں اور رعایا نوازیوں کا بالتفصیل ذکر بھی کریں گے اور مہا سبھائی اعلیٰحضرت شاہ دکن کی ذات والاصفات پر جس قسم کے بہتان باندھتے ہیں۔ ان کا بھی ترکی بہ ترکی اور مسکت جواب دیں گے۔ (احمدی مہاجر)

ان کے ہمدردوں کو بھی بدنام اور رُسوا کرنے کی سعی ناپاک کرنا محض اسی وجہ سے تھا کہ کہیں مسلمانانِ کشمیر اپنے جائز حقوق حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں، اور انکی کامیابی اس سکیم کی ناکامی کا موجب بنے جو انہوں نے کشمیر سے لے کر راس کماری تک ہندو راج قائم کرنے کے متعلق تجویز کر رکھی ہے؟ کیونکہ جب ان کی بیان کردہ ہر ایک وجہ کا ابطال ہم نے کر کے دکھا دیا تو اب ان کی اس اندھی اور پُر غیظ مخالفت کی سوائے اس کے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ یہ چونکہ کشمیر سے راس کماری تک اپنا ہی اقتدار اور تسلط چاہتے ہیں۔ اس لئے یہ کہیں بھی مسلمانوں کو اپنے جائز اور واجبی حقوق سے مستفید ہونے نہیں دیتے، جب واقعات اور حقائق کی بنا پر یہی نتیجہ درست اور صحیح ہے۔ تو پھر کس طرح ہم ڈاکٹر مونجے اور اس کے ہمخیالوں کی اس بات پر یقین کر لیں۔ کہ وہ سوراج مل جانے پر مسلمانوں کو حقوق دے دیں گے۔

جب یہ اس وقت بھی ہندو ریاستوں میں جہاں انہی کے ہمقوموں کا تسلط واقتدار قائم ہے مسلمانوں کے جائز حقوق کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو سوراج مل جانے پر یہ کب کسی کی سُننے لگے ہیں؟

اب وہ ہندو جو واقعی شریف، نیکدل اور نیک طینت ہیں ہمیں بتلائیں۔ کہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے مسلمان، ہندو لیڈروں کے خالی مولی وعدوں پر اعتماد کر سکتے ہیں؟ کیا اس تازہ بتازہ اور نو بنو مثال کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کا آئندہ کے متعلق خدشات ظاہر کرنا بے بنیاد ہے۔ کیا اس تازہ مثال کو دیکھ کر مسلمانوں کے اس مطالبہ میں زیادہ قوت پیدا نہیں ہو گئی۔ کہ سوراج ملنے سے پہلے ہی انکے حقوق کا تصفیہ ہونا چاہیئے؟

اور یہ جو کچھ ہُوا یا ہو رہا ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری انہی مہا سبھائیوں پر ہے۔ مسلمان اگر خوفزدہ ہیں۔ تو انہی کی وجہ سے انہیں اگر خدشے لاحق ہیں۔ تو انہی کی وجہ سے وہ اگر حقوق پر زور دیتے ہیں تو انہی کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے،

مہاسبھائیوں کی بغض اور چالیں

ان لوگوں نے گذشتہ سال میں صرف اس قسم کے اعتراضوں پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ مسلمانان کشمیر کو ناکام رکھنے کے لئے اور بھی بہت سی مذموم اور قابل صد نفرت چالوں سے کام لیا ہے۔ جن سے ان کی یہی غرض تھی کہ جس طرح بھی ہو۔ تحریک کشمیر کامیاب نہ ہو سکے، امید ہے۔ کہ شریف الطبع ہندو ان کی بغض اور چالوں سے بھی آگاہی حاصل کرینگے اور اس کے بعد ایسی راہ اختیار کریں گے۔ جس سے کہ ان کی یہ ذہنیت بدل جائے۔ جو نہ صرف یہ کہ ملک کی اقلیتوں میں انتشار اور بے اطمینانی پیدا کر رہی ہے۔ بلکہ ملک کے مفاد کے بھی سخت خلاف ہے۔

سب سے پہلے تو انہوں نے یہی پروپیگنڈا کیا کہ یہ تحریک کسی حقیقی اور جائز شکایت پر مبنی نہیں۔ کیونکہ وہاں کے مسلمانوں کو ہندوؤں سے بھی زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ لیکن جب واقعات نے اس کی تردید کر دی۔ تو پھر یہ چلانا شروع کیا۔ کہ یہ تحریک وہاں کے ہندوؤں کو کچل دینے کی نیت سے شروع ہوئی ہے۔ اور یہ اس لئے کہا گیا۔ تاکہ عام پبلک اس شورش کو فرقہ وارانہ سمجھ کر نظر انداز کر دے،

کشمیریوں پر سازش کا الزام

جب اس پر بھی انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ تو سازش سازش کی رٹ لگائی اور لوگوں کو یقین دلانا چاہا۔ کہ کشمیریوں کی ایجی ٹیشن ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے، اور اس کے لئے چند کرایہ کے آدمی دلال کمیشن کے سامنے پیش کئے۔ جنھوں نے اس تحریک کو ایک گہری اور وسیع سازش کا نتیجہ ثابت کرنے کے لئے عجیب عجیب قصے گھڑے اور فرضی واقعات تصنیف کر کر کے دلال کمیشن اور عام پبلک کو باور کرانے کی کوشش کی۔ کہ یہ سارا ایجی ٹیشن بیرونی انگیخت اور سازش ہی کا نتیجہ ہے، اور پھر ان فرضی بیانات کو ہندو اخباروں میں جلی عنوانوں اور سنسنی خیز سرخیوں کیساتھ شائع کیا۔ اور ان پر ایسے حواشی

چڑھائے جن سے عام پبلک یقین کر لے۔ کہ واقعی یہ شورش، مہاراج کے خلاف، ان کے وزرا کے خلاف، اور ہنود ریاست کے خلاف ہے۔

فرضی سازشوں کی بناء پر کشمیریوں کو دھمکایا گیا کہ اس تحریک کو بند کریں

اسی پر بس نہ کیا۔ بلکہ اس قسم کے سنسنی خیز مگر بے بنیاد الزاموں کی تشہیر کرتے ہوئے کشمیریوں کو بھی ڈرایا اور دھمکایا۔ کہ اب جبکہ سازش طشت از بام ہوگئی ہے۔ ان کی اسی میں خیر ہے۔ کہ اس تحریک سے ہاتھ کھینچ لیں۔ اور جو حقوق طلب کئے جارہے ہیں۔ ان سے انکار کر دیں، ورنہ ان کی تباہی اور بربادی میں کلام نہیں۔ جیسا کہ ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہے:۔

"کشمیری مسلمانوں کو بھی دیکھنا چاہیئے۔ کہ وہ کن ٹھگوں کے پنجہ میں پھنس گئے ہیں۔ اور کس طرح اپنے دہاراجہ کے خلاف ایک بھاری سازش کے پُرزے بنے ہیں۔ یہ حالات ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ کشمیری مسلمانوں کو اب پراشچت (کفارہ) کے طور پر یہ اعلان کرنا چاہئے کہ وہ کسی قسم کے حقوق کا مطالبہ فی الحال نہیں کرتے جس حالت میں وہ اب ہیں اسی حالت میں رہیں گے۔" (ملاپ ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء صہ ۵)

مگر جب ان کا یہ داؤ بھی نہ چل سکا۔ تو پھر کشمیریوں کے خلاف ریاستی حکام کو اُبھارا اور ان پر زور دیا۔ کہ وہ اس تحریک کو پوری سختی اور تشدد کے ساتھ دبائیں۔ مگر جب یہ لوگ ریاستی حکام کے جابرانہ و متشددانہ سلوک سے بھی حقوق طلب کرنیسے باز نہیں آئے

برٹش گورنمنٹ پر دباؤ ڈالا کہ اس تحریک کو برباد کردے

تو اس کے بعد حکومتِ ہند پر زور دینا شروع کیا۔ کہ وہ اس "فتنہ" کو مٹائے۔ اور کشمیریوں نے جو شورش برطانوی ہند کے مسلمانوں کی شہ پر جاری کر رکھی ہے۔ اسے سختی کے ساتھ دبائے،

پہلے گورنمنٹ کو یہ کہکر متوجہ کیا گیا۔ کہ

"حیرانی یہ ہے کہ ریاست کشمیر کے خلاف شملہ میں بیٹھ کر جو سازش کیجارہی ہے۔ (کشمیر کمیٹی کے قیام اور کوششوں کی طرف اشارہ ہے۔ ناقل) یہ اسی پروگرام کی ایک مد ہے۔ حیرانی ہے کہ ریاست کشمیر کے خلاف اسی حکومت کے پایہ تخت میں بیٹھ کر سازش کی جارہی ہے جس حکومت کے لئے ریاست کشمیر کے حکمرانوں سے یہ معاہدہ کر رکھا ہے۔ کہ وہ بیرونی دشمنوں سے کشمیر کی حفاظت کریگی" (ملاپ ۱۱؍اگست ۳۱ء صٓ)

اس کے بعد آریہ سوراجیہ سبھا پنجاب نے لاہور کے ہندوؤں کی طرف سے وائسرائے ہند کو اس مضمون کا تار بھی بھیجا۔ کہ :۔

"برٹش انڈیا کے مسلمان بالعموم اور پنجابی مسلمان بالخصوص کشمیر دربار کے خلاف ایک بالکل بناوٹی اور باطلانہ بے بنیاد ایجی ٹیشن جو اچھی نیت پر مبنی نہیں ہے پھیلا رہے ہیں۔ وہ ہندو مسلمانوں میں باہمی کشیدگی کی آگ مشتعل کر رہے ہیں۔ نیز ریاست کے اندر پولیٹیکل انقلاب کی انگیخت کر رہے ہیں۔ ان کی سرگرمیاں امن عوام کے لئے نہایت خطرناک ہیں۔ آپ سے مودبانہ درخواست ہے۔ کہ آپ ان تمام ایجی ٹیٹروں پر جن میں اینگلو انڈین اخبارات بھی شامل ہیں۔ پورے زور سے دباؤ ڈالیں۔ اور اس ایجی ٹیشن کی روک تھام کے لئے انسداد فرمائیں"[۱]

اس کے بعد یہ کہہ کر بھی گورنمنٹ کو مسلمانان کشمیر کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ کہ

"کشمیر کے چاروں طرف مسلمان حکومتیں ہیں۔ کشمیر پر اگر اسلامی جھنڈا لہرایا تو گورنمنٹ کیلئے خطرناک ہوگا" (ملاپ ۱۸؍اگست ۳۱ء صلا)

اسی پر بس نہ کی گئی۔ بلکہ اسمبلی کے ہندو اور سکھ ارکان وائسرائے بہادر کے پاس بھی

[۱] ملاپ ۲۰؍اگست ۳۱ء ملا)

چل کر گئے اور ان سے بہی کچھ کہا سُنا۔

لیکن جب اس طرح بھی ان لوگوں کو کامیابی کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہُوا

کشمیر کیخلاف انگلستان میں بھی پروپیگنڈا کیا

تو اس کے بعد انگلستان کے انگریز مدبروں اور عام پبلک کو بھی یہ کہہ کہہ کر بھڑکایا گیا۔ کہ کشمیر کی ایجی ٹیشن میں بالشویکوں کا ہاتھ ہے۔ اس لئے اس تحریک کو جس طرح بھی ہو دبا دیا جائے۔ اور یہ وسوسہ پارلیمنٹ کے ممبروں کے دل میں بھی ڈالا گیا۔ غرض یہ تھی۔ کہ برٹش حکومت بالشویکی خطرہ کا حال سُنکر اس تحریک کو خود ہی دبا دیگی۔ اور مسلمان فائز المرام نہ ہو سکیں گے۔ لیکن چونکہ یہ بھی ان کا کُھلا کُھلا جھوٹ تھا۔ اس لئے یہ تدبیر بھی ناکام رہی۔ اور خود وزیر ہند کو ہی اس بے ہودہ وسوسہ کی پارلیمنٹ کے ایک ممبر کے استفسار پر تردید کرنا پڑی۔ جیسا کہ ریوٹر کی مندرجہ ذیل تار سے ظاہر ہے۔

وزیر ہند کی گواہی کہ تحریک کشمیر میں بالشویکی ہاتھ نہیں

"لنڈن۔ ۲۳ فروری (۳۲ء) کل دار العوام میں مسٹر والٹر سمائلز (کانسرویٹو) نے سوال کیا۔ کہ اس شہادت کے پیش نظر کہ کشمیر کی بد امنی میں بالشویکوں کا ہاتھ ہے۔ کیا حکومت ریاست کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کو تیار ہے

وزیر ہند نے جواب دیا۔ کہ اس قسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔"[1]

اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ انگلینڈ میں یہ بھی پروپیگنڈا کیا گیا۔ کہ کشمیر ایجی ٹیشن پان اسلامک تحریک کا ایک جزو ہے۔ چونکہ مسلمان ایک وسیع اسلامی فیڈریشن دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ کشمیر کا علاقہ بھی اپنے قبضہ میں کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ان کی طرف سے اس بات پر اتنا زور دیا گیا۔ کہ پارلیمنٹ کے بعض انگریز ممبر بھی متاثر ہو گئے۔

[1] انقلاب ۲۶ فروری ۳۲ء صفحہ

لیکن چونکہ یہ بھی نرا پروپیگنڈا ہی تھا۔ اس لئے انہیں انگریزوں کو ساتھ ملانے اور اس تحریک کو کچلنے میں کامیابی نہ ہوسکی۔ انہوں نے اپنے خاص الخاص انگریز دوستوں کے ذریعہ بھی اس قسم کا پروپیگنڈا کروایا۔ اور کپتان کینورڈی جیسے پارلیمنٹ کے ممبروں نے ان کا اثر قبول کرتے ہوئے کشمیر ایجی ٹیشن کو پان اسلامک تحریک کا نتیجہ بتلا کر اپنی قوم کو ڈرایا بھی۔ مگر ان کی آواز پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود انگلینڈ ہی کے لوگوں کو اس کی تردید کی توفیق بخشی جنھوں نے اس بودے اور لغو الزام کی کماحقہٗ تردید کردی۔ یہی کیوں خود ریاست کشمیر کے سابق وزیر خارجہ سر ایلبین بینرجی کو بھی اس قسم کی افترا پردازی دیکھ کر افسوس ہوا۔ اور اپنے افسوس کا اظہار کرنے کے لئے انہوں نے فوراً ہی ایک مؤقر انگریزی اخبار میں اس کی زوردار لفظوں میں تردید شائع کروائی، جس سے مہابھائیوں کی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بولتی بند ہوگئی۔ اور اس ہندو مدبّر کی تردید دیکھ کر یہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے،

سر ایلبین بینرجی کی گواہی کہ کشمیر ایجی ٹیشن پان اسلامک تحریک کا نتیجہ نہیں،

"ہندوستان اور ملک ہذا (انگلینڈ) میں ایک سے زائد ذمہ دار اشخاص نے میری توجہ ان بیانات کی طرف دلائی ہے۔ جو پریس میں فسادات کشمیر کے متعلق شائع ہوئے ہیں۔ اور جو بظاہر باوثوق منبع سے بدیں مضمون شائع ہوئے کہ فسادات مذکور پان اسلامک تحریک کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ میں بوجہ اس کے کہ ہز ہائینس سر ہری سنگھ مہاراجہ کی ملازمت میں حال ہی میں بطور پولٹیکل و فارن منسٹر کے رہ چکا ہوں۔ نہیں چاہتا تھا۔ کہ معاملاتِ کشمیر کے متعلق کسی بحث میں دخل دوں۔ لیکن موجودہ صورت حالات

یں یہ مفاد عامہ کے لئے بہتر ہوگا۔ کہ اگر میں ذاتی علم کی بنا پر اپنی رائے
کا اظہار کروں، اگر آپ سر فرانسیس ہینڈ اور سر والٹر لارنس کی
کتب متعلقہ کشمیر کو پڑہیں گے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ ہز ہائینس
کی کشمیری رعایا تمام ہندوستان میں نہایت سادہ
مزاج اور قانون کا احترام کرنے والی قوم ہے اس
پر نہایت آسانی سے حکومت ہو سکتی ہے۔ اور انہوں
نے صدیوں تک زیر اثر پنڈتان کشمیر زحمت برداشت
کی ہے۔ اور پنڈتوں کا دماغ وادیٔ کشمیر کے گاؤں گاؤں کے معاملات
پر جاری رہا ہے۔ مسلمان ناخواندہ۔ اور اقتصادی طور پر
پسماندہ ہیں۔ اگر مدت مدید کی مسلسل شکایت کیوجہ
سے ان میں کوئی عام بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔ تو
بیرونی مسلمانوں کا بلاواسطہ اس میں کوئی ہاتھ نہیں
ہو سکتا۔ کشمیریوں میں اپنے بیرونی ہم مذہبوں کے ساتھ کوئی گہرا
الحاق نہیں ہے۔ وہ بوجہ ناخواندگی۔ اخبارات بھی نہیں پڑھتے اور ریاست
کا پریس سخت ترین نگرانی کا تابع ہے۔ چند لاہور کے اخبارات کا جنہوں
نے بعض وجوہات کی بنا پر کہ وہ ذاتی طور مہاراجہ بہادر کے خلاف
معاندانہ روش رکھتے تھے۔ جائز یا ناجائز طور پر داخلہ بند ہو چکا ہے۔
اگرچہ اس جگہ تو سوال پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ آیا پین اسلامک (اتحاد
بین الاسلامی) پروپیگنڈا مغربی ایشیا یا دیگر حصص ہندوستان تک
موجود بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس مطالعہ کی بنا پر جو میں نے اپنی سیاحت
ممالک اسلامی میں حالات کا کیا ہے۔ میرا اس رائے کی طرف رجحان ہے

کہ یہ (پان اسلامک تحریک) صرف ایک ہوا ہے۔ جس کی بنیاد ایسے شرارتی اشخاص نے رکھی ہے۔ جن کا مدعا سوائے اس کے کچھ نہیں۔ کہ وہ دنیا کے امن میں خلل ڈالیں۔ اگر کشمیریوں نے بیدار ہو کر نظام ریاست کی مخالفت کی ہے۔ تو یہ اس وجہ سے نہیں ہے۔ کہ ان کو کوئی ذاتی عداوت موجودہ مہاراجہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ موجودہ حکمران نے گذشتہ سال میں ان کی حالت درست کرنے کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ موجودہ روشن خیال مہاراجہ سے ان کو زیادہ امیدیں تھیں مگر ان کو طرز حکومت میں کوئی معتد بہ تبدیلی نظر نہیں آئی۔ اور یہ نظام حکومت ریاست میں بوجہ کمی تعلیم عام طور پر چند کشمیری پنڈتوں کے ہاتھ میں رہا ہے۔ جو بغرض ملازمت ریاست اور باہر سے منگوائے جاتے رہے ہیں"

یہی نہیں اور بھی اسی قسم کی تحریریں درج کی جا سکتی ہیں۔ جن میں مہاسبھائی پروپیگنڈے کی اصل حقیقت بے نقاب کی گئی ہے۔ مگر چونکہ یہ مختصر سا رسالہ زیادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے،

کشمیر کمیٹی کے محترم صدر ہی کی کوشش ہائے جلیلہ انگلستان میں مہاسبھائی پروپیگنڈا کی ناکامی کا باعث ہوئیں

مگر ہاں اتنا بتلا دینا ضروری ہے۔ کہ اگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر اپنے خدام (مقیم انگلستان) اور گول میز کانفرنس کے بعض مسلمان مندوبین کے ذریعہ مہاسبھائی اثرات کا ساتھ ہی ساتھ ازالہ نہ کرواتے۔ تو

یہ یقینی بات ہے۔ کہ مہا سبھائی پروپیگنڈا اپنا کام کر جاتا۔ مگر چونکہ آپ نے مہا سبھائی پروپیگنڈے کے بداثرات کو شروع ہی میں بھانپ لیا تھا۔ اس لئے اس کا ازالہ ضروری سمجھا۔ اور اپنی کامیاب مساعی سے نہ صرف مخالفین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ہی ازالہ فرمایا۔ بلکہ وزرائے حکومت، انگریز مدبرین اور انگریزی پریس کو صحیح واقعات سے بھی آگاہ کیا۔ اور یہ انہی کی کوشش ہائے جلیلہ کا نتیجہ ہے۔ کہ مہا سبھائیوں کی دہاں دال نہ گلی اور انہیں بے نیل و مرام ہونا پڑا۔

ہندوؤں کو بھڑکا کر فرقہ دار فساد پیدا کرنا چاہا

ان لوگوں کی طرف سے جہاں اس قسم کی چالیں چلی جا رہی ہیں۔ وہاں دوسری طرف برطانوی ہند کے ہندوؤں کو بھی بھڑکایا جا رہا تھا۔ تاکہ ملک میں فرقہ وارانہ فساد شروع ہو جانے پر مسلمانوں کی توجہ معاملات کشمیر سے ہٹ جائے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے سکھوں کو بھی اپنے ساتھ ملانے کے لئے سر توڑ کوششیں کیں، اور ان کو ساتھ ملا کر مسلمانوں پر رعب ڈالنا چاہا۔ جس کے لئے جلسے کئے، جلوس نکالے، جن میں اشتعال انگیز نعرے لگائے گئے۔ اور شر انگیز نظمیں پڑھی گئیں۔[۱] مگر چونکہ مسلمان ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انکی اشتعال انگیز حرکات کو دیکھتے ہوئے بھی طرح دے گئے، اور اپنی اس خاموشی سے ان کی اس چال کو مات کر دیا۔

---

[۱] یہ کوئی بے ثبوت بات نہیں۔ کیونکہ ہندو اخبار بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ دیکھئے ویر بھارت کے نامہ نگار خصوصی کا چشم دید مندرجہ ذیل بیان

"لاہور ۲۶ دسمبر۔ آریہ سوراجیہ سبھا لاہور کے زیر اہتمام ریاستی کانفرنس کا جو جلوس نکالا گیا۔ اس میں سب سے زیادہ افسوسناک رویہ ان غیر ذمہ دار ہندو نوجوانوں کا تھا جو مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز نعرے لگا رہے تھے۔ اور اپنے آپ کو جلوس کے حلقہ میں محفوظ سمجھتے ہوئے ایک ایسی فضا پیدا کر رہے تھے جس سے نہایت ناخوشگوار

ہندوؤں کو بھڑکا کر کشمیری مال کا بائیکاٹ کروادیا

ان کی برطانوی ہند کے ہندوؤں کو بھڑکانے کی صرف یہی غرض نہ تھی۔ بلکہ کشمیر کے مسلمانوں کو بھی مرعوب کرنا چاہتی تھے۔ چنانچہ جو ہندوان کی مسموم تحریروں اور پُرجوش تقریروں سے متاثر ہو چکے تھے۔ انہوں نے کشمیری مال کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ شرارت بھی کی۔ کہ پہلے تو کشمیر کے مسلمان تاجروں کو مال کا آرڈر بھیجتے۔ مگر جب وہاں سے مال کے پارسل ان کے پاس آتے۔ تو اس پر بائیکاٹ کا لفظ لکھ کر واپس کر دیتے۔ جس سے کشمیری دکانداروں کا نہ صرف مال ہی خراب ہوا۔ بلکہ انہیں خرچ ڈاک کا بھی ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑا اور اس شرارت آمیز رویہ کی صرف یہی غرض تھی۔ کہ کشمیری تنگ آ کر حقوق حاصل کرنے والی تحریک سے باز آ جائیں،

اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ خود انہی مہاسبھائیوں کے اقبالی بیانات پر مبنی ہے اعتبار نہ ہو۔ تو اخبار ملاپ ہی کا مندرجہ ذیل اقتباس پڑھ لیا جائے۔

کشمیری مال کے بائیکاٹ کی گواہی "ملاپ" بھی دیتا ہے

"کئی اطلاعات سے پتہ لگا ہے۔ کہ جس قدر کشمیر کے مال کے پارسل یہاں سے باہر بھیجے جاتے ہیں۔ ان

بقیہ صفحہ ۱۲۵۔ نتائج پیدا ہونے کا امکان تھا۔۔۔۔ ریاستی کانفرس کے جلوس میں جو نعرے لگائے گئے تھے۔ ان میں ذیل کے نعرے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
ایجی ٹیٹروں کو تباہ کر دو۔ عبداللہ کو تباہ کر دو۔ ارجن کی طرح دشمن کے کلیجے میں تیر مارو۔
بندہ بیراگی کیطرح دشمن سے انتقام لو۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔ "(ویر بھارت ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء)
کہا جائیگا کہ احراری بھی تو یہی کچھ کرتے تھے۔ اول تو اس کا ثبوت چاہیئے۔ اور اگر مان بھی لیں تو کیا ان کے جلوس کی وجہ سے مسلمانوں نے ہندوؤں کو زخمی اور قتل بھی کیا؟ حالانکہ اس جلوس کے ہندوؤں نے مسلمانوں کو زخمی اور قتل بھی کیا تھا۔

میں سے بہت سے پارسل واپس کئے جاتے ہیں۔ اور ان پر لفظ بائیکاٹ لکھا ہوتا ہے چنانچہ معلوم ہوا ہے۔ کہ آج قریباً ایک سو پارسل یہاں واپس آیا ہے۔ ان باتوں سے اندازہ لگتا ہے۔ کہ ہندوستان کے ہندوؤں نے یہاں کے مال کا بائیکاٹ کر دیا ہے"۔

کشمیریوں کو ہزارہا روپیہ کا نقصان پہنچایا

اس ایک اقتباس سے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے مسلمانان کشمیر کو اس تحریک سے باز رکھنے کے لئے کتنا شدید نقصان پہنچایا ہو گا۔ کیونکہ جب ایک دن میں ہی ۱۰۰ پارسل واپس کئے گئے۔ تو سارے موسم میں ان کی تعداد ہزاروں تک نہ پہنچی ہو گی؟ اور ان ہزارہا پارسلوں کی واپسی سے ہزاروں روپے کا نقصان نہ ہوا ہو گا؟ مگر چونکہ کشمیریوں نے اس بات کا تہیہ کر لیا تھا۔ کہ ہم پر جتنی بھی سختیاں کی جائیں، ستم ڈھائے جائیں اور ظلم توڑے جائیں۔ ہم برداشت کریں گے۔ اور اس وقت تک پیچھے نہ ہٹیں گے۔ جب تک کہ صورت حال میں نمایاں تبدیلی نہ ہو۔ اس لئے مہا سبھائیوں کی یہ ضرر رساں چال بھی ان کے لئے کوئی مفید نتیجہ نہ پیدا کر سکی، اور مسلمانان کشمیر ہزاروں روپیہ کا نقصان اٹھانے پر بھی ثابت قدم رہے،

کشمیریوں اور ان کے ہمدردوں کو بدنام کرنے کی مذموم کوششیں

مسلمانان کشمیر اور ان کے ہمدردوں کو بدنام کرنے اور ناکام رکھنے کے لئے ان لوگوں کی طرف سے یہی نہیں اور بھی کئی قسم کی مذموم اور قابل صد نفرت چالیں چلی گئیں۔ اور ان کے خلاف غلط اور بے بنیاد باتیں مشہور کی گئیں۔ ان کو عام پبلک کی نگاہوں سے گرانے کے لئے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے۔ جن کا اگر اعادہ کریں تو کتاب کا حجم دوگنا ہو جائے، اس لئے ہم ان کی باقی کارستانیوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مگر ہاں اتنی بات اور کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ جب

انہوں نے دیکھا۔ کہ ہماری ہر ایک چال، ہر ایک داؤ، اور ہر ایک منصوبہ ناکام رہا۔ اور مسلمانانِ کشمیر اور ان کے حامی اپنی جگہ مضبوطی سے قائم ہیں

کشمیریوں کو آئینی طریق پر حقوق مانگنے کی تلقین

تو پھر انہوں نے یہ کہنا شروع کیا۔ کہ شور و غوغا سے کیا فائدہ۔ اگر مسلمانانِ کشمیر کسی قسم کی اصلاحات چاہتے ہیں۔ تو وہ آئینی طریق پر ان کا مطالبہ کریں۔ جیسا کہ ملاپ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔

"اگر وہ (مسلمان) آئینی طریقہ پر اصلاحات مانگیں۔ تو موجودہ سے بھی زیادہ مراعات مل سکتی ہیں"

(ملاپ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳)

مگر جب کشمیریوں نے ایسا ہی کیا تو انکے مطالبات کو ناقابل قبول بتایا

مگر جب مسلمانانِ جموں و کشمیر نے ہر قسم کے ایجی ٹیشن کو بند کر کے آئینی طریق پر اپنی شکایات اور مطالبات کی فہرست مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں پیش کر دی۔ اور جس کو ملاحظہ فرمانے کے بعد مہاراجہ صاحب بہادر نے بھی ان کو بہت کچھ امید دلائی۔ اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی و شفقت فرمایا۔ تو یہی مہاسبھائی جو انہیں کہہ رہے تھے کہ جو مانگنا ہے آئینی طریق پر مانگو تمہیں مل جائے گا۔ یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر چلا اٹھے۔ کہ یہ مطالبات تو قطعاً قابل قبول نہیں ہیں،

نہ صرف یہی بلکہ ریاست کے ہندوؤں کو بھی جا جا کر بھڑکایا۔ اور انہیں مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ اور یہ انہی کی معاندانہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ کہ وہاں کے ہندو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات ہی کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ بلکہ جموں کوٹلی۔ راجوری۔ میرپور۔ پونچھ وغیرہ میں فرقہ وارانہ فسادات کا بھی موجب بنے[۱]۔ اور یہ سب

[۱] خدا کے فضل سے ہم دلائل، واقعات اور غیر جانبدار لوگوں کی شہادتوں سے ہی نہیں بلکہ خود ان کی تحریرات سے بھی ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ ان مقامات پر جس قسم کے افسوسناک اور ناخوشگوار واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ ان کا موجب مہاسبھائیوں کی زہر بھری تحریریں اور تقریریں ہی تھیں۔ مگر چونکہ ہم اپنے ناظرین کے دلوں کو

کچھ محض اس لیے کیا گیا کہ کشمیر گورنمنٹ اور مسلمانوں کی توجہ دوسری طرف بٹ جائے۔ اور مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کا معاملہ کھٹائی میں جا پڑے۔ مگر جب ان کی یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔ تو ان کی انگیخت پر گلینسی کمیشن ہی کا بائیکاٹ کر دیا جس نے کہ مہاراجہ صاحب بہادر کے ارشاد پر رعایائے ریاست کی شکایات کی تحقیق کرنے کے بعد جدید اصلاحات کی سفارشات کرنا تھیں۔ نہ صرف بائیکاٹ کیا اور اس میں سے اپنا نمائندہ واپس بلا لیا۔ بلکہ اس کے خلاف مظاہرے کئے، مضامین شائع کئے، لیکچر دیے، جلوس نکلے۔ اور رزولیوشن پاس کر کے اخباروں میں شائع کروائے، اور دھمکیاں دیں۔ کہ اگر گلینسی کمیشن یا کشمیر گورنمنٹ نے مسلمانوں کے مطالبات کے آگے سر جھکایا۔ تو ہم یہ کر دیں گے۔ اور وُہ کر دیں گے،

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر مہا سبھائی وہاں کے ہندوں کو نہ بھڑکاتے۔ وہاں کے پُرامن باشندوں کو ایک دوسرے کے خلاف آمادۂ مخاصمت نہ کر دیتے۔ تو آج جس قدر خامیاں گلینسی رپورٹ میں پائی جاتی ہیں۔ وہ نظر نہ آتیں،

یہ لوگ ان خامیوں کو دیکھتے ہوئے دل میں خوشی محسوس کرتے ہونگے۔ کہ ہمارے بائیکاٹ کا حربہ، مخالفانہ مظاہرے اور دیگر مذموم کوششیں کارگر ہوئیں۔ لیکن اگر انہیں ریاست سے سچی ہمدردی ہوتی اور یہ مہاراجہ صاحب بہادر اور ان کی گورنمنٹ کے دلی خیر خواہ ہوتے۔ تو ان خامیوں کو دیکھ خوش ہونے کی بجائے افسوس کرتے، کیونکہ جب تک مسلمانوں کے مطالبات کی منظوری میں تھوڑی بہت خامیاں بھی رہینگی۔ اس وقت تک ان کے دل حقیقی اطمینان نہیں پکڑ سکتے، اور یہ یقینی امر ہے۔ کہ جب تک دلوں میں حقیقی اطمینان اور تسلی نہ ہو۔ اس وقت تک ملک میں کامل سکون اور حقیقی امن بھی نہیں قائم ہو سکتا اور اس میں شک نہیں۔ کہ مسلمانانِ ریاست کی شاندار قربانیاں، آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور

بقیہ: ان ناگوار باتوں کی یاد دلا کر ہم دکھ نہیں دینا چاہتے۔ اسی لئے ہم نے تفصیلی بحث کرنے سے اجتناب کیا ہے
محمدی مہاراج

اس کے محترم صدر کی بے غرض اور مخلصانہ کوششیں اور جان گسل اور کامیاب مساعی بار آور ہوئیں اور یقیناً ہوئیں جن کی طفیل ریاست کی طرف سے مسلمانوں کی بہت سی شکایات رفع کر دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ان کے کئی اہم مطالبات تسلیم کر لئے گئے ہیں۔ اور آئندہ کے لئے اطمینان بھی دلایا گیا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ہم کہیں گے مسلمانان کشمیر گلینسی کمیشن کی بعض سفارشات پر کما حقہٗ مطمئن نہیں۔ اور ان کو جو خوشی، جو تسلی اور جو اطمینان ہونا چاہیئے تھا وہ پورا پورا حاصل نہیں ہوا، کیونکہ ان کے نچے تلے اور مبنی بر انصاف مطالبات کو بتمامہ پورا نہیں کیا گیا،[۱]

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر مسلمانانِ ریاست میں آئندہ کسی قسم کی بیقراری و بے چینی کے آثار نمودار ہوئے۔ تو اس کی تمام تر ذمہ واری انہی برطانوی ہند کے مہاسبھائیوں پر ہوگی جو آج اپنی غیر منصفانہ کوششوں کے باعث گلینسی رپورٹ میں بعض خامیوں کے رہ جانے کا موجب بنے ہیں،

اگر سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب مقرر کر دیا جاتا۔ اگر مجوزہ اسمبلی میں ان کے نمائندوں کی مطلوبہ تعداد منظور کر لی جاتی۔ اور اسی طرح تبدیلیٔ مذہب پر ضبطیٔ جائداد کا قانون بھی منسوخ کر دیا جاتا۔ تو ہمارے نزدیک نہ تو اس سے مہاراجہ صاحب بہادر کے عزّ و وقار میں کوئی فرق آتا۔ اور نہ ہی نظامِ ریاست کو کسی قسم کا نقصان پہنچتا۔ بلکہ اس کا یہ یقینی اور بدیہی فائدہ تھا۔ کہ ۳۲ لاکھ مسلمان ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو جاتے اور ملک کو ہر قسم کے خرخشوں اور اندیشوں سے نجات مل جاتی۔ اور آئندہ کسی نوع کی بےچینی اور انتشار کا امکان نہ رہتا۔ اور ریاست بھی آئے دن کے جھمیلوں سے مخلصی پا کر اپنی تمام توجہ تعمیری کاموں میں لگاتی۔ اور ملک کو پھر ویسے ہی اچھے دن دیکھنے نصیب ہوتے۔ جو

[۱] ہمیں کامل یقین ہے۔ کہ اگر مسلمانان ہند آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی دلمے درمے مدد کرتے رہیں۔ تو وہ دن دور نہیں۔ جبکہ مسلمانان کشمیر کے مطالبات کما حقہٗ پورے کر دئے جائیں۔ اور اس وقت گلینسی سفارشات میں جو خامیاں نظر آتی ہیں۔ وہ دور ہو جائیں۔ (احمدی مہاجر)

اسلامی عہد میں یہ دیکھ چکا ہے ،

کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے ۔ کہ مسلمانان کشمیر کے مطالبات کی کسی غیر جانبدار نے مخالفت نہیں کی ، برٹش گورنمنٹ نے مخالفت نہیں کی ۔ مہاراجہ صاحب بہادر نے مخالفت نہیں کی ۔ بلکہ ہر ایک نے ان سے اظہار ہمدردی اور اتفاق کیا مگر ان لوگوں نے نہ صرف انہیں "انتہائی درجہ ناقابل قبول" ۔ "قوم پرستی اور دیش ہت کے خلاف" بتلایا ۔ بلکہ انہیں "ملک کو ہمیشہ کے لئے جنگ و جدل کے آتشکدہ میں پھینکنے کے مترادف" قرار دیا ۔[۱]

حالانکہ مسلمانان کشمیر کے حق و انصاف پر مبنی مطالبات میں اس امر کا شائبہ تک بھی نظر نہیں آتا جس سے ہم سمجھ سکیں ۔ کہ وہ "قوم پرستی اور دیش ہت کے خلاف ہیں" ۔ یا "ملک کو ہمیشہ کے لئے جنگ و جدل کے آتشکدہ میں پھینکنے کے مترادف" ہیں ۔ اور نہ ہی ان سے مہاراجہ صاحب بہادر کے عزّ و وقار میں کسی قسم کی کمی کا امکان نظر آتا ہے ،

پھر نہیں معلوم ان لوگوں کا ان کے خلاف اس قدر غم و غصہ کا اظہار کس بنا پر تھا؟ جب مسٹر سٹر کلینڈ ، اخبار سول ، اخبار سٹیٹسمین ، ہندو مدراس ، تیاگ بھومی ، پارس ، مستانہ ، مشیر ، امر ، رہبر ، اخبار عام ، مسٹر چیڈکر ، مہاشہ کرشن بی اے ، پنڈت پریم ناتھ کول بیرسٹر ایٹ لا ، سر البیین بینرجی ، دلال کمیشن ، راجہ ہری کشن کول اور گلینسی کمیشن کی شہادتیں اور ان پر والئ ریاست کی تصدیق ، مسلمانان کشمیر کی شکایات کو حق بجانب بتلاتی ہیں ۔ تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے ۔ کہ ان شکایات کا ازالہ کروانے کے لئے جو مطالبات مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں پیش کئے گئے ۔ وہ "دیش ہت کے خلاف ہیں" ؟

کیا مسلمانان کشمیر کا یہ مطالبہ دیش ہت (ملکی مفاد) کے خلاف ہے ۔ کہ انہیں بھی آبادی کی بنا پر سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جائے ؟ کیا ان کا یہ مطالبہ دیش ہت کے خلاف ہے ۔ کہ ریاست میں اسمبلی قائم کی جائے ؟ کیا ان کا یہ مطالبہ دیش ہت کے

[۱] ملاپ ۲۳ ر اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ

خلاف ہے۔ کہ تبدیلیٔ مذہب پر کسی فرقہ اور جماعت کے آدمی پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے؟

ہم نے تو جہاں تک ان مطالبات پر غور کیا ہے۔ ان میں کا ایک مطالبہ بھی دیش ہت یا ملکی مفاد کے خلاف نظر نہیں آیا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو قطعاً بے جا نہ ہوگا۔ کہ اگر ان مطالبات کو من وعن قبول کر لیا جائے، تو ان سے ملکی مفاد کو نقصان نہیں۔ بلکہ کمال درجہ کا فائدہ پہنچے گا۔ اور ان کو عملی جامہ پہنانے سے ملک کی ہر ایک قوم اور جاتی مطمئن ہو جائے گی۔ کیونکہ ان میں سے کوئی ایک مطالبہ بھی ایسا نہیں۔ جو کسی قوم اور گروہ کو اس کے جائز اور واجبی حقوق سے محروم کر دے،

بلکہ یہی وہ مطالبات ہیں۔ جو ہر ایک قوم اور جاتی کو اس کے جائز اور واجبی حقوق دلا کر ہمیشہ کے لئے مطمئن کر سکتے ہیں۔

کیا آبادی کی بنا پر ملازمتوں کا مطالبہ قابل اعتراض ہے؟

اگر کہا جائے۔ کہ آبادی کی بنا پر ملازمتوں کا مطالبہ تو کھلی کھلی فرقہ داری ہے، تو ہم کہیں گے۔ کہ اگر فرقہ داری اسی کا نام ہے۔ تو یہ کوئی قابلِ اعتراض شئے نہیں۔ اگر فرقہ داری اسی کو کہتے ہیں۔ کہ جس قوم کو جتنا حق پہنچتا ہے۔ اُسے دیدیا جائے۔ تو ایسی فرقہ داری قطعاً محلِ اعتراض نہیں۔ محلِ اعتراض ہی نہیں بلکہ قابل تعریف ہے۔ کیونکہ یہ ملک کی ایک ہی قوم کو ملازمتوں کا اجارہ دار نہیں بناتی۔ یہ کسی ایک قوم کو ہی نظام حکومت کا ٹھیکیدار نہیں بناتی۔ یہ کسی ایک قوم کو ہی سیاہ وسفید کا مالک نہیں بناتی۔ بلکہ ہر ایک قوم ہر ایک جاتی اور ہر ایک جماعت کو اس کے واجبی حقوق دلا کر ہمیشہ کے لئے مطمئن کر دیتی ہے،

فرقہ دارانہ ملازمتوں کا مطالبہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے

اگر اس قسم کی منصفانہ اور عادلانہ پالیسی قابلِ اعتراض چیز ہوتی تو برٹش گورنمنٹ کیوں اس پر عمل کرتی؟ اگر یہ دیش ہت اور ملکی مفاد کے خلاف ہوتی۔ تو برطانوی ہند میں اس کو کیوں رائج کیا جاتا؟ کیا ہندوستان کی مختلف صوبجاتی حکومتوں نے اپنے اپنے نظامِ حکومت میں اس کو جگہ نہیں دی؟ کیا مختلف فرقوں اور جماعتوں کو سرکاری ملازمتوں میں حصہ لینے کے لئے ان کا تناسب مقرر نہیں کیا؟ اگر کیا اور یقیناً کیا۔ تو پھر اس پر اعتراض کیوں؟ جب مہاسبھائیوں اور کانگرسیوں کے پولیٹکل اُستاد (انگریز) بھی اسے جائز اور مفید سمجھتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں اس پر معترض ہونا کس طرح ٹھیک ہو سکتا ہے؟ اگر سرکاری ملازمتوں میں فرقہ دارانہ تناسب قائم کرنا معیوب اور مضر ہوتا۔ تو بمبئی گورنمنٹ اپنے ہاں اسے رائج نہ کرتی۔ اگر یہ پالیسی ملکی مفاد کے خلاف ہوتی۔ تو بنگال گورنمنٹ اس پر عمل نہ کرتی۔ اگر یہ قوم پرستی اور دیش ہت کے خلاف ہوتی۔ تو پنجاب گورنمنٹ اسے نہ اپناتی۔ اور میڈیمن کمیٹی بھی اسے جائز قرار نہ دیتی۔

چونکہ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ ہر ایک صوبجاتی حکومت کا اس پر عملدرآمد دکھایا جائے۔ اس لئے نمونتہً دو ایک صوبوں ہی کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

ہندوؤں کا مشہور روزانہ اخبار تیج دہلی لکھتا ہے :۔

بمبئی گورنمنٹ کے نزدیک فرقہ دارانہ ملازمتوں کا تناسب ضروری تھا

"دلت واچھوت جاتیوں کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حکومت بمبئی نے دلیرانہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ حکومت ہذا نے اپنی اس پالیسی کو مزید وسعت دینے کے لئے کہ سرکاری ملازمتوں میں تمام فرقوں اور ذاتوں کی نمائندگی

حاصل کی جلائے۔ حکومت مذکورنے یہ قرار دیا ہے۔ کہ احاطہ بمبئی کے تمام صیغہ جات کے کلرکوں کی آسامیوں میں پسماندہ و دلت جاتیوں کے نمائندوں کی بھرتی کے لئے کم از کم شرح فیصدی مختلف اضلاع میں ۳۳ فیصدی سے ۶۰ فیصدی تک ہے۔ مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ خاص احاطہ بمبئی میں انہیں مناسب حصہ ملے گا۔ مگر سندھ میں پچاس فیصدی۔ اگرچہ یہ قدم بڑا دلیرانہ ہے۔ مگر اس سے ترقی یافتہ فرقوں میں آتش ناراضگی روشن نہیں ہوگی۔ کیونکہ گورنمنٹ مصر ہے۔ کہ قابلیت کا معیار ویسا ہی رہے گا۔ اور قابلیت کے معیار پر ان جماعتوں کو اقل مخصوص شدہ شرح سے زیادہ اسامیاں بھی مل سکیں گی"[1]

میڈیمن کمیٹی کا فرقہ وارانہ ملازمتوں کی سفارش کرنا

اصلاحات کی تحقیقاتی کمیٹی جو میڈیمن کے نام سے مشہور ہوئی اس نے بھی اپنی رپورٹ میں بقول ایڈیٹر تیج اسی اصول کی سفارش کی

"پبلک ملازمتوں کے متعلق بھی کثرت رائے نے سفارشات کی ہیں۔ اور لکھا ہے۔ کہ ملازمتوں کے منصبوں اور ان کے تسلیم کردہ حقوق و مراعات کی حفاظت کے لئے اگر کوئی کارروائی کرنی ناگزیر ہو تو کی جائے۔ اور صیغجات منتقلہ میں پبلک سروسز پر کنٹرول کمیشن یا کمیشنوں کے ہاتھ میں ہو۔ اور کہ بھرتی کے متعلق قواعد میں یہ درج ہو۔ کہ اہلیت و قابلیت کا مناسب لحاظ رکھتے ہوئے تمام فرقوں کی ملازمت میں مناسب نمائندگی ہو۔ اگر ضروری ہو۔ تو ہر ایک صیغہ میں ملازمتوں میں نامزدگیاں بھی کی جائیں جنھوں نے اہلیت کا امتحان پاس کر لیا ہو"[2]

---

[1] تیج دہلی ۲۲ فروری ۱۹۲۵ء صہ ۲۔ [2] تیج دہلی ۱۱ مارچ ۱۹۲۵ء صہ ۵)

فرقہ دارانہ ملازمتوں کے متعلق پنجاب گورنمنٹ کا دستور العمل

۷ار مارچ ۱۹۳۲ء کو پنجاب کونسل کے اجلاس میں مسٹر گاربٹ چیف سکرٹری گورنمنٹ پنجاب نے بھی اس پالیسی کے متعلق بایں الفاظ اعلان کیا تھا۔ کہ:۔

"ہماری پالیسی یہ ہے۔ کہ اس بات کی کوشش کی جائے۔ کہ نئی بھرتی کے معاملہ میں حتی الوسع پچاس فیصدی ملازمتیں مسلمانوں کو دی جائیں۔ اور پچاس فیصدی غیر مسلموں کو۔ اور اس میں سے سترہ ۱۷ فیصدی سکھوں کو اور تینتیس فیصدی باقیوں کو۔" (انقلاب ۱۹ مارچ ۱۹۳۲ء ص۱)

اسی طرح بنگال گورنمنٹ، مدراس گورنمنٹ اور دوسری صوبجاتی حکومتوں کے طرز عمل کے متعلق بھی اسی قسم شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر یہ بتلانے کے لئے کہ سرکاری ملازمتوں میں مختلف فرقوں کا تناسب مقرر کرنا سیاست، انصاف اور ملکی مفاد کے خلاف نہیں۔ بلکہ نہایت ضروری اور مفید ہے یہ چند مثالیں بھی بہت کافی ہیں۔ اور یہ طرز عمل ان حکومتوں کا ہے جو دیسی ریاستوں سے کہیں زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ ہیں۔ پس جب انگریز مدبر ہندوستانیوں کو حکومت میں حصہ دار بنانے کے لئے ان کا تناسب مقرر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تو کیا اگر مسلمانان کشمیر بھی اسی قسم کی پالیسی کے حق میں آواز اٹھائیں۔ تو مہاسبھائیوں کا ان کی مخالفت کرنا جائز ہوگا، اور کیا اس قسم کے منصفانہ اور عادلانہ مطالبہ کے خلاف واویلا کرنا درست ہو سکتا ہے؟

ہندو مہاسبھائیوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مسلمانان کشمیر جس قسم کی فرقہ داری کے حق میں آواز بلند کرتے ہیں وہ قابل اعتراض نہیں، بلکہ

مہاسبھائیوں والی فرقہ داری بیشک قابل اعتراض ہے

مہاسبھائیوں والی فرقہ داری محل اعتراض ہے جو ایک ہی قوم اور ایک ہی جاتی کو ملکی نظام کا اجارہ

بنانے کی مؤید اور حامی ہے۔ اور جو اس امر کی خواہشمند رہتی ہے۔ کہ ایک ہی قوم کو حکومت کے سیاہ وسفید کا مالک بناکر دوسروں کو غلامی کی بیڑیوں میں جکڑ کر رکھے،

ہم حیران ہیں۔ کہ یہ لوگ مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ پر فرقہ وارانہ ذہنیت کا اعتراض کس مُنہ سے کرتے ہیں۔ جبکہ ان کا طرزِ عمل بھی اسی کے حق میں نظر آتا ہے۔ اور خود یہ بھی قدم قدم پر اسی قسم کی ذہنیت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں؟ کیا ان کی طرف سے گورنمنٹ پر زور نہیں دیا جاتا۔ کہ فلاں صوبہ میں ہندوؤں کا ملازمتوں میں اتنا تناسب مقرر کیا جائے۔ فلاں صیغہ میں ہندوؤں کو اتنی اسامیاں دی جائیں؟ جب یہ لوگ خود بھی اس قسم کے مطالبات کرتے رہتے ہیں۔ تو اگر مسلمانان کشمیر نے بھی اس قسم کا مطالبہ کر دیا۔ تو اس پر اعتراض کیوں؟

ہندو سبھائی بھی فرقہ وارانہ تناسب کا مطالبہ کیا کرتے ہیں

اگر یقین نہ ہو۔ تو ذیل کے دو ثبوت ملاحظہ فرما لیجئے:۔

لالہ دُنی چند ایم اے صدر استقبالیہ پراونشل ہندو کانفرنس امرتسر نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا تھا کہ:۔

"پولیس میں رنگروٹ مہیا کرو۔ پنجاب کے محکمہ پولیس میں مسلمان عنصر کا زور ہے۔ کہیں کہیں ہندو افسر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ ماتحت عملہ زیادہ تر مسلمان ہے۔ اس لئے ہندو افسر کو ہمیشہ مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہمیں گورنمنٹ کے پاس عرضداشت کرنی چاہیئے۔ کہ **پولیس سروس میں ہندوؤں کا تناسب مسلمانوں کے برابر ہونا چاہیئے۔** محکمہ پولیس میں مسلمانوں کی کثرت ہندو قوم کے لئے سخت خطرہ ہے اور اس کے لئے پریس اور پلیٹ فارم سے ایجی ٹیشن ہونی چاہیئے۔ اگر ضرورت پڑے۔ تو ہمیں ڈیپوٹیشن بھی لے جانے چاہئیں۔ اور اسوقت

تک دم نہ لینا چاہیئے۔ جب تک ہماری دادرسی نہ کیجائے"۔ (ملاپ یکم جون ۱۹۳۵ء)

کیا مہا سبھائیوں کا یہ بیان مسلمانان کشمیر کے مطالبہ کی زوردار طریق پر تائید نہیں کر رہا؟ کیا ہندو کانفرنس کے استقبالیہ صدر کے یہ الفاظ اس امر کے بدیہی ثبوت نہیں کہ کشمیریوں کے جس مطالبہ کو یہ آج قابل اعتراض بتلاتے ہیں۔ وہی مطالبہ یہ خود بھی کر چکے ہیں۔

مہا سبھائیوں کا فرقہ وارانہ مطالبہ اپنے تناسب سے بھی زیادہ کا ہوتا ہے

نہیں نہیں۔ یہ وہی مطالبہ نہیں۔ بلکہ اُس سے کہیں زیادہ سخت اور نامنصفانہ مطالبہ ہے۔ کیونکہ مسلمانان کشمیر تو صرف اتنا مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ سرکاری ملازمتوں میں انہیں ان کی آبادی کے تناسب سے لیا جائے۔ مگر ہندو مہا سبھائیوں کا یہ مطالبہ پنجاب کے ۲۴-۲۵ فیصدی ہندوؤں کو ۵۶ فیصدی اسامیاں دلوانا چاہتا ہے، جو نہ صرف غیر منصفانہ ہے۔ بلکہ شرمناک بھی ہے۔

اب ناظرین مہا سبھائیوں کے اس مطالبہ کو سامنے رکھ کر خود ہی فیصلہ فرمائیں۔ کہ یہ لوگ کس ذہنیت کے مالک ہیں، اور انہیں انصاف اور ایمانداری کہاں تک لگاؤ ہے۔

کس قدر حسرت اور تعجب کی بات ہے۔ کہ اگر مسلمانان کشمیر یہ کہیں، کہ ہمیں سرکاری ملازمتوں میں صرف اتنا حصہ دیا جائے۔ جتنی ہماری آبادی ہے۔ تو یہ لوگ ان کے پیچھے تیغ جھاڑ کر پڑ جائیں، اور اس کے خلاف اتنا طوفان بے تمیزی اٹھائیں۔ کہ گلینسی صاحب کو بھی گھبرا کر ان کے اس منصفانہ مطالبہ کو معرض تعویق میں ڈالنا پڑے۔ مگر خود یہی لوگ سٹیج پر کھڑے ہو کر گورنمنٹ سے ۲۴ فیصدی ہوتے ہوئے بھی ۵۶ فیصدی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اس کے منوانے کے لئے "ایجی ٹیشن" اور "ڈیپوٹیشن لے جانا" بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اس وقت تک دم نہیں لینا چاہتے۔ جب تک کہ ان ۲۴ فیصدی آبادی رکھنے والوں کو ۵۶ فیصدی حق نہ مل جائے،

یہی کیوں اور سُنئے۔ اسی ہندو کانفرنس میں ایک اور رزولیوشن پاس کیا جاتا ہے جس میں صوبہ سرحد کے دفاتر میں تین چار فیصدی ہندوؤں کے لئے تیس چالیس فیصدی تناسب مقرر کروانا چاہتے ہیں۔ ان کے رزولیوشن کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ اور ان کی عجیب وغریب ذہنیت سے واقف ہو جئے :۔

"اس کانفرنس کی رائے میں صوبہ سرحدی میں ہندو اس وقت تک امن وچین سے بودوباش اختیار نہیں کر سکتے۔ جب تک ہندوؤں کی کافی نیابت جوڈیشل اور ایگزکٹو لائنوں میں اور بالخصوص محکمہ پولیس میں نہ ہو"

اور یہ مطالبہ اس صورت میں کیا جاتا ہے۔ جبکہ وہاں کے تین چار فیصدی ہندو ۲۵ فیصدی ملازمتوں پر قابض بھی ہیں۔ جیسا کہ ذیل کے بیان سے ظاہر ہے :۔

"سرحدی علاقہ میں ۲۸ لاکھ میں سے $1\frac{3}{4}$ لاکھ ہندو آباد ہیں... تقریباً ۲۵ فیصدی ہندو سرکاری ملازم ہیں" (ملاپ ۲ر جون ۳۵ء)

کس قدر عجیب بات ہے۔ کہ جس صوبہ میں تین چار فیصدی ہندو ۲۵ فیصدی حقوق حاصل کئے بیٹھے ہیں۔ انہیں ہندو مہاسبھائی اور بھی کافی نیابت دلانا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے رزولیوشن پاس کرتے ہیں اور گورنمنٹ پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ کہ وہ وہاں کے مسلمانوں کا حق مار کر انہیں کا دوزخ بھرے،

اور تعجب پر تعجب یہ ہے۔ کہ اس قسم کے نامنصفانہ بلکہ غاصبانہ مطالبات کرتے ہوئے بھی آج بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری سے کہا جاتا ہے۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کا یہ مطالبہ کہ سرکاری ملازمتوں میں ان کو آبادی کی بنا پر حصہ دیا جائے قطعاً قابل قبول نہیں۔ کیونکہ یہ قوم پرستی، دیش ہت اور ملکی مفاد کے خلاف ہے،

ہم انہی بے اصولے لوگوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ جب تم ۴ ۲ فیصدی ہندوؤں کے لئے ۵۶ فیصدی ملازمتیں مانگتے ہو، اور سرحد کے ۴ فیصدی ہندوؤں کے لئے ۲۵ فیصدی

سے بھی زیادہ کے طالب ہو۔ تو مسلمانانِ کشمیر کے اس جائز اور مبنی بر انصاف مطالبہ کے متعلق کس دلیل اور بُرہان کی بنا ء پر یہ کہنے کی جرأت کرتے ہو۔ کہ ان کا مطالبہ قوم پرستی اور دیش ہت کے خلاف ہے ؟

کیا تمہارا مطالبہ اس لئے دیش ہت کے خلاف نہیں کہ وہ اپنی آبادی سے زائد نیابت پر مبنی ہے اور کشمیریوں کا مطالبہ اس لئے دیش ہت کے خلاف ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق غصب کرنے کی بجائے صرف اپنی آبادی کی بناء پر ہی ملازمتیں مانگتے ہیں ؟ اگر یہ بات نہیں۔ تو پھر مسلمانانِ کشمیر کے اس منصفانہ مطالبہ کے خلاف تمہارا رونا پیٹنا، ماتم کرنا اور ریاست کے ذمہ وار ارکان کو دھمکیاں دینا کیونکر حق بجانب ہو سکتا ہے ؟

جب تم اپنے حق سے زیادہ ملازمتیں مانگنے میں کسی قسم کا حجاب محسوس نہیں کرتے جب تم دوسروں کے حقوق بھی ہتیا لینا جائز سمجھتے ہو۔ تو پھر تمہارا مسلمانانِ کشمیر کے اس منصفانہ مطالبہ کے خلاف ژاژ خائی کرنا کیونکر درست اور بجا سمجھا جائے ؟

خدا تعالےٰ کے فضل و احسان سے ہم نے ان کے فرقہ دارانہ تناسب پر کئے گئے اعتراض کا ایسا مسکت جواب دے دیا ہے۔ کہ آئندہ یہ اس کے خلاف تو لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے :۔

مسلمانانِ کشمیر کو احمق ثابت کرنے کے لئے الزام تراشیاں

مگر پبلک کو دھوکہ دینے اور کشمیریوں کو اس کی نظروں میں احمق ثابت کرنے کے لئے یہ ضرور کہیں گے۔ کہ کشمیری صرف آبادی کی بناء پر ہی نیابت نہیں مانگتے۔ بلکہ وہ یہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ فی صدی پورا کرنے کے لئے غیر مسلم گرایجوئیٹوں پر ادنیٰ لیاقت کے مسلمانوں کو ترجیح دی جائے۔ اور مسلمانوں کو بھرتی کرنے کے لئے لیاقت کا مطلق خیال نہ کیا جائے، جیسا کہ ایڈیٹر اخبار پارس کے مندرجہ ذیل لفظوں سے ظاہر ہے :۔

"مسلمانوں کے بعض مطالبات مضحکہ خیز طور پر احمقانہ ہیں۔ مثلاً انٹرنس پاس مسلمانوں کو گریجوایٹ غیر مسلمانوں پر ترجیح دی جائے۔ یعنی ایک گریجوایٹ غیر مسلم پروفیسر کی جگہ ایک میٹریکولیٹ (انٹرنس پاس) مسلمان کو پروفیسر مقرر کیا جائے۔ جو ایف اے کو درس دے!!! محض اس لئے کہ وہ مسلمان ہے۔ ایک اور مطالبہ یہ ہے۔ کہ تمام ملازمتوں میں فرقہ دارانہ نیابت قائم کی جائے۔ یعنی ریاست میں مستقل عناد کا بیج بونے کے علاوہ یہ اصول قائم کر دیا جائے۔ کہ فیصدی پورا کرنے کے لئے قابل ترین غیر مسلموں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو بھرتی کیا جائے۔ خواہ ان کی لیاقت بالکل صفر ہو۔" (اخبار پارس لاہور ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳)

یہ جو کچھ کہا کھلا کھلا افترا ہے

مگر یہ جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ کھلا کھلا افترا ہے ہم اس کھلے کھلے افترا کا تفصیلی جواب بھی دے سکتے ہیں۔ مگر فی الحال ہم ان لوگوں سے یہی پوچھنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمانان کشمیر نے کہاں اس قسم کا مطالبہ کیا ہے۔ اور کس جگہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ "ایک گریجوایٹ غیر مسلم پروفیسر کی جگہ ایک میٹریکولیٹ مسلمان کو پروفیسر مقرر کیا جائے۔ جو ایف اے کو درس دے۔"

ایڈیٹر پارس یا تو ہمیں کشمیریوں کے میمورنڈم سے یہ فقرہ دکھلائے یا تسلیم کرے کہ اس نے کشمیریوں کو پبلک کے سامنے احمق ثابت کرنے کے لئے کذب بیانی سے کام لیا ہے۔ مگر ہمیں یقین ہے۔ کہ وہ اگر باقی تمام دہا سبھائیوں کو بھی ساتھ ملا لے، پھر بھی کشمیریوں کی کسی تحریر یا تقریر سے اس مفہوم کا کوئی مطالبہ نہیں دکھلا سکتا، اور اسی طرح وہ یہ بھی نہیں دکھلا سکتا کہ مسلمانوں نے مہاراجہ صاحب بہادر سے یہ مطالبہ کیا ہو۔ کہ:۔

"فیصدی پورا کرنے کے لئے قابل ترین غیر مسلموں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو بھرتی کیا جائے۔ خواہ ان کی لیاقت بالکل صفر ہو"

کیونکہ اس قسم کے مطالبات مسلمانان کشمیر کے وہم اور خیال میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ چہ جائیکہ وہ انہیں مہاراجہ صاحب بہادر کے سامنے پیش بھی کرتے،

اس میں شک نہیں۔ کہ مسلمانان کشمیر اپنی آبادی کے تناسب سے ملازمتیں مانگتے ہیں مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ فیصدی پورا کرنے کے لئے غیر مسلم گریجوائٹوں پر ایسے مسلمانوں کو ترجیح دی جائے۔ جو لیاقت میں صفر ہوں۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو آبادی کی نسبت سے اسی شرط پر ملازمتیں دی جائیں۔ کہ وہ جن عہدوں یا اسامیوں پر متعین کئے جائیں وہ اس عہدہ یا اسامی کی لیاقت بھی رکھتے ہوں۔ ہاں یہ ضروری ہے۔ کہ ہر ایک اسامی یا عہدہ کے لئے معیار لیاقت اتنا ہی مقرر کیا جائے۔ جو اس کے لئے کافی ہو۔ یہ نہیں کہ کلرکی کے لئے گریجوائٹ ہونا شرط ہو۔ بلکہ اسی مسلمان کو کلرک بنایا جائے۔ جو انٹرنس پاس ہو۔ اسی طرح وہی مسلمان پروفیسر بنایا جاوے۔ جو بی اے یا ایم اے پاس ہو۔ مگر یہ نہیں۔ کہ وہ لنڈن یا جرمنی سے ڈگریاں بھی حاصل کئے ہوئے ہو،

اور ان کا ہر ایک اسامی کے لئے مناسب معیار قابلیت کی شرط پر ہی مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے ملازمتوں میں لئے جانے کا مطالبہ کرنا کسی طرح بھی "احمقانہ" نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اگر ہمیں اجازت دی جائے۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ جو شخص ان کے اس منصفانہ اور عاقلانہ مشروط مطالبہ کو احمقانہ مطالبہ بتلاتا ہے۔ وہ خود اپنا دماغی توازن کھو چکا ہے،

فرقہ وارانہ تناسب مقرر کرنے کی وجہ

ہم یہ بھی کہہ دیں۔ کہ مسلمانان کشمیر اپنی آبادی کی بنا پر ملازمتیں طلب کرنے کا کبھی مطالبہ ہی نہ کرتے اگر وہاں کے بعض ہندو عہدہ دار "خویش پروری" کو ہی معیار قابلیت نہ سمجھ لیتے

کشمیر میں ایسے مسلمان کافی تعداد میں موجود ہیں۔ جو ذمہ واری کے عہدوں پر کام کر سکتے ہیں، جو نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ نظام حکومت کو چلا سکتے ہیں، مگر چونکہ ان کا واسطہ ایسے لوگوں سے آپڑا ہے۔ جو لیاقت کی بجائے "رشتہ داری" پر ہی زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو مجبور ہو کر یہ مطالبہ کرنا پڑا۔ کہ ان کی ملازمتوں کے لئے تناسب مقرر کیا جائے، کیونکہ اگر ان کے لئے تناسب مقرر نہ کیا جائے۔ تو وہ اعلیٰ سے اعلیٰ قابلیت پیدا کرنے کے بعد بھی ملازمتوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ کیونکہ وہ وہاں کے ارباب بست وکشاد کے ہم مذہب نہیں۔ رشتہ دار نہیں۔ اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ وہ مسٹر سٹر کلینڈ آئی۔ سی۔ ایس کے مندرجہ ذیل بیان سے ثابت ہے:۔

مسٹر سٹر کلینڈ کی گواہی کہ ہندو افسر عزیز پروری سے کام لیتے ہیں

"کشمیری پنڈت عام طور پر ریاست کی ملازمت کرتے ہیں۔ اور بالکل قدرتی طور پر ہر ایک سرکاری افسر یہی کوشش کر رہا ہے۔ کہ اسکے اپنے ہی رشتہ دار کو ملازمت ملے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مسلمان جہاں بھی جاتا ہے۔ وہاں ہی اُسے ایک ہندو افسر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ... دیہات کے سکولوں کے سکول ماسٹر ہندو ہی ہوتے ہیں اور عام طور پر برہمن ہوتے ہیں۔ ڈاک کے ہرکارے مسلمان ہوتے ہیں۔ لیکن پوسٹماسٹر ہندو ہوتا ہے۔ اور گورنمنٹ کشمیر کے ہر صیغہ میں یہی حالت ہے"۔ (اخبار دیر بھارت ۳۰ مارچ ۳۲ء)

اب جو لوگ مسلمانوں کے اس حق و انصاف پر مبنی مطالبہ کو بھی مسخ صورت میں پبلک کے سامنے پیش کر کے بدزبانی سے کام لیتے ہیں۔ کیا وہ اپنے ان ہم مذہبوں کے خلاف کوئی لفظ یا کلمہ زبان سے نکالنے کی جرأت کریں گے ؟ کیا جہاں سرکاری ملازمتوں

میں "رشتہ داری" ہی معیار قابلیت ہو۔ وہاں قابل سے قابل مسلمانوں کو بھی حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کا موقعہ مل سکتا ہے ؟

چونکہ بقول مسٹر گلینڈ وہاں ملازمتوں میں رشتہ داری کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانان کشمیر مجبور ہیں۔ کہ اپنے لئے تناسب مقرر کروائیں، کیونکہ اگر اس قسم کی ذہنیت سے انہیں دوچار نہ ہونا پڑتا۔ تو وہ کبھی بھی فرقہ دارانہ تناسب پر زور نہ دیتے، اور اپنی قابلیت اور لیاقت کے بل پر ہی بہت سی اسامیوں اور عہدوں پر قابض ہوجاتے۔ مگر چونکہ وہ ہندو افسروں کے رشتہ دار نہیں، عزیز اور قریبی نہیں۔ اس لئے وہ بغیر تناسب مقرر کروائے ملازمتوں میں حصہ لینے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس قسم کے حالات پر نظر کرتے ہوئے ہر ایک انصاف پسند، مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کو جائز، درست اور ضروری ٹھہرائے گا۔ یہی کیوں بلکہ ریاست کے ارباب بست و کشاد پر زور بھی دیگا۔ کہ وہ سرکاری ملازمتوں میں حصہ لینے کے لئے ہر ایک فرقہ اور جماعت کا اس کی آبادی کی بنا پر تناسب مقرر کریں۔ تاکہ آئندہ کے لئے کسی قوم اور جماعت کے دل میں بھی بے چینی اور بے اطمینانی پیدا نہ ہو۔

یہ ثابت کر دینے پر کہ مسلمانان کشمیر کا آبادی کی بنا پر سرکاری ملازمتوں میں حصہ لینے کا مطالبہ انصافاً، قانوناً اور سیاستاً ہی جائز نہیں بلکہ برٹش گورنمنٹ اور ہندو مہاسبھائیوں کے طرز عمل سے بھی ثابت ہے۔ اب ہم ان کے اسمبلی قائم کئے جانیوالے مطالبہ کو لیتے ہیں۔ اور بتلاتے ہیں۔ کہ جس طرح مہاسبھائیوں کا مسلمانان کشمیر کے متذکرہ بالا مطالبہ کو دلیش ہت اور ملکی مفاد کے خلاف بتلانا غلط اور بے بنیاد ہے۔ اسی طرح اسمبلی کی مخالفت کرنا بھی کسی معقولیت پر مبنی نہیں۔

کیا ریاست میں اسمبلی قائم کئے جانے کا مطالبہ جائز نہیں؟

جب ہم مسلمانان کشمیر کے مطالبۂ اسمبلی پر مہاسبھائیوں اور کانگرسیوں کی مخالفانہ چیخ و پکار کو دیکھتے ہیں۔ تو ہمارے تعجب کی انتہا نہیں رہتی۔

کچھ عرصہ قبل خود مہاسبھائی بھی اسمبلی کے قیام کے حق میں تھے

کہ یہ لوگ؟ اسمبلی کی مخالفت کرتے ہیں جو آج سے کچھ عرصہ پہلے خود ہی والیانِ ریاست کو نیابتی حکومت قائم کرنے کے مشورے دیا کرتے تھے، جو ریاستی پرجا کو جمہوری نظام حکومت کی خوبیاں بتلایا کرتے تھے، جو مہاراجہ صاحب کشمیر کو بھی اپنے ہاں اسمبلی قائم کرنے کی ضرورت جتلایا کرتے تھے۔ اور زور دیا کرتے تھے۔ کہ ریاست کا اسی میں فائدہ ہے۔ کہ اس کا نظام حکومت جدید طرز پر قائم کیا جائے [۱]

ہم حیران ہیں۔ کہ آج انہی لوگوں کی طرف سے ریاست کشمیر میں اسمبلی قائم کی جانے کی مخالفت ہوتی ہے۔ جو شخصی حکومت پر جمہوری حکومت کو ترجیح دیا کرتے تھے، جو نیابتی طرز کے نظام حکومت ہی کو ملک کے لئے مفید اور بہتر قرار دیا کرتے تھے؟ کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے۔ کہ جو لوگ یہ کہہ کہہ کر ہمارا دماغ چاٹتے رہے۔ کہ آج مہذب دنیا نے جس قسم کے نیابتی نظام حکومت کو باقی ہر قسم کے نظام ہا حکومت سے زیادہ مفید اور بہتر قرار دیا ہے۔ اس کے بانی اور موجد ہمارے ہی رشی۔ منی اور نیتی دان تھے۔ آج وہی لوگ اس قسم کے نظام حکومت کو کشمیر میں رائج کرنے میں روک بن رہے ہیں؟

اگر ان کا یہ کہنا اور اس پر اترانا کسی حقیقت پر مبنی ہے۔ کہ دنیا میں جمہوری

[۱] اس کے لئے دیکھئے ہمارا رسالہ "مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج"

نظام حکومت کے بانی ہندو ہی تھے۔ اور ان کے وید، ان کے شاستر، ان کی سمرتیاں، ان کے نیتی گرنتھ اسی قسم کے نظام حکومت کی تائید کرتے ہیں[۱]۔ اور اسی کو قوم اور ملک کے لئے باعث فلاح بتلاتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ آج ان کتابوں کو ماننے والے، ان کی تعلیم کو سر آنکھوں پر رکھنے والے، یہ کہنے میں قطعاً حجاب محسوس نہیں کرتے۔ کہ ریاست جموں و کشمیر میں اسمبلی قائم کرنے کی ضرورت نہیں؟

جب بقول ان کے وید اور شاستر نیابتی حکومت ہی کو بہتر اور مفید بتلاتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ان کتابوں کو ایشوری واک اور رشیوں کی بانی ماننے والے آج مسلمانان کشمیر کے اس ضروری، جائز اور مفید مطالبہ کی مخالفت کرتے ہیں؟

یا تو یہ لوگ اعلان کریں۔ کہ ان کے مصنفوں، مضمون نگاروں، اور تاریخ دانوں نے ویدوں، شاستروں، اتہاسوں اور نیتی گرنتھوں کے حوالے دے دے کر جو یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ نیابتی طرز کی حکومت کے بانی اور مخترع ہندو ہی تھے۔ وہ غلط اور سرتاپا غلط اور نری ڈائیں ٹائیں تھی۔ اور اگر وہ ایسا کہنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ تو پھر مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ کہ ہماری ریاست میں بھی نیابتی طرز کی حکومت قائم کی جائے۔ اور رعایا کے منتخب نمائندے ایک جگہ جمع ہو کر اپنے ملک کی ترقی و فلاح کے لئے تجویزیں سوچیں اور اپنے والی اور حکمران کو ایسے مشورے دیں۔ جو ملک و ملت کے لئے مفید اور باعث ترقی ہوں؟

اگر کشمیر میں نیابتی حکومت جائز نہیں تو برطانوی ہند کیلئے کیوں ضروری ہے؟

اگر مسلمانان کشمیر کا یہ مطالبہ جائز نہیں تو پھر مہا سبھائی اور کانگرسی ہندو پنجاب میں کیوں اس قسم کی حکومت جائز سمجھتے ہیں، ملک کے باقی صوبوں میں کیوں اس طور کا نظام حکومت ضروری سمجھتے ہیں۔ مرکزی حکومت میں کیوں اسمبلی کا وجود لابدی خیال کرتے ہیں۔ اگر اس قسم کا نظام حکومت اپنے

[۱] یہ ضروری نہیں کہ ہندوؤں کے اس دعوےٰ سے ہم بھی اتفاق کریں۔ احمدی مہاجر

لئے اپنے ملک کے لئے اپنی قوم کے لئے جائز، ضروری اور لابدی سمجھتے ہو۔ تو اگر کشمیر میں بھی اس قسم کی نیابتی حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ تو کس بناء پر اسے ناجائز ٹھہراتے ہو؟ جب تم خود ہی یہ کہا کرتے ہو۔ کہ برطانوی ہند کے علاوہ ریاستوں میں بھی اس قسم کا نظام حکومت قائم ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ دیوان بہادر شری رام چندر راؤ صدر دیشی راجیہ پرلشد (بمبئی) کے مندرجہ ذیل لفظوں سے ظاہر ہے کہ:۔

دیوان بہادر رام چندر کے نزدیک ریاستوں میں نیابتی حکومت کے بغیر اصلاح ناممکن

جب تک (ریاستوں کے) نظام حکومت میں رعایا کو زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ اس وقت تک اصلاح ناممکن ہے۔ اور اس کا اصل الاصول یہ ہے۔ کہ دہارا سبھا (نمائندہ کونسل) رعایا کے سامنے ذمہ وار ہو۔ جب تک یہ نہ ہو گا۔ حالات کی اصلاح مشکل ہے۔“

(رسالہ تیاگ بھومی اجمیر جلد ۲ ص ۳۰۶)

تو پھر کس منہ سے یہ کہتے ہو کہ مسلمانان کشمیر کا یہ مطالبہ وطن دشمنی اور ملکی مفاد کے خلاف ہے؟

ویدک زمانہ سے مہا بھارت تک نیابتی حکومت کا رواج

جب تمہارے ہی بزرگ اور آچاریہ وید اور شاستروں کی بناء پر ہمیں بتلاتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں ویدک کال سے لیکر مہا بھارت کے زمانہ تک نیابتی حکومت ہی کا رواج رہا جیسا کہ سوامی دیانند کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے۔ تو پھر آج کس دلیل کی بناء پر کشمیر میں اس قسم کے نظام حکومت کی مذمت کرتے ہو؟

”حکومت کے لئے ایک شخص کو کبھی راجہ نہیں ماننا چاہیئے۔ کیونکہ جہاں ایک

کو راجہ مانتے ہیں۔ وہاں ساری رعایا دُکھی اور اس کے پدارتھوں (ساماں خوشحالی) کی تباہی ہوتی ہے۔ اس لئے کسی کی بھی ترقی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سبھا کرکے (اسمبلی قائم کرکے) سلطنت کا کام چلانا آریوں میں شرمن مہاراجہ یُدھشٹر تک برابر چلا آیا ہے۔ کہ جس کی گواہی مہابھارت کے راج دہرم وغیرہ گرنتھ اور منوسمرتی وغیرہ شاستروں سے ملتی ہے"

(رگوید آدی بھاش بھومکا ہندی ص۲۴۶)

"ویدوں کی رُو سے نیابتی حکومت ہی خوشحالی کا مُوجب ہے"

جب تمہارے ہی نامی گرامی پنڈت وید منتروں کے حوالے نقل کرکر کے ہمیں بتلاتے ہیں کہ :۔

"جس حکومت میں لوک سبھا (نمائندہ اسمبلی) ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ وہاں کا نظام حکومت چلایا جاتا ہے۔ وہاں راجہ کو اور رعایا کو یعنی کسی کو بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچتی"

(بحوالہ اتھروید کانڈ ۷ سوکت ۱۲ منتر ۱ از ویدامرت ص۲۹۹ مصنفہ پنڈت دامودر ساتولیکر)

تو پھر اس قسم کی طرز حکومت اگر کشمیر میں بھی قائم ہو جائے تو ویدوں کو ایشوری گیان ماننے والے کیوں اس کی مخالفت کرتے ہیں؟

جب اس قسم کا نظام حکومت بقول ہندو پنڈتوں کے ویدوں اور شاستروں ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ تو ایسی حالت میں مہاسبھائیوں کو خوش ہونا چاہیئے۔ کہ مسلمانان کشمیر بھی ایسے ہی نظام حکومت کو پسند کرتے ہیں۔ جس کی ویدوں اور شاستروں نے تعلیم دی۔ نہ کہ وہ اس پر ناک بھوں چڑھائیں؟

کشمیریوں کے مطالبہ کی ویدک لٹریچر اور مہذب حکومتیں بھی تائید کرتی ہیں

جب مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی وید تائید کرتے ہیں شاستر تائید کرتے ہیں،

سمرتیاں تائید کرتی ہیں، نیتی گرنتھ تائید کرتے ہیں، ویداتہاس تائید کرتا ہے ازمانہ حال کے پنڈت تائید کرتے ہیں ۵؎، دور حاضرہ کی مہذب حکومتوں کا طرزِ عمل تائید کرتا ہے۔ تو پھر کس طرح ہم سمجھ لیں۔ کہ مہاسبھائیوں کا اس مطالبہ کو دیش ہت، قوم پرستی اور ملکی مفاد کے خلاف بتلانا درست اور بجا ہے؟

آخر ہندو مہا سبھائی ہمیں بتلائیں تو سہی۔ کہ مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی مخالفت کس دلیل اور برہان کی بنا پر کی جاتی ہے، کیا کشمیری انسان نہیں؟ اگر انسان ہیں اور یقیناً ان سے بہتر انسان ہیں تو کیا وجہ ہے۔ کہ ان کے اس مطالبہ کی مخالفت کی جائے؟

اسمبلی کیخلاف مہاسبھائیوں کی ایک لغو دلیل اور اس کا جواب

اگر کہا جائے۔ کہ ہم ان کے اس مطالبہ کی اس لئے مخالفت کرتے ہیں۔ کہ وہ ابھی اس قسم کے نظام حکومت کو چلانے کے اہل نہیں تو ایسی تھوتھی اور پوچ دلیلیں دینے والے اس بات کا بھی جواب دیں۔ کہ کیا ہندوستان

۵؎ ہم نے مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی تائید میں ہندوؤں کا بہت سا قدیم اور جدید لٹریچر پڑھا۔ اس پر نشان لگائے، اور بہت سے حوالجات جمع کئے۔ مگر افسوس کہ ہم اس ساری محنت کو ناظرین تک پہنچانے سے قاصر رہے۔ کیونکہ رسالہ ہذا کا حجم ہماری توقع سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اس لئے بادل ناخواستہ وہ تمام تحقیقات نظر انداز کرنی پڑی۔ لیکن تاہم ذیل میں چند ایک ہندی کتابوں اور رسالوں کے حوالجات دے دئے جاتے ہیں۔ تاکہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب آسانی سے ان محولہ کتابوں اور رسالوں سے اس قسم کے حوالجات نکال کر پڑھ سکیں۔

رگوید آدی بھاش بھومکا مصنفہ سوامی دیانند ص ۲۳۹

ویدامرت مصنفہ پنڈت دامودر ساتولیکر ص ۲۹۸

سوراجیہ کی مہماں مصنفہ " " ص ۹ ص ۳۹ ص ۵۹ ص ۷

اتھروید کا سوادھیائے مصنفہ " " ص ۳۲۵ ص ۲۳۹

بھارت ورش کا اتہاس جلد اول مصنفہ پروفیسر رام دیو بی اے ص ۵۸ ص ۲۶۴

" جلد دوم ص ۱۳۵ ص ۱۳۶ ص ۱۳۷ ص ۱۵۰ ص ۱۵۱

جگت گورو بھارت مصنفہ مہاشہ سکھ سمپتی رائے ص ۱۸ ص ۳۲ ص ۵۳ ص ۵۷ ص ۶۲ ص ۹۳

وغیرہ وغیرہ۔ احمدی مہاجر

کے ۲۴ کروڑ باشندے نیابتی حکومت کے اہل ہیں؟ اگر کہا جائے۔ کہ کشمیریوں کی تعلیمی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ تو کیا برطانوی ہند کے باشندوں کی تعلیمی حالت اجازت دیتی ہے؟ اگر کشمیری تعلیمی پسماندگی کی وجہ سے نیابتی حکومت کے اہل نہیں سمجھے جا سکتے تو برطانوی ہند کے باشندے کس طرح اس کے اہل اور یوگیہ سمجھے جا سکتے ہیں؟ جب کہ تم خود مانتے ہو۔ کہ:۔

"آجتک صرف دس فیصدی ہندوستانی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں"

(مسٹر ستیہ مورتی کا مضمون۔ اخبار پرتاپ ۱۷ ستمبر ۱۹۲۵ء)

کیوں صاحب! جس ملک کی ۹۰ فیصدی آبادی نرا گھنشر اور بے علم ہو۔ اُسے تو نیابتی حکومت کا اہل سمجھ لیا جائے۔ مگر کشمیریوں کو اس کا اہل نہ سمجھا جائے۔ جو اپنی ذہانت و ذکاوت میں ان سے بھی پیش پیش ہیں۔

یہ اس قسم کی لغو دلیلیں دے کر ہندوستانی مفاد کو نقصان پہنچاتے ہیں

ہم جس وقت ان لکھے پڑھے لوگوں کو اس قسم کی لغو اور بیہودہ باتیں زبان سے نکالتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ تو بے اختیار سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ کہ یہ لوگ مسلمانان کشمیر کی مخالفت میں ایسی باتیں بھی کہنے سے باز نہیں رہتے جو خود ہندوستان کے مفاد کے بھی خلاف ہیں۔ اور جن کو بدیشی لوگ ہندوستانیوں کے خلاف بطور دلیل کے استعمال کر سکتے ہیں۔

کیونکہ یہ اس قسم کی لچر اور پوچ باتوں سے غیر ملکیوں پر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ہندوستانی ابھی سوراج کے اہل نہیں۔ کیونکہ جب ان کے نزدیک سیلف گورنمنٹ یا نیابتی حکومت کے وہی اہل ہو سکتے ہیں۔ جو تعلیم سے مالا مال، مہذب اور ترقی یافتہ ہوں۔ تو اس کی رُو سے ہندوستانی کئی صدیوں تک بھی سوراج یا نیابتی حکومت کے اہل نہیں قرار دئے جا سکتے۔ کیونکہ ابھی ان کی ۹۰ فیصدی آبادی تعلیم سے محروم ہے۔ ما

ہمیں یاد ہے۔ کہ جس وقت ملک کی طرف سے اصلاحات کا مطالبہ ہو رہا تھا۔ اور گورنمنٹ پر نیابتی حکومت کے لئے زور دیا جا رہا تھا۔ اس وقت ہندوستانیوں کے خلاف اسی قسم کی دلیلوں سے کام لیا جاتا تھا۔ اور بیرونی دنیا کو باور کرایا جاتا تھا۔ کہ ہندوستانیوں کا یہ مطالبہ درست نہیں۔ کیونکہ یہ بوجہ کمی تعلیم اس کے ابھی اہل نہیں۔

لکھنؤ کانگرس کے ہندو صدر کا جواب کہ تعلیم نیابتی حکومت کیلئے لازمی شرط نہیں

مگر ساتھ ہی ہمیں ۱۹۱۶ء کی لکھنؤ کانگرس کے ہندو صدر کا وہ فقرہ بھی یاد ہے۔ جو اس قسم کے فضول گو معترضوں کی تردید میں اس نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا تھا۔ کہ:-

"سیلف گورنمنٹ کی قابلیت کے لئے تعلیم کا عام ہونا لازمی نہیں ہے۔ پس جو لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہاں تعلیم کی قلت ہے۔ اس لئے سیلف گورنمنٹ نہیں ملنی چاہیئے۔ غلطی پر ہیں"

پھر اس کی تائید میں تاریخی شہادت بھی دلائی تھی کہ:-

"چارلس اوّل کے عہد میں انگلستان کی تعلیمی حالت کیا تھی۔ کیا میگناکارٹا (نیابتی حکومت کا پروانہ) ان لوگوں نے حاصل نہیں کیا۔ جو اپنے دستخط صرف لکیریں کھینچ کر یا نشان بنا کر کرتے تھے .... پس تعلیم سیلف گورنمنٹ کو مدد دیتی ہے۔ لیکن وہ اس کے لئے لازمی شرط نہیں ہے" (اخبار مسافر آگرہ ۵ جنوری ۱۹۱۷ء صلہ)

محولہ فوق اقتباس پڑھ لینے کے بعد مہاسبھائی اور کانگرسی معترض بتلائیں۔ کہ ان کے نزدیک بدیشی معترض ہندوستانیوں کے خلاف اس قسم کا اعتراض کرنے میں حق بجانب تھے؟ اگر کہیئے نہیں، تو پھر انہی کا پس خوردہ کشمیریوں کے خلاف کیوں اگلتے ہو؟

اور اگر کہا جائے۔ کہ ان کا اعتراض درست اور بجا تھا۔ تو پھر تم خود برٹش گورنمنٹ سے سوراج یا نیابتی حکومت کا مطالبہ کیوں کرتے ہو؟ اور اگر ۱۹۲۶ء کی لکھنؤ کانگرس کے ہندو صدر کا جواب ہی درست ہے۔ اور یقیناً یقیناً درست اور بجا ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کی طرف سے بھی یہی جواب کافی نہ سمجھا جائے؟

ہندو بھائی مسلمانانِ کشمیر کے اس جائز اور واجبی مطالبہ کے خلاف جو چاہیں کہیں۔ مگر ابھی ان کی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس قسم کی اندھی مخالفت کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اور یہ کہہ کہہ کر اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑا مارنے کیلئے تیار نہیں۔ کہ چونکہ کشمیری تعلیم میں پسماندہ ہیں۔ اس لئے وہ نیابتی حکومت کے اہل نہیں اور ہمیں علم ہے۔ کہ ایسے ہی سمجھدار اور مآل اندیش اصحاب نے ہندوستانی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کشمیریوں کے اس مطالبہ کی تائید بھی کی تھی۔ جیساکہ ذیل کے اقتباسات سے ظاہر ہے:۔

ایڈیٹر تیاگ بھومی کا تائیدی نوٹ

"ہم پہلے آدمی ہیں جو چاہتے ہیں۔ کہ کاشمیر میں جلد سے جلد ذمہ وار حکومت قائم کی جائے"

(تیاگ بھومی اجمیر ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء صـ۲)

ایڈیٹر ویر بھارت کی تائیدی شہادت

"مسلمانانِ کشمیر کا یہ مطالبہ بہت حد تک وزن دار ہے۔ کہ ریاست میں رعایا کے منتخب نمائندوں کی ایک اسمبلی قائم کی جائے۔ اور وزارت کو اسمبلی کے سامنے ذمہ وار بنایا جائے"[۱]

یہی نہیں بلکہ جو لوگ سمجھتے تھے۔ کہ اگر مسلمانانِ کشمیر کے اس مطالبہ کی تائید نہ کی گئی۔ تو اس قسم کی دلیلوں سے ہندوستانیوں کے خلاف بھی کام لیا جائے گا۔ اس لئے

[۱] ویر بھارت ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء صـ۲)

انہوں نے ان لوگوں کو جھاڑا بھی۔ جیساکہ اخبار مشیر لاہور کے ہندو ایڈیٹر کی مندرجہ ذیل معقول ڈانٹ ڈپٹ سے ظاہر ہے:۔

لالہ بسوا ناتھ وڈہیرہ ایڈیٹر مشیر کی ہندو مہا سبھائیوں کو ڈانٹ اور مطالبہ اسمبلی کی تائید

"آج کے اخبار میں کسی دوسری جگہ ہندو یووک سبھا جموں کی وہ قرار دادیں درج ہیں جو اس کے زیر اہتمام ہندوؤں کے ایک عام اجلاس منعقدہ مندر دیوان جوالا سہائے بتاریخ ۵ مارچ سمہ ۸۸ زیر صدارت لالا رام ناتھ پاس کی گئیں۔ ان میں ایک قرار داد اس مطلب کی ہے۔ کہ ریاست میں اسمبلی ہرگز نہ بنائی جائے۔ اس ریزولیوشن میں ہندو نوجوانوں نے جس پوشیدہ اور عجیب وغریب ذہنیت کا اظہار کیا ہے۔ اسے دیکھ کر ہر باسمجھ ہندو کو جو رفتار زمانہ سے ذرہ بھی واقفیت رکھتا ہے۔ شرم (دامنگیر) اور تعجب ہوگا۔ فی زمانہ یہ ایک مسلم الثبوت حقیقت ہے۔ کہ وہی افراد اپنے لئے بہترین قوانین بنانے کا حق رکھتے ہیں۔ جن پر ان قوانین کا اطلاق ہوتا ہے۔ محض کسی ایک شخص کو خواہ وہ کتنا ہی عاقل کیوں نہ ہو۔ یہ حق ہرگز نہیں۔ کہ وہ ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کے لئے ان سے بلا پوچھے محض اپنی مرضی کے مطابق قانون بنادے اس اصول کی بنا پر ہر مہذب و متمدن ممالک میں حکومت کو رعایا کی مرضی اور ضروریات کے مطابق چلانے کے لئے اسمبلیاں اور پارلیمنٹ قائم ہیں۔ جن میں رعایا کے نمائندے رعایا کی حسب خواہش قانون بناتے ہیں۔ لیکن وائے برحال۔ ہمارے نوجوان اس مفید اور صحت افزاء

اصول کا نام سُن کر بھی گھبرا اُٹھے ہیں۔ان کی قدامت پسندی نہیں۔ بلکہ رجعت پسندی ہے۔جو ان کی حالات زمانہ سے عدم واقفیت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔

ہو سکتا ہے۔کہ موجودہ فرقہ دارانہ کشیدگی نے ان کے دلوں میں یہ خیال جاگزیں کر دیا ہو۔کہ اگر ریاست میں اسمبلی قائم کی گئی تو مسلمان نمائندگان کی اکثریت اس پر غالب ہو جائیگی جس سے ہندو مفاد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوگا۔لیکن اس کا حل تو کئی اور طریقوں سے ہو سکتا تھا نہ کہ اسمبلی ہی کو سرے سے اڑا دیتے ہیں۔اگر ہندوؤں کو مسلمان اکثریت کا اندیشہ ہے۔تو اس کے لئے مناسب تحفظات تجویز کئے جا سکتے ہیں نمائندگان کی قابلیت کا معیار قائم کیا جا سکتا ہے۔اور مخلوط انتخاب کا طریقہ آزمایا جا سکتا ہے۔سرحضور سرٹیفکیٹ کے اختیارات برت سکتے ہیں لیکن یہ کس قدر متضاد باتیں ہیں۔کہ ایک طرف تو وہ ان قوانین سے نالاں ہیں۔ جو انہوں نے خود وضع نہیں کئے ہیں۔اور جب ان کو اپنے لئے قوانین بنانے کے اختیارات دئے جاتے ہیں۔تو وہ اپنے ہمسایوں کی خود غرضیوں سے ڈر کر اسے لینے کو تیار نہیں ہیں۔ہم ہندو یووک سبھا کی اس منطق کو سمجھنے سے معذور ہیں۔" (اخبار شیر ۲۲ر جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۲)

یہی نہیں ہم اس مطالبہ کی تائید میں اور بھی بہت سی دلائل اور تائیدی شہادتیں پیش کر سکتے ہیں۔مگر چونکہ اس مختصر سے رسالہ میں زیادہ کی گنجائش نہیں۔اس لئے مجبوراً انہی پر اکتفا کی جاتی ہے اور ہمارے نزدیک تو مسلمانانِ کشمیر کے اس جائز مطالبہ کی تائید میں یہ بھی بجائے خود بہت کافی ہیں۔اور ان کا مطالعہ کرنے والا ہر ایک شخص معلوم کر سکتا ہے۔کہ مسلمانانِ کشمیر کے مطالبات کتنے معتدل، معقول، منصفانہ اور ملک و قوم کیلئے

مفید اور ضروری ہیں۔ اور ہندو مہا بھائیوں کا ان کے خلاف طوفان مخالفت بپا کرنا کس قدر نامعقول اور غیر مستحسن فعل ہے۔ اور ہم خوش ہیں۔ کہ گلینسی کمیشن اور خود مہاراجہ صاحب بہادر نے بھی مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی معقولیت اور ضرورت پر مُہر تصدیق ثبت فرمائی۔ اور ہمیں امید ہے۔ کہ یہ اس وقت جس شکل وصورت میں منظور کیا گیا ہے۔ اس میں جلد ہی اور بھی وسعت پیدا کر دی جائے گی جس کے کہ مسلمانان کشمیر خواہاں ہیں۔

اب اس کے بعد ہم مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کہ ریاست کے ہر ایک باشندے کو مذہب اور ضمیر کی پوری پوری آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔ اور تبدیل مذہب پر اُسے جدی جائداد سے محروم نہ کیا جائے۔

آزادیٔ مذہب اور تبدیلِ مذہب پر

ضبطی جائداد کے قانون کی تنسیخ کا مطالبہ

مطالبہ ہذا کی پانچ شقیں مذہب اور ضمیر کی آزادی کے متعلق جو مطالبہ مسلمانانِ کشمیر نے کیا تھا۔ اسکے پانچ حصے ہیں:۔

اوّل ۔ یہ کہ ریاست کے بعض ہندو عہدہ دار اشاعت اسلام کے راستہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ انہیں باز رکھنا چاہیئے۔ **دوم** ۔ بعض اوقات مسلمانوں کے شعائر اسلامی کی توہین کر کے ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگاتے ہیں۔ آئندہ اُن کو منع کیا جائے۔ **سوم** ۔ مسلمانان کشمیر کے کئی معابد اور مقابر پر ریاست نے قبضہ کر رکھا ہے۔ وہ واپس کیے جائیں۔ **چہارم** ۔ جن جانوروں کے گوشت کو ان کے مذہب نے حلال قرار

دیا ہے۔ چونکہ ان کا ذبح کرنا ریاست نے قابل تعزیر ٹھیرایا ہوا ہے۔ اس لئے آئندہ وہ قابل تعزیر نہ رہیں۔ **پنجم**۔ اگر کوئی شخص مذہب تبدیل کرے تو اسے جدی جائداد سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ آئندہ اُسے اس قسم کی سزا سے بچایا جائے۔ کیونکہ یہ پانچ باتیں ضمیر اور مذہب کی آزادی کے سخت منافی ہیں۔

اس میں سے پہلی شق کے متعلق تو مہاراجہ صاحب بہادر نے اعلان فرمایا ہے کہ:-

پہلی شق منظور

"اگر پولیس یا اور کوئی سرکاری عہدیدار یا رعایا میں سے کوئی شخص تبدیل مذہب کرنے والوں یا تبدیل کا ارادہ رکھنے والوں کو خوفزدہ کرے۔ تو ان کی سختی سے گوشمالی کی جائے۔ اور ان کو سخت سزا دی جائے۔" (ترجمہ گلینسی رپورٹ صفحہ ۱۳۸)

دوسری شق کے متعلق بھی آپ نے یہی فرمایا ہے۔ کہ

دوسری شق منظور

"تمام افسران متعلقہ کا فرض ہوگا۔ کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں۔ کہ اس نوعیت کے ہر اشتعال انگیز فعل کا بالحاظ مذہب وملت سختی کے ساتھ نوٹس لیا جائے۔ ہائیکورٹ کو اپنی ماتحت عدالتوں کے نام یہ ہدایات صادر کرنا چاہئیں۔ کہ ان تمام مقدمات میں جن میں توہین مذہب کے ارتکاب کا ثبوت مہیا کیا جائے۔ مجرمین کو ایسی سزائیں دی جائیں۔ جن سے مجرمین کو یقین ہو جائے۔ کہ انہوں نے کس قدر سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔" (رر صفحہ ۱۳۸)

تیسری شق منظور

تیسری شق کے متعلق بھی مہاراجہ صاحب بہادر نے یہی فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ:-

"کمیشن نے معابد ومقابر کی واپسی کے متعلق جو سفارشات کی ہیں۔ ان کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔"

چوتھی شق ملتوی

چوتھی شق کے متعلق چونکہ خود مسلمانانِ کشمیر نے ہی رواداری کے خیال سے زیادہ زور نہیں دیا۔ اس لئے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

پانچویں شق نامنظور

رہی پانچویں شق کہ تبدیل مذہب پر کسی کو جدی جائداد سے محروم نہ کیا جائے۔ سو چونکہ زیادہ تر اسی کے خلاف ہندو مہا سبھائیوں نے طوفان بے تمیزی کھڑا کیا تھا۔ اور ریاست کو طرح طرح کی دھمکیاں دی تھیں۔ اس لئے مسلمانان کشمیر کے اس معقول مطالبہ کی پانچویں شق منظور نہ ہو سکی۔

پانچویں شق کی منظوری سبھی قوموں کیلئے مفید تھی

حالانکہ جس طرح باقی شقیں معقولیت پر مبنی تھیں اسی طرح یہ بھی حق و انصاف پر مبنی تھی، اور اس کا فائدہ صرف مسلمانوں ہی کو نہیں۔ بلکہ ریاست کے ہر فرقہ اور جماعت کو پہنچتا تھا۔ مگر افسوس کہ ہندو مہا سبھائیوں نے تنگ نظری سے کام لیتے ہوئے بغیر کسی معقول وجہ کے اس کی مخالفت کرنا ضروری سمجھا۔ اور مخالفت میں اتنی شدت اختیار کی کہ الامان و الحفیظ!

مہا سبھائی پہلے اس قانون سے ہی انکار کرتے رہے

پہلے تو یہ لوگ پبلک کو یہی یقین دلاتے رہے۔ کہ ریاست میں ایسا کوئی قانون نہیں جو تبدیلیٔ مذہب پر ضبطی جائداد کی سزا دیتا ہو جیسا کہ لالہ گلاں چند ایم اے ایڈوکیٹ دہلی کے مندرجہ ذیل الفاظ سے عیاں ہے۔ جو انہوں نے ہندو سبھا کے جلسہ منعقدہ دہلی میں کہے۔ کہ

"گورنمنٹ کے حامی مسلمانوں نے شملہ میں سر ذوالفقار علی خاں کی کوٹھی میں میٹنگ کر کے یہ شرارت پھیلائی ہے۔ اور ناجائز مطالبات پیش

کرکے گورنمنٹ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً کشمیر کے مسلمانوں کے ضمیر کو کچل دیا گیا ہے۔ اگر وہاں کوئی ہندو مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی جائداد ضبط کر لی جاتی ہے۔ وغیرہ۔ **لیکن ایسا کوئی قانون کشمیر میں نہیں ہے۔**"

(ملاپ ۱۲ر اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۶)

حالانکہ یہ نرا پروپیگنڈا تھا۔ جو صداقت اور حقیقت سے کوسوں دور تھا۔ کیونکہ ریاست میں کئی ایسے واقعات ظہور میں آچکے تھے۔ کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی جائداد ضبط کر لی گئی۔ مگر چونکہ ان لوگوں کا مقصد اصل حقائق سے پبلک کو ناواقف رکھنا تھا۔ اس لئے اس قسم کا پروپیگنڈا کرتے رہے۔

جب مسلمانوں نے تبدیل مذہب پر ضبطی جائداد کی تنسیخ کا مطالبہ کیا تو مہاسبھائی چلا اُٹھے

مگر چونکہ یہ حقیقت تھی اور امر واقع اس لئے جب یہ معاملہ گلینسی کمیشن کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو ہندو مہاسبھائی بلبلا اُٹھے۔ اور صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ کہ اگر گلینسی کمیشن نے اس معاملہ کے متعلق غور بھی کیا تو ہم اس کمیشن ہی کا بائیکاٹ کر دیں گے، حالانکہ اگر ایسا کوئی قانون ہی نہ تھا تو ان کا گلینسی کمیشن کو یہ دھمکی دینا کیا معنی رکھتا تھا۔ کہ اگر اس نے زیر تحقیق معاملات میں اسے بھی رکھا تو ہم اس کا بائیکاٹ کر دینگے۔ پس شروع شروع میں ان کا یہ کہنا قطعاً درست نہ تھا۔ کہ ریاست میں اس قسم کا کوئی قانون نہیں۔ اور مسلمان محض شرارت پھیلانے کے لئے اس قسم کی باتیں ریاست کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

چونکہ ہم اس مطالبہ کی ضرورت اور معقولیت پر اپنے دوسرے رسالہ میں بحث کر چکے ہیں اس لئے یہاں صرف ان کی اس پیش کردہ وجہ پر ہی بحث کریں گے۔ جو مہاسبھائیوں کی طرف سے اس کی منسوخی کی مخالفت میں پیش کی جاتی رہی ہے۔ ان لوگوں کو اس معقول

اور منصفانہ مطالبہ کے خلاف کوئی معقول دلیل تو سوجھی نہیں۔ صرف اسی لولے لنگڑے عذر پر مخالفت شروع کر دی۔ کہ

مہاسبھائیوں کا عذر لنگ

چونکہ ہندو دہرم کا حکم ہے۔ کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے۔ وہ جدی جائداد کا وارث نہیں رہتا۔ اس لئے اس کو منسوخ کرنا ہندو دہرم میں مداخلت کرنا ہے۔ اور ہم اس قسم کی مداخلت قطعاً برداشت نہیں کر سکتے، حالانکہ یہ کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ کیونکہ

ویدمیں ایسا حکم نہیں

اوّل تو یہ بات ویدوں سے ثابت نہیں۔ اور ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ویدوں میں کہیں بھی اس امر کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اسے جدّی جائداد سے محروم کر دیا جائے

منوسمرتی میں بھی اسکی صراحت نہیں

پھر منوسمرتی میں بھی اس کی صراحت نہیں کی گئی، اور صراحت ہوتی بھی کیسے۔ جبکہ اس وقت ہندوستان میں اور کوئی مذہب ہی نہ تھا۔

کیونکہ جس حالت میں ویدک دہرمی خود کہتے ہیں۔ کہ منوسمرتی دنیا کی ابتدا ر میں تصنیف ہوئی۔ (ستیارتھ پرکاش)

عقلی استدلال

جس وقت کے سوائے آریوں کے اور کسی مذہب کا پیرو ہی اس ملک میں نہ تھا۔ تو ایسی حالت میں منوسمرتی یہ ویوستھا یا فتویٰ کس طرح دے سکتی تھی۔ کہ ہندو دہرم کے ترک کرنیوالے کو جدّی جائداد سے محروم کر دیا جائے؟ کیونکہ حکم اسی پر لگایا جاتا ہے۔ جس کا خارج میں وجود بھی ہو لیکن جب اس وقت کسی ایسی چیز کا وجود ہی نہ تھا۔ تو اس کے متعلق کوئی فتویٰ دینا کس طرح ممکن تھا؟ اور اگر ہمارے اس عقلی استدلال کو غلط کہا جائے [1]

[1] یاد رہے۔ کہ یہ استدلال صرف انہی کے مسلمات کی بناء پر ہے۔ احمدی مہاجر

اس عقلی استدلال کی تصدیق ایک براہمن ایڈیٹر کی قلم سے

تو ہم اس کی تائید میں ایک مشہور براہمن ایڈیٹر کی گواہی پیش کئے دیتے ہیں۔ جس نے قدیم شاستروں کے متعلق اس قسم کا استدلال کیا ہے۔

کچھ عرصہ گذرا۔ اخبار "براہمن مہاسمیلن" کے ایڈیٹر نے اعلان کیا تھا۔ کہ جو شخص بدیشی کپڑے کو ناقابل استعمال ثابت کرنے کے لئے پرانے لٹریچر سے ثبوت بہم پہنچائے گا۔ اسکو انعام دیا جائیگا۔ جس پر رسالہ براہمن سروسو (اٹاوہ) کے ایڈیٹر نے لکھا۔ کہ:۔

"ہماری رائے میں (اس قسم کا اعلان) غیر مناسب ہے۔ کیونکہ جب پہلے وقتوں میں غیر ملکی کپڑے یہاں تھے ہی نہیں۔ تو ان کے امتناع کا ثبوت کہاں سے ملیگا۔ ۔ ۔ ۔ جب دیوار کا وجود ہی نہیں تو اس پر نقاشی کیسی؟ اسی طرح جب بدیشی کپڑوں کا یہاں رواج ہی نہ تھا۔ تو ان کے استعمال کی مخالفت کے پرمان (ثبوت) کہاں سے ملینگے" (رسالہ براہمن سروسو اٹاوہ ماہ اپریل ۲۹ء صفحہ ۲۶)

بس جب ایڈیٹر براہمن سروسو کے نزدیک بھی اس قسم کا استدلال درست اور معقول ہے۔ تو ہمارا یہ عقلی استدلال کس طرح غلط کہا جا سکتا ہے؟ لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ منوسمرتی میں یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ جو شخص ہندو مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کر لے۔ اسے جدی جائداد سے محروم کر دیا جائے "غلطی پر ہیں۔ کیونکہ منوسمرتی کا جو زمانہ تصنیف بتایا جاتا ہے۔ اس میں اس قسم کے احکام و فتاویٰ کا امکان ہی نہ تھا۔

منوسمرتی چونکہ محرف مبدل ہے اسلئے کسی قانون کی بنیاد اُسپر رکھنا درست نہیں

اور اگر تھوڑی دیر کیلئے تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ منوسمرتی میں کوئی ایسا حکم موجود ہے۔ تو اس امر کا کیا ثبوت کہ وہ حکم منو مہاراج ہی کا فرمودہ ہے؟ جب سناتنی۔ آریہ سماجی ہندوستانی

محقق اور یورپین فاضل متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ منوسمرتی میں بہت کچھ ردو بدل کیا جاتا رہا ہے۔ اور مختلف زمانوں میں مختلف نامعلوم لوگوں کی طرف سے اس میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ تو ایسی حالت میں کس طرح یقین کر لیا جائے۔ کہ آج جس حکم کو منو مہاراج کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ واقعی وہ انہی کا ہے؟ کیونکہ جب ایک کتاب میں سینکڑوں شلوک ملائے گئے اور سینکڑوں ہی نکالے گئے۔ تو ان حقائق کی موجودگی میں کس طرح یہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ کہ آج منوسمرتی کا جو شلوک نومسلموں کو وراثت سے محروم کرنے کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔ وہ منو مہاراج ہی کا بیان کردہ ہے؟

جس حالت میں کہ ویدک دہرمی خود ہی اقراری ہیں۔ کہ منوسمرتی وہ اصل منوسمرتی نہیں جو منو مہاراج نے تصنیف فرمائی۔ کیونکہ اس میں مختلف وقتوں میں بہت سا ردّو بدل ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے چند نامی گرامی پنڈتوں کی گواہی سے ظاہر ہے۔ تو ایسی حالت میں اس کتاب کی بناء پر کسی خاص حکم پر زور دینا اور ریاست کے نومسلموں کو ان کی جدّی جائداد سے محروم کرنا مناسب ہے؟

منوسمرتی کی بے اعتباری پر پروفیسر رام دیو صاحب کی گواہی

"شنکر دِگو جے متاکھشرا۔ زِنے سِندھو۔ سمرتی رتناکر۔ پراشر مادہو۔ سمرتی چندرکا۔ ووادبھنگ ارنو۔ پرائسچت مَیوکھ۔ وغیرہ کئی کتابوں میں منو کے نام سے پچاسوں اقوال منقول ہیں۔ مگر موجودہ منوسمرتی میں ان کا پتہ نہیں لگتا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ منوسمرتی میں پہلے بہت سے شلوک ایسے بھی تھے جنہیں دجن کے مطالب کو دیگر مصنفوں نے (اپنی کتابوں میں) نقل کیا تھا۔ مگر کسی وجہ سے وہ شلوک (منوسمرتی سے) نکل گئے۔ ممکن ہے۔ کہ ملاوٹ کرنے والوں نے ہی منوسمرتی سے ان شلوکوں کو نکال ڈالا ہو۔ اور انکی

جگہ جعلی شلوک لکھ دئے ہوں جس سے شلوکوں کی اصل تعداد کی گنتی میں فرق نہ آنے پاوے۔ مگر پاپ ایک نہ ایک دن ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ اس لئے ان کی یہ کارروائی دن بدن زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوتی جارہی ہے۔ منو کے اقوال جو دوسری کتابوں میں ملتے ہیں۔ مگر موجودہ منوسمرتی میں نہیں ہیں۔ ان کی تعداد اس وقت تک تین سو معلوم کی گئی ہے۔ اور جو شلوک منوسمرتی میں ازراہِ ملاوٹ وام مارگیوں کے زمانہ سے کچھ عرصہ قبل یا بعد میں ملائے گئے ہیں۔ ان کی تعداد چار سو تک ہے۔"

(بھارت ورش کا اتہاس جلد اول (ہندی) مصنفہ پروفیسر رام دیو صاحب بی اے صفحہ ۲۱۶)

پنڈت راجارام جی کی گواہی

"سب سے پہلا دھرم شاستر بھگوان منو کا بنایا ہوا ہے۔ مگر وہ یہ منوسمرتی نہیں (وہ) مانو دھرم سوتر تھے جواب نہیں ملتے۔ (منو کے بنائے ہوئے) مانو دھرم سوتروں کی بناء پر بہت بعد میں یہ موجودہ منوسمرتی بنی ہے۔"

(بھومکا منوسمرتی صفحہ ۱ مترجمہ پنڈت راجارام صاحب)

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دھرم سنہتا (منوسمرتی) دو بار تیار ہوئی ہے پہلی بار جو سنہتا تیار ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کی پھر درستگی کی گئی۔ (موجودہ منوسمرتی میں) وِردھ (بزرگ) منو کے نام سے جو حوالے ملتے ہیں۔ وہ اس پہلی سنہتا کے ہو سکتے ہیں۔" (ایضاً صفحہ ۷)

"پہلے کہہ چکے ہیں۔ کہ منو کا تصنیف کردہ مانو دھرم سوتر ہے جب ان کو شلوکوں (نظم) کا جامہ پہنایا گیا۔ تو ضرور ہی ضرورت کے ماتحت کئی نئی مریادائیں (احکام) بھی اس میں ملائی گئی ہوں۔ پھر ان شلوکوں والی کتاب میں بعد ازاں اور بھی ضرور ردّ و بدل ہوا ہے۔" (ایضاً صفحہ ۱۱)

پنڈت تلسی رام سوامی کی گواہی

پنڈت تلسی رام سوامی نے بھی منوسمرتی کے ترجمہ کا دیباچہ لکھتے ہوئے اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور جعلی شلوکوں کی تعداد بہت زیادہ بتلائی ہے۔ اور اس کے متعلق بحث کرتے ہوئے وہ آخر میں اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ:۔

"کئی وجوہات کی بنا پر اس (موجودہ) کتاب کو ٹھیک منو کی تصنیف ماننا یقیناً شکی امر ہے۔" (دیباچہ منوسمرتی مترجمہ پنڈت تلسی رام ص ۳۲)

پنڈت آریہ منی کی گواہی

"مغربی اور ہندوستانی فاضل اس بات میں متفق ہیں۔ کہ جو منوسمرتی اسوقت موجود ہے۔ اس میں حالات کے مطابق بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔"[1]

اب ناظرین کرام محولہ بالا گواہیوں کو ملاحظہ فرماتے ہوئے خود ہی فیصلہ کریں۔ کہ جس کتاب میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہیں، جو مختلف زمانوں اور وقتوں میں از سر نو ترتیب اور تالیف کی جاتی رہی جس میں سینکڑوں ہی جعلی شلوک ملائے گئے۔ اور اس میں نامعلوم لوگوں نے بہت سی من مانی باتیں ملا دیں، بلکہ جو بقول پنڈت راجہ رام صاحب منو مہاراج کی تصنیف ہی نہیں۔ بلکہ بعد میں اس کی بنیاد پر بنائی گئی، اور پھر اس میں بھی پیچھے اور بہت سا تغیر و تبدل کیا گیا۔ کیا ایسی کتاب اس قابل ہو سکتی ہے۔ کہ اس میں بیان کئے گئے تمام احکام قابل تسلیم ہوں؟ کیا جس کتاب کو قدم قدم پر حوادثِ زمانہ سے دوچار ہونا پڑا، اور جو خود مطلب ہاتھوں کی تختۂ مشق بنی رہی، جس میں خود غرضوں نے من مانی تبدیلیاں کیں۔ کیا اس کے کسی خاص حکم کے متعلق کوئی یقین اور وثوق کیساتھ کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ منو مہاراج ہی کا فرمودہ ہے؟ جب ایسی بات زبان پر لانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا۔ تو پھر کس طرح ہم مان لیں۔ کہ آج ریاست جموں و کشمیر کے نو مسلموں کو ان کی جدی جائداد سے محروم رکھنے کے لئے جس شلوک کو بطور ہتھیار کے استعمال کیا جا

[1] دیباچہ منوسمرتی ص ۷ مترجمہ پنڈت آریہ منی۔

رہا ہے۔ وہ منو مہاراج ہی کا ارشاد ہے ؟

ہمیں امید ہے بلکہ یقین ہے۔ کہ قارئین کرام موجودہ منوسمرتی کی اصل حقیقت معلوم کر لینے کے بعد یہی فیصلہ فرمائیں گے۔ کہ بے شک ایسی بے اعتبار کتاب کی بنار پر ریاست کے نومسلموں کو ان کی جدّی جائداد سے محروم کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں،

اور اگر ان تمام نامی گرامی ہندو فاضلوں کی شہادتوں کو تھوڑی دیر کے لئے غلط اور بے بنیاد بھی سمجھ لیں (حالانکہ یہ ناممکن ہے) اور تسلیم کرلیں۔ کہ مندرجہ ذیل شلوک

منوسمرتی کا متنازعہ فیہ شلوک

"جو شخص۔ پتت۔ پیدائشی کر اندھا۔ بہرا۔ پاگل۔ جڑھ۔ گونگا۔ اور ناقص الاعضار (لولا۔ لنگڑا وغیرہ) ہے۔ وہ اپنے باپ کی جائداد کا حصہ نہیں پاتا ہے۔" (منوسمرتی ادھیائے ۹ شلوک ۲۰۱)

جس سے ریاست کے نومسلموں کو ان کی جدّی جائداد سے محروم کیا جارہا ہے۔ منوجی مہاراج کا ہے (حالانکہ یہ تسلیم کرنا کسی یقینی اور قطعی دلیل کی بنار پر نہیں ہوسکتا)

شلوک ہذا کے معنی غلط کئے جاتے ہیں،

تو پھر بھی ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ محولہ بالا شلوک کے جو معنی کئے جاتے ہیں۔ وہ قطعاً درست نہیں کیونکہ اس شلوک میں جس شخص کو جدّی جائداد سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ وہ ویدک دہرم کے بعض احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہے نہ کہ ہندو دہرم کو تیاگ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے والا؟

لفظ پتت کے اصل معنی

کیونکہ اصل شلوک میں لفظ پتت ہے جس کے معنی مذہب تبدیل کرنے والا نہیں۔ بلکہ اپنے مذہبی احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کے ہیں جسے بالفاظ دیگر پاپی اور گنہگار کہا جاسکتا ہے۔ نہ کہ ودہرمی اور غیر مذہب کا ماننے والا،

پس جو لوگ اس شلوک میں بیان کردہ لفظ پَتِت سے مراد مرتد لیتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔

پَتِت کے معنی فاسق ہے۔ نہ کہ مُرتدّ کا

بلکہ اس سے مراد پاپی ہے۔ جیسے اسلامی اصطلاح میں فاسق یا فاجر کہا جاتا ہے۔ نہ کہ مُرتدّ ؟ اور اگر کوئی شخص ہمارے اس لغوی استدلال کو غلط سمجھتا ہے۔ تو اس پر لازم ہے۔ کہ خود منوسمرتی سے ہی پَتِت کے معنی مُرتد نکال کر دکھلائے، مگر ہم باآواز بلند للکار کر کہتے ہیں۔ کہ اس مطالبہ کو پورا کرنا قطعی محال اور ناممکن ہے،

مگر اس کے مقابل خدا کے فضل و کرم سے ہم اسی منوسمرتی سے بہت ایسے حوالجات پیش کر سکتے ہیں۔ جو اس امر کا یقینی اور قطعی ثبوت ہیں۔ کہ منو مہاراج کے نزدیک پَتِت سے مراد مرتد نہیں بلکہ فاسق فاجر ہے۔ یعنی ایسا شخص جو اپنے آپ کو ہندو تو کہتا ہے۔ اور ہندو مذہب کو سچا بھی سمجھتا ہے۔ مگر اپنی بے راہ روی کے باعث اس کے بعض احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو جاتا ہے،

منو مہاراج کے نزدیک پَتِت سے مُراد فاسق ہے یا مُرتد

پہلا حوالہ

"(برہمن۔ کشتری۔ ویش میں سے اگر کوئی) گُکرمتّا۔ گاؤں کے رہنے والے سور۔ لہسن۔ گاؤں کے مُرغا۔ پیاز۔ گاجران سب کو جان بوجھ کر کھائے۔ تو وہ کھانے والا پَتِت ہو جاتا ہے"[1]

چونکہ منو مہاراج کے نزدیک مذکورہ بالا چیزوں کا استعمال براہمنوں کشتریوں اور ویشوں کے لیے ممنوع ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ان میں سے اگر کوئی ان چیزوں کا بھوجن

[1] منوسمرتی ادھیائے ۵ شلوک ۱۹۔

کرتا ہے۔ تو پتت یعنی پاپی اور گنہگار ہے، نہ کہ مرتد؟ اور دیکھئے لکھا ہے کہ:-

دوسرا حوالہ

" چانڈال۔ حیض والی عورت۔ پتت عورت جس نے (ناجائز طریق پر) بیٹا یا بیٹی جنی ہو۔ مُردہ کے چھونے والے ان سب کو چھو کر سنان کرنے سے پاک ہو جاتا ہے۔" (منو ۵/۸۵)

یہاں پتت عورت سے مراد مرتدہ نہیں بلکہ زانیہ ہے

تیسرا حوالہ

" وقت مصیبت نہ ہو۔ اور والد وغیرہ کا حکم بھی۔ لیکن بڑے بھائی کی زوجہ سے چھوٹا بھائی۔ اور چھوٹے بھائی کی زوجہ سے بڑا بھائی جماع (زنا) کرے۔ تو دونوں (مرد و عورت) پتت ہوتے ہیں۔" (منو ۹/۵۸)

یہ حوالہ صاف بتلا رہا ہے۔ کہ پتت وہ ہے۔ جو خلاف حکم زنا کا مرتکب ہوتا ہے،

چوتھا حوالہ

" (اونچی ذات والا) گوشت اور نمک اور لاکھ بیچنے سے جلد پتت ہو جاتا ہے۔ اور دودھ بیچنے سے تین دن میں شودر سبھاؤ کو پراپت ہوتا ہے۔" (منو ۱۰/۹۲)

چونکہ منو کے نزدیک ان چیزوں کا فروخت کرنا اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کو جائز نہیں اس لئے فرمایا۔ کہ جو اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ وہ مرتد نہیں بلکہ پاپی یعنی پتت ہے،

پانچواں حوالہ

" براہمن اگیان (ناواقفی) سے چانڈال اور ملیچھ (غلیظ) کی عورت سے دان لے کر پتت ہوتا ہے۔ اور جان بوجھ کرے تو ان کے برابر چنڈال یا ملیچھ ہو جاتا ہے۔" (منو ۱۱/۱۷۵)

چھٹا حوالہ

" جن براہمنوں کو منو جی نے شرادھ میں بھوجن کرانے کے لائق نہیں کہا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ چور۔ مہاپاپی۔ نامرد۔ (ناستک)۔" (منوسمرتی ۳/۱۵۰ مترجمہ سوامی درشنانند)

اس شلوک میں جس لفظ کا ترجمہ سوامی درشنانند نے مہاپاپی کیا ہے وہ پَتِت ہی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس لفظ کے معنی مُرتد نہیں۔ بلکہ فاسق اور پاپی ہیں کیونکہ اگر یہاں پَتِت براہمن سے مراد مرتد ہوتا۔ تو اس کو چور برہمن اور نامرد برہمن کے زمرہ میں شریک کر کے شرادھ سے دُور رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیونکہ جو شخص شرادھ کی تعلیم دینے والے مذہب ہی کو چھوڑ بیٹھا اور شرادھ کو جائز ہی نہیں سمجھتا۔ اسے شرادھ میں شامل ہونے کی ضرورت ہی کیا، اور اس کے متعلق منو مہاراج کا منع کرنا چہ معنی؟ اس شلوک میں تو انہی براہمنوں کو شرادھ سے محروم کیا گیا ہے۔ جو ہیں تو ویدک دھرم کے انویائی (معتقد) مگر اپنی غلط کاریوں کے باعث ویدک دھرم کے نزدیک شرادھ ایسی پوتر تقریب میں شامل نہیں ہو سکتے،

ساتواں حوالہ

"پَتِت لوگوں کے ساتھ جو کوئی ایک سال تک ایک سواری یا ایک آسن پر بیٹھے۔ یا ایک پنگت (صف) میں بھوجن کرے۔ تو اس کے برابر (پَتِت) ہوتا ہے۔ اور (جو) پَتِت لوگوں کو یگیہ کراوے یا جنیو کرائے گایتری سناوے۔ یا وواہ وغیرہ رشتہ داری کرے۔ تو جلد اس کے برابر ہوتا ہے" (منو ۱۱/۱۸۰)

اس حوالہ سے بھی ظاہر ہے۔ کہ منو مہاراج پَتِت اس کو ٹھہرا رہے ہیں۔ جو کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہُوا ہے۔ ورنہ یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کہ جو شخص اس پَتِت کو یگیہ کراوے۔ یا جنیو پہنا کر گایتری سناوے وہ بھی پاپی ہے۔ کیونکہ اگر ایک شخص ہندو دھرم کے دائرہ سے ہی نکل گیا ہے۔ اور وہ یگیہ، جنیو اور گایتری پر اعتقاد ہی نہیں رکھتا۔ تو اسکے متعلق یہ کسطرح خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ ان چیزوں کی خواہش کریگا۔ اس قسم کی خواہش تو وہی شخص کریگا جو ہے تو ہندو۔ مگر کسی بدعملی کیوجہ سے ذات برادری سے بطور سزا اخراج ہو چکا ہے مگر چاہتا ہے۔ کہ ہندوؤں میں شامل رہے۔

آٹھواں حوالہ

"سب بھائی علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے حصہ سے

چوتھا حصہ ہمشیرہ کو دیویں۔ نہ دیں تو وہ پتت ہوتے ہیں۔" (منو ۹/۱۱۸)

اب کیا اس شلوک کی موجودگی میں ہم یہ سمجھ لیں۔ کہ جو بھائی اپنی بہن کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے وہ مرتد ہیں۔ نہیں بلکہ وہ ہندو دھرم کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے صرف پاپی ہیں۔ گنہگار ہیں اور مجرم ہیں،

نواں حوالہ

اب ہم ایک شلوک ایسا پیش کرتے ہیں۔ جو مہا سبھائیوں کے شلوک کے اگلے ہی نمبر پر آتا ہے۔

"شلوک ۹/۲۰۱ (جو پتت کو محروم الارث قرار دیتا ہے) میں بیان کئے ہر ایک (مخنث۔ پتت۔ گونگے۔ بہرے وغیرہ) کو (پدری) حصہ لینے والا کھانا کپڑا زندگی بھر دیوے۔ اگر نہ دیوے تو بالکل پاپی ہوتا ہے۔" (منو ۹/۲۰۲)

اس شلوک میں جس لفظ کا ترجمہ سوامی درشنانند نے پاپی کیا ہے۔ عجیب بات ہے۔ کہ وہاں اصل لفظ پتت ہی ہے۔ اب ناظرین خود ہی غور فرما لیں۔ کہ اگر پتت سے مراد مرتد ہے۔ تو کیا وہ ہندو بھی مرتد ہی سمجھے جائیں گے۔ جو مرتدوں کو کھانا کپڑا نہیں دیتے ؟ مگر جہاں تک ہم سمجھتے ہیں۔ کوئی ہندو انہیں مرتد نہ کہیگا۔ ہاں پاپی کہیگا۔ گنہگار بتلائے گا۔ بس یہ شلوک اس لفظ کے معنوں کو ہر قسم کی الجھنوں سے نکال کر فیصلہ دے رہا ہے۔ کہ منوسمرتی میں پتت سے مراد مرتد نہیں بلکہ پاپی ہیں،

اب منو مہاراج کے علاوہ **اترے۔ اُتتھیہ۔ شونک اور بھرگو رشی** کا فتویٰ بھی سن لیں۔ جو پتت سے مراد مرتد نہیں بلکہ پاپی لیتے ہیں،

دسواں حوالہ

منوسمرتی میں لکھا ہے۔ کہ

" اترے اور اُتتھیہ رشی کا یہ مت ہے۔ کہ شودر کی کنیا (لڑکی) سے وواہ کرنے سے تینوں ورن (برہمن کشتری ویش) **پتت** ہو جاتے ہیں۔ اور شونک رشی کا یہ مت ہے۔ کہ شودر کی

اسی طرح اور بھی جہاں جہاں منوسمرتی میں پتت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ وہاں اس سے مراد ہندو دہرم کے دائرہ سے نکل جانے والا نہیں۔ بلکہ صرف پاپی اور فاسق ہے۔ اور ہم پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ منوسمرتی سے کوئی ایک شخص بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ اس میں کسی ایک جگہ بھی پتت مرتد کے معنوں میں استعمال ہوا ہو۔ کیونکہ اس میں جس جگہ بھی اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں پتت سے وہ شخص مراد لیا گیا ہے۔ جو اعتقاداً تو ہندو ہے۔ مگر اپنے کسی خاص عمل کے باعث مستوجب سزا ٹھہرا ہے،

پس اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ منوسمرتی بوجہ محرف مبدّل ہو جانے کے کسی قانون یا حکم کے لئے کوئی معتبر سند نہیں۔ پھر بھی ہم نے اس کی اندرونی شہادتوں سے ہندو مہا سبھائیوں کی غلطی واضح کر دی ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں۔ تو قطعاً بے جا نہ ہوگا کہ جو لوگ منوسمرتی کی بنا پر تبدیل مذہب کرنے والوں کو اُن کی جدی جائداد سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ راستی پر نہیں ہیں۔ کیونکہ منوسمرتی نے تبدیلیٔ مذہب کے متعلق کسی قسم کا بھی فتوٰی نہیں دیا[1]۔ چہ جائیکہ ایسے لوگوں کیلئے ضبطی جائداد کا حکم دیا ہو۔

کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے۔ مگر ہم کہیں گے۔ کہ جس شلوک کو اس مقصد کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں جس پتت کو جائداد سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ وہ ایسا شخص ہے جس کی پیدائش جائز طریق پر نہیں ہوئی، اور ہمارا یہ خیال اسی کتاب کے اسی باب کے ۱۴۴ شلوک کی بنا پر ہے۔ جس میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ کہ یہاں کون ورثہ کا مستحق نہیں،

[1] اگر کوئی کہے۔ کہ اس قسم کا فتوٰی دوسری سمرتیوں میں بھی ہوگا۔ تو اس کا یہی جواب کافی ہے۔ کہ اگر دوسری سمرتیوں نے بھی اس قسم کا حکم دیا ہے۔ تو ان کی بنیاد منوسمرتی پر ہی ہے۔ اور جب منوسمرتی محرف مبدّل ہونے کے باعث قابل اعتبار نہیں تو وہ کیسے ہونگی جب اُن کا سارا دارومدار ہی منوسمرتی پر ہے اور لطف یہ کہ منوسمرتی کی طرح ان میں بھی تغیر تبدّل ہوتا رہا ہے۔ (احمدی مہاجر)

"نیوگن کے پیٹ سے جو شخص مقررہ طریق کے خلاف پیدا ہوتا ہے۔ وہ جدّی جائداد کا وارث نہیں۔ کیونکہ وہ پتت کے نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے۔" (منو ۹/۱۴۴)

اس شلوک کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس لاولد عورت کو خاندان والوں سے نیوگ کروانے کی اجازت مل گئی اور اس نے کسی دوسرے سے نیوگ کروا کر بیٹا بھی جن لیا مگر چونکہ بیرج داتا نے شاستری طریقﹺ[1] پر اس عورت سے مجامعت نہیں کی۔ اس لئے وہ مولود۔ باپ کے ورثہ کا مستحق نہیں۔ کیونکہ وہ پتت سے پیدا ہوا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جس کا باپ پتت ہے۔ اس کا بیٹا بھی پتت ہوگا۔ کیونکہ اس کی پیدائش بھی ناجائز طریق پر ہوئی۔ جس سے وہ حرامی کہلایا۔

اور اگر دُور از کار تاویلوں سے کام لیتے ہوئے من مانے نتائج نکال کر یہی کہا جائے جیسا کہ زمانہ مابعد کے لوگوں نے خود ہی ایسا نتیجہ نکال لیا۔ کہ پتت سے مراد ہندو مذہب کو چھوڑنے والا بھی ہے۔ (حالانکہ منوسمرتی اس خیال کی قطعاً مؤید نہیں) تو ایسی حالت میں ہندو مہا سبھائی ہمیں بتلائیں تو سہی۔ کہ

منوسمرتی کے باقی پتتوں کو محروم الارث کیوں نہیں قرار دیا جاتا

منوسمرتی کے ادھیائے ۹ کا ۱۰۱ اشلوک صرف تبدیل مذہب کرنے والوں تک ہی کیوں محدود رکھا جاتا؟ جب منو مہاراج گگر متّا کھانے والے کو بھی پتت بتلاتے ہیں۔ جنگلی سور اور دیہاتی مُرغ کھانے والے کو بھی پتت بتاتے ہیں۔ جب لہسن، پیاز اور گاجر کھانے والے کو بھی پتت کہتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ایسے ہندوؤں کو محروم الارث قرار نہیں دیا جاتا؟ جب اونچی ذات والے ہندو گوشت۔ نمک اور لاکھ کا بیوپار کرنے کے باعث پتت ہیں۔ تو انہیں بھی کیوں

[1] شاستری طریق بقول پنڈت راجارام صاحب یہ ہے کہ نیوگ کرنیوالا بدن پر گھی کی مالش کر کے نیوگن کے پاس جائے۔ گرچونکہ یہ شخص گھی مل کر نہیں گیا۔ اس لئے وہ پتت ٹھہرا۔

ورثہ سے محروم نہیں کیا جاتا؟ جو براہمن ناواقفی سے چنڈالنی کو چھو لینے کے باعث پتت ہو جاتا ہے۔ تو اسے بھی محروم الارث کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟ جو ہندو اپنی بہن کو ورثہ نہیں دیتے کیا وہ پتت نہیں، اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو انہیں بھی کیوں وراثت سے محروم نہیں سمجھا جاتا؟ جو شخص اپنی بھاوجہ سے بدفعلی کرنے کے باعث پتت ہے۔ تو کیا اُسے وراثت سے محروم نہیں کرنا چاہیئے؟ جو میت کے وارث اپنے پتت بھائی کی خوراک پوشاک کا بندوبست نہیں کرتے۔ جو ورثاء اپنے پتت بھائی کی اولاد کو اس پتت کا حصہ نہیں دیتے۔ جب وہ بھی اپنے اس فعل کے باعث پتت ہیں۔ تو ریاست جموں وکشمیر ان کو بھی جائداد سے محروم کیوں نہیں کرتی؟ جب منوسمرتی صاف لفظوں میں کہتی ہے۔ کہ جو اونچی ذات والا شودر کی لڑکی سے شادی کرتا ہے۔ وہ پتت ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ایسے پتت کو بھی محروم الارث نہ قرار دیا جائے؟

اگر منوسمرتی ادھیائے ۹ شلوک ۱۰۱ میں جو حکم دیا گیا ہے۔ وہ منو مہاراج ہی کا حکم ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ان تمام پاپیوں، بدکاروں، بدمعاشوں اور پتتوں کو تو ورثہ سے محروم نہ کیا جائے، مگر ان لوگوں کو محروم الارث بنا دیا جائے۔ جو مسلمان بن کر زیادہ مہذب، زیادہ شائستہ زیادہ نیک اور زیادہ پاکیزہ بن جاتے ہیں؟

اگر ریاست ہندو قانون کے خلاف نہیں کر سکتی اور اس نے اپنے اُوپر لازم قرار دے رکھا ہے۔ کہ وہ شاستر کے ہر ایک حکم پر عامل ہوگی۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ وہ ان ہندوؤں کو بھی جائداد سے محروم نہیں کرتی۔ جو اپنی نابالغ لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے

بیاس سمرتی کا حکم کہ جو ہندو نابالغ لڑکی کی شادی نہیں کرتا وہ پتت ہے

جب بیاس سمرتی صاف لفظوں میں حکم دیتی ہے۔ کہ جو ہندو اپنی لڑکی کا نابالغی کی حالت میں بیاہ نہیں کرتا۔ وہ پتت ہے۔ جیسا کہ ذیل کے شلوک سے ظاہر ہے۔ تو ریاست ایسے لوگوں کو بھی

کیوں محروم الارث قرار نہیں دیتی ؟

"یدی سا دارِی وُٹی کلیاد رَجہ پَشییت کُمارِیکا
بھرُون ہتیا پِتُح یاوت یہ یتسہ سیاث تَدَ یَرَ دَوُ (دیاس سمرتی)

ترجمہ :- اگر وہ (لڑکی) باپ کی لاپرواہی کے باعث حائضہ ہو جائے۔ تو جتنی بار اسے حیض آئے گویا اتنی ہی بار اس کا باپ اسقاط حمل کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور ایسی حالت میں اس لڑکی کی شادی بھی نہ کرے۔ کیونکہ وہ ایسی حالت میں اس کی شادی کرنے سے پَتِت ہو جاتا ہے"

پس جب سمرتی کار صاف لفظوں میں کہتے ہیں۔ کہ جو ہندو بالغ اور حائضہ لڑکی کی شادی کر دیتا ہے وہ پَتِت ہے۔ تو ایسی حالت میں ریاست کا فرض نہیں۔ کہ ان تمام ہندوؤں کو بھی پَتِت ہونے کے باعث جائداد سے محروم کرے ؟ اور ہمارے نزدیک اگر ریاست دہرم شاستروں کے اس حکم کو عملی جامہ پہنائے۔ تو ریاست کا ایک ہندو بھی محروم الارث ہوئے بغیر نہ رہیگا۔ کیونکہ چند سال سے ریاست نے یہ قانون پاس کر رکھا ہے۔ کہ کوئی ہندو یا مسلمان اپنی لڑکی کی بالغ ہونے سے پہلے شادی نہ کرے۔ اور چونکہ ریاست کا ہر ایک ہندو اس ریاستی حکم کے ماتحت بالغ لڑکی ہی کی شادی کرنے پر مجبور ہے۔ اس لئے وہ پَتِت ہے۔ اور پَتِت ہونے کی وجہ سے جائداد سے محروم۔ پس اگر ریاست ہندو قانون کو منسوخ کرنے کی خواہاں نہیں۔ تو سب سے پہلے وہ ان تمام ہندوؤں کو جائداد سے محروم کرے۔ جو اپنی لڑکیوں کو نابالغی کی حالت میں نہیں بیاہتے۔ اس کے بعد دوسرے پَتِتوں کو بھی محروم الارث قرار دے۔ اور اس کے بعد وہ نومسلموں کی طرف متوجہ ہو۔

لیکن جب تک وہ ایسے ہندو والدین کو جائداد سے محروم نہیں کرتی۔ جو لڑکیوں کی شادی بالغ ہونے کے بعد کرتے ہیں اور دوسرے پَتِتوں کو بھی محروم الارث قرار نہیں دیتی اس وقت تک اس کا صرف نومسلموں ہی کو جائداد سے محروم کرنا قطعاً مبنی بر انصاف نہیں،

پس اگر ریاست جموں وکشمیر میں متذکرہ بالا ہر قسم کے پتیتوں کو محروم الارث قرار دیا جاتا ہے۔ اگر ان تمام گنہگاروں اور پاپیوں کو بیاس اور منو جہاراج کی فرمودہ سزا دی جاتی ہے۔ اگر ان تمام دشٹوں سے ریاست یکساں سلوک کرتی ہے۔ تب تو خیر لیکن اگر تبدیل مذہب کرنے والوں کے سوا اور کسی پر یہ حد جاری نہیں کی جاتی۔ اور یقیناً جاری نہیں کی جاتی۔ تو کیا اس کا یہی مطلب نہیں۔ کہ ریاست ہندوؤں اور مسلمانوں سے مساوی سلوک کرنا نہیں چاہتی۔ اور نو مسلموں کو جدی جائداد سے محروم کر کے اشاعت اسلام کو بالواسطہ روکنا چاہتی ہے؟

ریاست کی وکالت کرنیوالوں کی حیلہ جوئی کا جواب

اور اگر اسکی یہ نیت نہیں تو پھر کیوں نہیں وہ بھی برطانوی ہند کے اس قانون کو ریاست میں جاری کرتی جو "کاسٹ ڈس ایبلیٹیز ریموول ایکٹ" کے نام سے مشہور ہے،

مگر ہم جانتے ہیں۔ کہ اس موقعہ پر ریاست کی وکالت کرتے ہوئے کہا جائے گا۔ کہ جب ہندو دہرم کی طرح اسلام بھی تبدیل مذہب کرنے والے کو محروم الارث قرار دیتا ہے۔ تو ایسی حالت میں اگر ریاست اس قانون کو منسوخ کر دے۔ تو کیا وہ دہرم شاستر اور اسلامی شرع کی خلاف ورزی کرنے کی مرتکب نہ ہوگی؟ حالانکہ اس کا ضابطہ قانون دہرم شاستر اور اسلامی شرع پر مبنی ہے۔ جیسا کہ مسٹر گلینسی نے بھی اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:-

"اگر ریاست جموں وکشمیر میں کاسٹ ڈس ایبلیٹیز ریموول ایکٹ کی طرح کا کوئی قانون جاری کیا جائے۔ تو ہز ہائینس گورنمنٹ تبدیل مذہب کے نتائج کے متعلق نہ صرف ہندو قانون بلکہ اسلامی شرع کی خلاف ورزی کریگی۔ حالانکہ اس وقت اس کا ضابطہ قانون انہی دو قوانین دہرم شاستر اور اسلامی شرع پر مبنی ہے۔"

مگر یہ جو کچھ کہا جاتا ہے۔ محض حیلہ جوئی ہے۔ نہ کہ کسی حقیقت پر مبنی ،
کیونکہ ریاست جموں و کشمیر کا مروجہ قانون نہ تو خالصۃً دہرم شاستر پر مبنی ہے۔
اور نہ ہی اسلامی شرع پر۔ اور ایسی حالت میں اس کی وکالت کرتے ہوئے خلاف ورزی
کا اندیشہ ظاہر کرنا کسی معقولیت پر مبنی نہیں، کیونکہ اس کے موجودہ قوانین میں سے اکثر
ایسے قانون نظر آتے ہیں۔ جو دہرم شاستر اور اسلامی شرع کے صریح خلاف ہیں، اور اس
نے مروجہ قوانین کو وضع کرتے وقت قدم قدم پہ دہرم شاستر اور اسلامی شرع کی خلاف
ورزی کی ہے،

ہاں اگر "اس کا ضابطہ قانون انہی دو قوانین دہرم شاستر اور اسلامی شرع پر مبنی"
ہوتا۔ تو پھر کوئی ایک مسلمان بھی اس قسم کا مطالبہ کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ ان کی طرف سے
اگر یہ مطالبہ ہو رہا ہے۔ تو اسی حالت میں جبکہ ریاست کا "ضابطہ قانون انہی دو قوانین
دہرم شاستر اور اسلامی شرع پر مبنی" نہیں ہے،

اور ہمارے نزدیک مسلمانان کشمیر کے نمائندوں کا مسٹر گلینسی کے جواب میں
یہ لکھنا نہایت معقول ہے۔ کہ :۔

مسٹر گلینسی کی توجیہہ کا جواب مسلم نمائندوں کی طرف سے

" اگر مسلمان سے اس کے اپنے مذہب کے مطابق سلوک کیا جائے تو اسے ذرا بھی گلہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن
ہمارا خیال ہے۔ کہ معاملہ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ فی الحقیقت
امر متنازعہ تو یہ ہے۔ کہ کیا کوئی حکومت مسلمانوں کو ان کی مرضی کے خلاف
مجبور کر سکتی ہے۔ کہ وہ اپنے مذہب کے دیگر احکام کو پس پشت ڈال کر اپنے
کسی خاص مذہبی قانون پر عمل پیرا ہوں "

اگر ریاست کے قوانین کا انحصار اسلامی اصول پر ہوتا۔ تو یہ ممکن ہی نہ تھا

کہ کوئی مسلمان بحیثیت مسلمان ان کے خلاف اعتراض کرتا۔ اگر چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔ اگر زانی کو زنا کی پاداش میں سنگسار کر دیا جاتا۔ اگر زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا جاتا۔ اگر کسی کے خلاف غلط الزام اور اتہام لگانے والے کو ۸۰ کوڑے لگائے جاتے۔ خلع کے قانون پر عمل ہوتا۔ گئوکشی کی اجازت ہوتی۔ اکادشی وغیرہ دِنوں میں حلال گوشت کو بھی حرام نہ قرار دیا جاتا۔ لڑکیوں کے شادی بیاہ پر خاص عمر کی قید نہ لگائی جاتی۔ قرضہ سود پر نہ دیا جاتا۔ ذخیرہ وغیرہ (غیر ناقل) وراثت کے متعلق قوانین اسلامی کی کماحقہ تعمیل کی جاتی۔ تو کم از کم ایک راسخ العقیدہ مسلمان کو تبدیل مذہب پر آبائی جائداد کی ضبطی کے خلاف کبھی کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن ایک مسلمان کو کسی خاص معاملہ میں اسلام کی پیروی کرنے اور دوسرے معاملات میں اسلام کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کرنا یقیناً خلاف انصاف ہے"!

ریاست دہرم شاستر پر بھی پوری طرح عامل نہیں

یہی نہیں کہ بہت سے امور میں ریاست اسلامی شرع کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ بلکہ وہ دہرم شاستر کے احکام پر بھی پوری پوری عامل نہیں۔ اور اس کے اکثر اور بیشتر قوانین دہرم شاستر کے خلاف ہیں۔ اور تو اور آج جس قانون کو منو جی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ خود اس قانون کو بھی مع اس کی ضروری شرائط کے قبول نہیں کیا گیا۔

پتت کو نان و نفقہ نہیں دلاتی

کیونکہ اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ منو مہاراج نے دہرم تیاگ دینے والوں کو بھی پتت نام دیتے ہوئے محروم الارث قرار دیا ہے۔ تو ساتھ ہی اس کے انہوں نے یہ بھی تو تاکید فرما

دی ہے۔ کہ پدری جائیداد سے حصہ پانے والے اس پتت کو زندگی بھر خوراک پوشاک دینے کے ذمہ دار ہیں۔ اور اگر نہ دیں گے تو وہ بھی پتت ٹھہریں گے۔ مگر کیا ریاست جموں و کشمیر میں جن نومسلموں کو منو کے اس شلوک کے ماتحت محروم الارث قرار دیا گیا، کیا ان کی خوراک پوشاک کا ذمہ دار باقی وارثوں کو ٹھہرایا ہے؟ اگر کہئے۔ ہاں! تو اس کا ثبوت چاہیئے۔ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا ریاست کی یہ روش قابل اعتراض نہیں؟

پتت کی اولاد کو ورثہ نہیں دلاتی

پھر یہی نہیں۔ بلکہ متنازعہ فیہ شلوک سے اگلا شلوک یہ بھی بتلاتا ہے۔ کہ اگر وہ محروم الارث شخص شادی کرے۔ اور شادی کے بعد اس کے اولاد ہو۔ تو جس پدری ترکہ سے اس "پتت" کو محروم رکھا گیا تھا۔ وہ اس کی اولاد کو ملنا چاہیئے۔ جیسا کہ ذیل کے الفاظ سے ظاہر ہے:۔

"مخنث کو چھوڑ کر اگر دوسرے پتت وغیرہ کو شادی کی خواہش ہو اور وہ شادی کر لیں۔ اور ان سے جو اولاد پیدا ہو۔ وہ اس ترکہ کی مستحق ہے" (منو ۹/...)

مگر کیا ریاست کا قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ جن نومسلمو کو محروم الارث قرار دیا گیا ہے۔ ان کی اولاد اس ورثہ کو حاصل کر سکتی ہے؟ اگر کہئے نہیں۔ تو کیا یہ دہرم شاستر کے احکام سے تجاوز نہیں؟ اور اگر ریاست کا منوسمرتی کے مذکورہ بالا قانون پر ہی عملدرآمد ہے۔ تو ہمیں اس کا ثبوت دیا جائے۔ کہ آج تک ریاست نے کتنے ایسے محروم الارث نومسلموں کو ان کے رشتہ داروں سے خوراک پوشاک دلائی۔ اور وہ کتنے اور کون کون سے نومسلم ہیں۔ جن کی اولاد کو وہ ورثہ دلا دیا۔ جس سے وہ "پتت" ہونے کے باعث محروم قرار دئے گئے تھے؟

پھر یہی نہیں۔ کہ ریاست کا موجودہ طرز عمل تبدیل مذہب کرنے والوں کو مذکورہ بالا ہر دو رعائتوں سے مستفید ہونے نہیں دیتا۔ بلکہ انہیں ایک اور بہت بڑی رعائت

سے بھی محروم رکھتا ہے،

ازروئے دھرم شاستر تبدیل مذہب سے قبل جو جائداد نومسلم کے قبضہ میں ہے وہ ضبط نہیں ہوسکتی

ہندوؤں میں متاکھشرا بھی ایک مشہور قانون دان گذرا ہے۔ وہ منو ۹ / ۲۰۱ میں بیان کردہ قانون کی شرح کرتا ہوا لکھتا ہے۔

کہ اس قانون میں جن اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اسی حالت میں محروم الارث قرار دئے جائیں گے۔ جبکہ ابھی جائداد تقسیم نہ ہوئی ہو اور اگر جائداد تقسیم ہونے کے بعد کسی وارث میں لولا لنگڑا پن۔ مخنث یا پتت پن ظاہر ہو۔ تو اس وقت انہیں تقسیم شدہ جائداد سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ (متاکھشرا ب۲)

اسی طرح زمانہ حال کا بھی ایک مشہور ہندو قانوندان سرہری سنگھ گوڑ لکھتا ہے کہ:۔

"ہندو قانون کا اصول یہ ہے۔ کہ جب ایک دفعہ کسی کو جائداد دیدی جائے تو مابعد کے کسی واقعہ کی بنا پر وہ واپس نہیں لی جاسکتی۔ اس لئے اگرچہ بیوی اپنی بے وفائی (یا بے عفتی) کی وجہ سے ترکہ کی نااہل قرار دی جاسکتی ہے۔ لیکن بیوہ عورت کو اپنے خاوند کی وفات پر جائداد ملی ہو۔ اس سے وہ جائداد مابعد کی بے وفائی (بے عفتی) کی بنا پر نہیں واپس لی جاسکتی۔ اسی وجہ کی بنا پر تبدیل مذہب کرنے والے جانشین سے اس کی جائداد نہیں چھینی جاسکتی۔ البتہ تبدیل مذہب جائداد کے حصول کی راہ میں روڑا اٹکا سکتا ہے۔" (ہندو کوڈ مصنفہ سرہری سنگھ گوڑ مطبوعہ ۱۹۲۹ء پیرا گراف ۲۵۹۶ صفحہ ۲۷۲)

ریاست نومسلموں کو یہ رعایت بھی نہیں دیتی

مگر ریاست کا قانون اپنے ہاں کے نومسلموں کو اس ضروری رعایت سے بھی فائدہ اٹھانے سے محروم رکھتا ہے۔

حالانکہ یہ بھی ہندو لاء کی ایک ضروری شرط ہے، اور ہر ایک وہ شخص جو ورثہ میں کسی جائداد کو حاصل کر لینے کے بعد اس پر قابض ہے۔ وہ اگر بعد ازاں دھرم تبدیل کرلے۔ تو اُسے اس مقبوضہ جائداد سے محروم کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں، اگرچہ سخت تعجب ناک بات ہے۔ کہ جو رعایت ہندو لاء دیتا ہے۔ ریاست اس سے بھی مستفید ہونے کی روادار نہیں، حالانکہ اگر فرض کر لیا جائے۔ کہ منوسمرتی قابل اعتبار ہے۔ اور اس میں پتت سے مراد مذہب تبدیل کرنے والا بھی ہیں، تو ایسی حالت میں بھی نومسلم کو یہ تین رعائتیں تو حاصل ہونی چاہئیں،

(۱) اس کے بھائی بند جو ورثہ کے حقدار ٹھہریں اسے تاحیات نان و نفقہ دیں۔

(۲) اگر وہ صاحب اولاد ہو جائے۔ تو اس کا حصہ اس کی اولاد کو دیا جائے۔

(۳) اگر تبدیل مذہب سے پہلے وہ ورثہ پا چکا ہے۔ تو وہ اس پر قابض رہے۔

مگر ریاست جموں و کشمیر کا نو مسلموں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں اس کے نزدیک کسی کا تبدیل مذہب کر لینا ہی اُسے ہر قسم کے ورثہ سے محروم کر دینے کے لئے کافی ہے۔ خواہ منوسمرتی یا گیہ ولکیہ اور متاکھشرا اس کے لئے کتنی بھی رعائتوں کا اعلان کریں،

اب ہندو دوست خود ہی غور فرمائیں جب ریاست جموں و کشمیر خود بھی دھرم شاستر کے ہر ایک حکم پر عامل ہونا ضروری نہیں سمجھتی۔ تو کیا ان حالات میں مسلمانان کشمیر کا اس قانون ہی کو منسوخ کروانے کے لئے آواز اٹھانا بے جا ہے؟

ہم نہیں سمجھتے۔ کہ جب منوسمرتی قابل سند ہی نہیں۔ پھر اس کے لفظ پتت کے وہ معنی ہی نہیں۔ اور پھر اس کے بیان کردہ دوسرے پتتوں کو محروم الارث قرار ہی نہیں دیا جاتا۔ تو ایسی حالت میں ریاست کے نومسلموں ہی کو آلام و مصائب کا نشانہ بنانا کہاں تک مناسب ہے؟

متحدہ خاندان اور مشترکہ جائداد کا عذر اور اس کا جواب

بعض بھائی یہ بھی کہیں گے۔ کہ چونکہ ہندوؤں میں مشترکہ جائداد اور متحدہ خاندانی نظام کا دستور ہے۔ اس لئے جو شخص مذہب تبدیل کرے۔ وہ چونکہ عملاً اس خاندان سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس مشترکہ جائداد میں سے اُسے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ مگر جو لوگ اس قسم کی توجیہوں سے کام لیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مشترکہ جائداد اور متحدہ خاندان کا دستور تمام ہندوؤں میں نہیں۔ اور جن میں ہے وہ بھی تقسیم جائداد کے مجاز ہیں۔ اور ان میں سے جو ممبر چاہے جائداد کے وارث اور قابض کے مرنے پر اپنا حصہ الگ کروا سکتا ہے۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے۔ کہ مشترکہ جائداد کے سسٹم پر ہندوؤں کا ہر ایک خاندان عامل ہے۔ (حالانکہ یہ قطعی طور پر غلط ہے) تو پھر بھی یہ دستور کوئی ایسا نہیں۔ جسے بدلا نہ جا سکے۔ کیونکہ نہ تو وید اس کا حکم دیتے ہیں۔ اور نہ ہی شاستروں نے اس کو قطعی ٹھہرایا ہے۔

اس دستور کو زمانہ حال کے ہندو بھی مٹانا چاہتے ہیں

بلکہ اگر ہم یہ کہیں تو قطعاً بے جا نہ ہوگا۔ کہ خود زمانہ حال کے سمجھدار ہندو بھی اس دستور کی تباہ کاریوں سے نالاں ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ اس دستور نے ہندوؤں کو شدید ترین نقصان پہنچایا ہے۔ اس لئے جتنی بھی جلدی ممکن ہو اس سے گلو خلاصی کروانی چاہیئے۔

جیسا کہ ڈاکٹر دھنی رام ایڈیٹر رسالہ چاند (ہندی) الہ آباد نے اپنے ایک مضمون میں اس کے نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔ کہ:

"حالات اور زمانہ کے خلاف ہونے پر بھی یہ تباہ کُن رسم ہندوؤں میں پائی جاتی ہے۔ اور وہ پرانے رواج سے لگاؤ رکھنے کے باعث اس سے اپنا

پنڈ نہیں چھڑا سکتے۔ مگر اب وقت آگیا ہے۔ کہ لوگ آنکھیں کھول کر اس کے متعلق غور کریں۔ اور ایسی تجویزیں سوچیں۔ جن سے اس میں اصلاح ہو۔ اور لوگوں کی مصائب دُور ہوں اور سماج کا بھی کلیان ہو"

پھر ہندو لیڈروں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ

"ان سب باتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہندو سماج کے لیڈروں کا فرض ہے۔ کہ وہ اس رواج کو مٹانے کی کوشش کریں" (رسالہ چاند الہ آباد جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۱۸)

پس جو لوگ اس رواج کو آڑ بنا کر تبدیل مذہب کرنیوالوں کو محروم الارث کرنا چاہتے وہ حق بجانب نہیں۔ کیونکہ یہ دستور نہ صرف نومسلموں سے بے انصافی کرنے والا ہے۔ بلکہ ہندو جاتی کو بھی تباہی کی طرف لے جانے والا ہے۔ اس لئے اگر ریاست کے ہندوؤں میں ایسا کوئی نظام موجود ہو۔ تو اُسے بھی توڑ دینا چاہیئے جیسا کہ قبل ازیں ریاست نے شاستروں کے کئی ایک مضر قانون منسوخ کر چھوڑے ہیں۔

قانون ہذا بدلا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کوئی ایشوری گیان نہیں

اور اگر مذکورہ بالا ہر قسم کے معقولی و منقولی دلائل کو یکسر نظر انداز بھی کر دیا جائے (حالانکہ یہ کسی صورت میں ممکن نہیں) اور تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیا جائے۔ کہ منوسمرتی محرف مبدل نہیں، اس کے لفظ پتت کے وہی معنی ہیں۔ جو بعد کے ہندوؤں نے (غلطی کے باعث) کئے۔ اور ہندو لا، نومسلموں کو مذکورہ بالا ہر سہ رعائتیں بھی نہیں دیتا۔ تو کیا ان حالات کے ہوتے ہوئے بھی اس قانون کو (جس پر خود ریاست بھی صحیح طریق پر عامل نہیں) منسوخ نہیں کیا جا سکتا؟ کیونکہ جب ریاست بہت سے اسلامی قوانین کو منسوخ کر کے ان کی جگہ من مانے قانون رائج کر سکتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ وہ دہرم شاستر کے اس قانون کو منسوخ نہ

کر سکے۔ اگر کہا جائے۔ کہ یہ ناممکن ہے، تو ہم پوچھیں گے کہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ سمرتیوں کے احکام پتھر کی لکیر، اٹل اور ایشوری آگیا ہیں؟ اگر یہ بات نہیں پھر ان میں تغیر و تبدل کیوں ممکن نہیں؟ جب آریہ سماجی، ہندو مہا سبھائی اور کانگریسی خود کہا کرتے ہیں۔ کہ ان کتابوں کی تصنیف وقتی ضروریات کے ماتحت ہوئی اور اب بھی حالات کی تبدیلی پر ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ تو ایسی حالت میں کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ چونکہ فلاں حکم کسی سمرتی میں موجود ہے۔ اس لئے اس کا منسوخ کرنا گویا ہندو دھرم میں مداخلت کرنا ہے

ہندو پنڈتوں اور لیڈروں کی رائے ہے کہ سمرتیوں کے قانون وقتی ہیں اور ان میں تبدیلی کی جا سکتی ہے

پنڈت مدن گوپال کا اقرار دیکھئے پنڈت مدن گوپال صغر سنی کے بیاہ کی مخالفت کرتے ہوئے صاف لفظوں میں لکھتے ہیں کہ:-

"بہت سے لوگ سمرتیوں کا بھی سہارا لیتے ہیں۔ انہیں بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ سمرتیاں صرف ملک اور سماج کا اس زمانہ کا وقتی قانون سمجھی جاتی ہیں وقت اور موقع دیکھ کر ہی رشیوں نے کئی ایک سمرتیاں تصنیف کی تھیں۔ جس سے ثابت ہے۔ کہ جیسا وقت اور موقعہ ہو۔ اس کے مطابق ہی سمرتی بنانے کی ضرورت ہے۔ . . . پس (ہر موقعہ پر) سمرتیوں کا سہارا لینا غیر ضروری ہے" (رسالہ تیاگ بھومی اجمیر کھنڈ ۲ ۱۰ صفحہ ۶۹)

اخبار "تیج" کی رائے اسی طرح اخبار تیج میں بھی ہندوؤں کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا گیا تھا۔ کہ:-

"اب وقت آگیا ہے۔ کہ دہرم شاستر اور شریعت کے ان قوانین کو بالائے طاق رکھ دیا جائے جو ممکن ہے۔ کہ کسی زمانہ میں مفید اور سُودمند ثابت ہوں۔ مگر تبدیل شدہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے قطعی ناکارہ اور مجلسی و قومی ترقی کے راستے میں روکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں۔"

(تیج دہلی ۱۴ ستمبر ۲۹ء)

بھائی پرمانند کا خیال

ہندو مہا سبھائیوں کے مشہور لیڈر بھائی پرمانند کو بھی کہنا پڑا ہے۔ کہ:-

"شاستروں کی میرے دل میں کسی سے کم عزت نہیں لیکن ان کے کرتاؤں (مصنفوں) نے جو نیم (قانون) بنائے۔ انہیں آج حسب ضرورت بدل سکتے ہیں۔ اگر ہم ان نیموں (قوانین) میں پریورتن (تبدیلی) نہیں کر سکے۔ تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ حالات کے مطابق انہیں بدلنا ہمارا حق ہے۔"

(پرکاش لاہور ۸ دسمبر ۲۹ء)

اور تو اور کانگرسیوں اور مہا سبھائیوں کے مسلمہ لیڈر گاندھی جی بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے۔ کہ:-

گاندھی جی کا فیصلہ

"اگر ہم شاستروں کی ہر ایک تفصیل کے مطابق یا ان میں جو کیریکٹر بیان کئے گئے ہیں ان کے مطابق اپنے چلن کو ڈھالیں۔ تو پھر شاستر ہمارے لئے موت کا جال ہو جائیں گے۔"

(تیج دہلی ۷ اگست ۲۶ء)

آریہ گزٹ کی طرف سے حالات کے مطابق نئی سمرتی بنانے کی تحریک

اور یہی وجہ ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً ہندو دنیا میں یہ صدا بلند ہوتی رہتی ہے۔ کہ

زمانہ حال کے مطابق نئی سمرتی بنائی چاہیئے جیسا کہ آریہ گزٹ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے ؛۔

"واقعی آج کل اس امر کی اشد ضرورت ہے۔ کہ ایک ایسی سمرتی بنائی جائے جس میں شدھ شدہ لوگوں کے ویوہار (تعلقات) کا ورنن (ذکر) ہو۔ بدھوادواہ اور دوسرے ایسے کاموں کا جن سے جاتی کا اُتھان (ترقی) ہو سکتا ہے۔ ودھان (بیان) ہو۔ مدت سے ایسی سمرتی کی ضرورت محسوس کیجارہی ہے۔ اور اگر سناتن دھرمی ہی اس ضرورت کو پورا کر دیں تو بہت اچھا ہے" (آریہ گزٹ لاہور ۲۰ جیٹھ سمت ۱۹۸۴)

چنانچہ پونا میں بعض ذمہ دار اور مقتدر ہندوں نے اس کا آغاز بھی کر دیا جیسا کہ ذیل کی خبر سے ظاہر ہے ؛

شنکر آچاریہ اور دوسرے معزز ہندو نئی سمرتی بنانے لگ پڑے

"پونا ۱۱ مئی۔ شنکر اچاریہ ڈاکٹر کورٹ کوٹی نے کمیٹیاں مقرر کی ہیں جو ہندو دھرم کے لئے جدید آئین اور ایک نئی سمرتی کا مسودہ مرتب کرینگی" (ریچ دہلی ۱۷ مئی ۲۷ء)

ان تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ کہ ہندوں کے نزدیک سمرتیاں ایسی چیز نہیں کہ ان کے احکام میں رد و بدل نہ ہو سکے۔ یا ان کو منسوخ اور معطل کرنیکا کسی کو یارا نہ ہو، کیونکہ اگر ان کے احکام لاتغیر اور لاتبدل ہوتے۔ تو نامی گرامی پنڈت، اڈیٹر اور لیڈر اس قسم کی رائے نہ دیتے۔ کہ ان میں دقتی قانون درج ہیں۔ اور یہ کہ اب بھی حالات کی تبدیلی سے ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

چونکہ ان کے نزدیک ان کتابوں میں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے وہ نئی سمرتی بنانے کے بھی ارادے کر رہے ہیں جو اس امر کی روشن دلیل ہے۔ کہ ان کتابوں

کے احکام ایسے نہیں۔ کہ ان کی منسوخی ہندو مذہب میں مداخلت کی مترادف ہو۔ یا اس سے ہندو دہرم پر کسی قسم کی زد پڑتی ہو۔

پس اگر مان بھی لیا جائے۔ کہ کسی سمرتی میں ایسا قانون موجود ہے۔ کہ جو تبدیل مذہب پر ضبطی جائداد کا حکم دیتا ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ اٹل اور لاتبدیل بھی ہے کیونکہ یہ حکم وید کا نہیں۔ بلکہ سمرتیوں کا ہے۔ اور جب سمرتیوں میں حالات اور واقعات کے مطابق تبدیلی جائز ہے۔ تو ایسی حالت میں کس طرح یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ سمرتی کا یہ قانون قابل تنسیخ نہیں ہے؟

خود ہندوؤں نے بھی سمرتیوں کے بہت سے قانون منسوخ کر دئیے ہیں

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے۔ کہ سمرتیوں کا قانون بھی وید کے قانون کی طرح لاتغیر اور لاتبدیل ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ خود ہندوؤں نے ہی کئی قانون اپنے ہاتھوں منسوخ کئے۔ اور کئی اور قوانین کو بھی منسوخ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ کیا ودواہ وواہ (بیوگان) کا قانون انہوں نے اپنے ہی طرز عمل سے منسوخ نہیں کر دیا؟ کیا صغر سنی کی شادی کا قانون انہوں نے اپنے طرز عمل سے منسوخ نہیں کر دیا؟ کیا سمندر یاترا کا قانون انہوں نے اپنے طرز عمل سے منسوخ نہیں کر دیا؟ کیا انہوں نے ستی کا قانون منسوخ نہیں کر دیا۔ کیا شودروں کو وید پڑھنے کا مستحق قرار دیکر سمرتیوں کے یقینی اور واضح قانون کو پامال نہیں کیا؟ غیر مذہب والوں کو شدھ کر لینے کی تحریک چلا کر اپنے مذہب میں مداخلت نہیں کی؟ ذات پات کی قیود کو توڑ کر بیاہ شادی کے نئے نئے ایکٹ نہیں بنوائے؟ کیا اب طلاق کا دستور رائج کرنے کے ارادے نہیں ہو رہے؟ کیا لڑکیوں کو حق وراثت دلانے کے لئے سمرتیوں کے قانون کو نظر انداز کرنے کی مہم نہیں اٹھائی گئی؟ کیا ہندوؤں کے متحدہ خاندانی نظام کو توڑنے کی کوششیں نہیں ہو رہیں؟

جب خود ہندو ہی سمرتیوں کے اہم اور ضروری قوانین کو معطل اور بیکار بنا رہے ہیں۔ ان کو منسوخ اور ناقابل عمل قرار دے رہے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ اس قانون کو ناقابل تنسیخ سمجھیں؟ ہم حیران ہیں۔ کہ خود تو یہ لوگ قدم قدم پر اپنی سمرتیوں کے مختلف قوانین اور احکام کو ٹھکراتے، پامال کرتے اور منسوخ کرتے ہیں۔ مگر جب مسلمانوں کی طرف سے ایک واجبی اور منصفانہ مطالبہ کیا جاتا ہے۔

کیا ہندو اس قانون کی منسوخی برداشت نہیں کر سکتے؟

تو اس وقت گلا پھاڑ پھاڑ کر یہ چلانے لگ جاتے ہیں۔ کہ ہندو ہرگز ہرگز شاستر کی مریادا کا اولنگھن (شرعی حدود کو توڑنا) برداشت نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ اخبار عام کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:۔

"قانون وراثت کو اسلامی مطالبات میں محض اس لئے شامل کیا گیا ہے تاکہ قادیانی لوگ آسانی سے مشن میں کامیاب ہو سکیں۔ گویا اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ جو ہندو ایسے قانون کی حمایت کرتا ہے وہ ہندو کا بہی خواہ نہیں ہو سکتا۔ ہندو قوم کے افراد شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہو۔ اگر حکومت اس قانون وراثت کے مطالبہ کو قطعاً رد کر دے۔" (اخبار عام لاہور ۹ دسمبر ۱۹۳۱ء)

اگر اس قانون کی منسوخی برداشت نہیں تو خود کیوں بہت سے قانون منسوخ کر دئے؟

اگر "ہندو قوم کے افراد شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے"۔ تو پھر کیوں انہوں نے ودھوا وواہ، بال وواہ کا قانون منسوخ کر دیا، رسم ستی اور سمندر یاترا کو منسوخ کر دیا؟ کیا یہ "شاستر کی مریادا کا اولنگھن" نہیں؟ کیا اس کی منسوخی کو انہوں نے "برداشت نہیں" کیا؟ جب خود سمرتیوں اور شاستروں کی کئی مریاداؤں اور حکموں کی منسوخی برداشت

کی۔ تو اس ضروری اور مفید تبدیلی کو برداشت کیوں نہیں کیا جا سکتا؟
اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ جن لوگوں کی طرف سے بار بار یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ "شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے"۔

اس قانون کی منسوخی برداشت نہ کرنیوالوں نے برطانوی ہند میں اسکی منسوخی کیوں برداشت کی؟

خود وہی لوگ برطانوی ہند میں قریباً ۸۰ سال سے شاستر کی (اس) مریادا کا اولنگھن برداشت کر رہے ہیں، اور اس طول طویل زمانہ میں ان کی طرف سے کبھی ایک دفعہ بھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا۔ کہ برٹش گورنمنٹ نے ہمارے مذہب میں مداخلت کی یا ہمارے شاستر مریادا کا اولنگھن کیا؟ اگر تبدیل مذہب پر ضبطی جائداد کے حکم کی تنسیخ ریاست کشمیر میں شاستر مریادا کے اولنگھن کی مترادف ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ برطانوی ہند میں بھی اسے شاستر مریادا کا اولنگھن نہ سمجھا جائے؟ کیا برطانوی ہند میں ۸۰ سال سے ان کی یہ شاستر مریادا اولنگھت نہیں ہو رہی؟ کیا ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء کے ان لفظوں نے منو ۹/۲۰۱ کو منسوخ نہیں کر دیا کہ:

برطانوی ہند کا قانون آزادی مذہب

"ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے ماتحت علاقوں میں اگر نافذ العمل قانون یا ضابطہ کے کسی جزو کی وجہ سے کسی مرد یا عورت کے اپنا دھرم ترک کرنے یا مذہب کے دائرہ سے خارج کئے جانے یا برادری سے نکالے جانے پر حقوق یا جائداد ضبط ہوتی ہو۔ یا کسی طرح سے اس کے حق وراثت پر ضرب لگتی ہو۔ تو آئندہ ان علاقوں میں اس قانون کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی عدالتوں اور رائل چارٹر کی رو سے قائم کردہ عدالتوں میں تسلیم نہیں کیا جائیگا۔ اور نہ اس پر عملدرآمد کیا جائیگا"۔

کیا اس لمبے عرصہ میں سینکڑوں نہیں ہزاروں بار شاستر کی اس مریادا کا اولنگھن

کرتے ہوئے تبدیل مذہب کرنیوالوں کو مذکورہ بالا قانون کی رُو سے ان کی جدی جائداد کا وارث قرار نہیں دیا گیا؟

اگر یہ قانون ناقابل برداشت تھا تو ہندوؤں نے اسکے خلاف آواز کیوں نہ اٹھائی؟

جب یہ سب کچھ صحیح اور درست اور حقیقت پر مبنی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ۸۰ سال تک تو ان کی طرف سے یہ آواز نہ اُٹھی۔ کہ :-

"ہندو قوم کے افراد شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے"

مگر آج جبکہ مسلمانان کشمیر نے اس سوال کو اٹھایا۔ تو اس وقت یہ اولنگھن ناقابل برداشت بن گیا؟

جب برطانوی علاقے کے ہندو اسے برداشت کر رہے ہیں تو ریاستی ہندو بھی برداشت کر سکتے ہیں

جب برطانوی علاقہ کے ۲۴ کروڑ ہندو اس اولنگھن کو برداشت کر رہے ہیں۔ اور خوشی سے برداشت کر رہے ہیں۔ تو ریاست کشمیر کے چند لاکھ ہندوؤں کے لئے اس کا برداشت کرنا کس طرح ممکن نہیں؟

اگر اس قانون کی منسوخی ہندو دہرم کی رُو سے واقعی ناقابل برداشت ہوتی - تو برطانوی ہند کے ۲۴ کروڑ ہندو اسے ہرگز برداشت نہ کرتے۔ مگر چونکہ انہوں نے برداشت کیا۔ اور خوشی سے برداشت کیا۔ اس لئے ہم کہیں گے۔ کہ یہ قانون کوئی ایسا قانون نہیں کہ جس کی تنسیخ سے ہندو مذہب کا کوئی بنیادی اصول ٹوٹتا ہے۔ یا اس کی کسی ضروری اور بنیادی مریادا کا اولنگھن ہوتا ہے،

ایک تھوتھا عذر اور اس کی تردید

اگر کہا جائے۔ کہ یہاں برطانوی ہند کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ انگریزوں کے

ماتحت ہے۔ ور ریاست کا والی ہندو ہے۔ اس لئے اس ہندو ریاست میں ہندو قوانین کی منسوخی ناقابلِ برداشت ہے۔ تو یہ بھی کوئی معقول عذر نہیں۔ کیونکہ جس قسم کے ہندو ریاست میں بستے ہیں۔ اسی قسم کے ہندو برطانوی ہند میں بھی رہتے ہیں۔ جب ان کا مذہب ایک، ان کے وید ایک، ان کے شاستر ایک، ان کی سمرتیاں ایک ہیں۔ تو پھر کس طرح مان لیا جائے۔ کہ برطانوی ہند اور ریاستی علاقہ کا معاملہ الگ الگ ہے،

یہ بھی کوئی دلیل ہے۔ کہ برطانوی ہند چونکہ ایک غیر قوم کے تحت میں ہے۔ اسلئے وہاں یہ منسوخی قابلِ برداشت ہے۔ اور ریاست میں ناقابلِ برداشت؟

جب اس قانون کی تنسیخ ہندو دھرم کی رُو سے ناقابلِ برداشت ہے۔ تو وہ ہر جگہ ہی ناقابلِ برداشت ہوگی۔ خواہ وہ برطانوی ہند میں ہو یا ریاست کشمیر میں لیکن چونکہ برطانوی ہند کے ۲۴ کروڑ ہندو اسے ۸۰-۹۰ سال سے برداشت کر رہے ہیں۔ اس لئے ریاست کے چند لاکھ ہندو بھی آسانی کے ساتھ اسے برداشت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جب ریاستی ہندوؤں کے مشیر کار، حامی اور پشت پناہ اسے برداشت کر رہے ہیں۔ تو اُن کے پٹھو برداشت نہیں کر سکتے؟

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ریاست جموں و کشمیر چونکہ ایک ہندو ریاست ہے۔ اس لئے وہاں ہندو قانون کی کسی مریادا یا حد کو توڑنا مذہباً جائز نہیں۔

کیا ریاست جموں و کشمیر نے کسی ہندو قانون کو منسوخ نہیں کیا؟

تو کیا اس قسم کی رذیل اور بودی دلیلوں سے کام لینے والے ہمیں بتلائیں گے۔ کہ اس ہندو ریاست نے ہندو دھرم کی باقی تمام مریاداؤں کو قائم رکھا ہے؟ کیا اس نے ہندو دھرم کے ہر ایک قانون کو قائم رکھا ہے؟ کیا اس کے موجودہ قوانین ہندو دھرم کے قوانین سے تطابق رکھتے ہیں؟ اگر نفی میں جواب دیا جائے۔ تو ایسی حالت میں معترض خود ہی بتلائیں۔ کہ جب ریاست میں اور بھی کئی

ہندو قانون منسوخ ہو چکے ہیں۔ تو پھر دوسرے بہت سے قوانین کی طرح اس قانون کی منسوخی بھی کیوں نہ وہاں قابل برداشت سمجھی جائے؟

اور اگر جواب مثبت میں ہو۔ تو وہ غلط ہوگا۔ کیونکہ آج جس ریاست کو ہندو ریاست بتلایا جا رہا ہے۔ اور وہاں کسی ایک ہندو قانون کی منسوخی بھی ناقابل برداشت قرار دی جا رہی ہے۔ خود اسی ریاست میں ایک نہیں دو نہیں بیسیوں قانون معطل اور بیکار ٹھہرائے جا چکے ہیں۔

اگر واقعی ریاست جموں و کشمیر کا دیوانی اور فوجداری قانون ہندو سمرتیوں پر مبنی ہوتا۔ اگر وہاں ہندو لا اور قانون ہی کا رواج ہوتا۔ تو ایسی حالت میں ہم مان سکتے تھے کہ ریاست کشمیر میں اس قانون کی منسوخی ناقابل برداشت ہوگی۔ لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو۔ تو ایسی حالت میں کس طرح ہم تسلیم کر لیں۔ کہ وہاں اس قسم کے قوانین کو منسوخ کروانا شاستر مریادا کا اولنگھن ہے جسے ہندو برداشت نہیں کر سکتے؟

اگر ریاست میں اس قانون کی منسوخی ناقابل برداشت ہے تو دوسرے بہت سے قوانین کی منسوخی کیوں برداشت کر لی گئی ہے؟

اگر ریاست جموں و کشمیر میں شاستر مریادا کا اولنگھن اور سمرتیوں کے فرمودہ احکام کو معطل قرار دینا ناقابل برداشت نہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ریاست نے سمرتیوں کی بہت سی مریاداؤں کا اولنگھن کیا۔ اور ان کو منسوخ یا معطل قرار دے کر حسب ضرورت اور نئے قانون وضع کئے،

اگر ریاست جموں و کشمیر میں ہندو شاستروں کے قوانین کا منسوخ کیا جانا ناقابل برداشت ہے۔ تو ہندو مہاسبھائیوں نے اس وقت جبکہ ریاست نے ہندو سمرتیوں کے بیسیوں احکام اور قوانین کو نظر انداز کر دیا تھا۔ کیوں نہ واویلا کیا؟

ریاست نے جن ہندو قوانین کو منسُوخ کیا انمیں سے چند ایک کا ذکر

کیا انہیں معلوم نہیں۔ کہ منوسمرتی کا یہ صاف اور واضح قانون ہے۔ کہ جو راجہ کسی ملک کو فتح کرے۔ اس پر خود قبضہ نہ کرے۔ بلکہ وہاں کے مفتوح والی کے کسی عزیز رشتہ دار کو گدی پر بٹھا کر اس جگہ اپنے قوانین نافذ کرے۔ جیسا کہ منوسمرتی کے اصل الفاظ سے ظاہر ہے:-

(۱) "راجہ کو چاہیے۔ کہ پراجت (مفتوح) ہوئے لوگوں کی سمتی (رائے) لے کر پراجت راجہ (مفتوح راجہ) کے سمبندھی (رشتہ دار) کو راج گدی پر بٹھا دے۔ اور اپنے نیم (قانون) پرچلت (رائج) کرے" (منو $\frac{۷}{۲۰۲-۲۰۳}$)

مگر کیا ریاست جموں و کشمیر کے بانی نے اس شاستر مریادا کا اولنگھن نہیں کیا۔ کیا پونچھ، راجوری، مظفر آباد وغیرہ کئی آزاد ریاستوں کو فتح کرنے کے بعد وہاں پر اپنا تسلط نہیں جمایا، حالانکہ اس پر شاستری احکام کی رُو سے فرض تھا۔ کہ جن علاقوں کو زیر کیا تھا۔ وہاں انہیں کے سابق حکمرانوں کے رشتہ داروں کو ان کا جانشین بناتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ کیا یہ شاستر مریادا کا اولنگھن نہیں؟ کیا ہندو مہا سبھائیوں نے اُن کے اس فعل کی کبھی بھول کر بھی مذمت کی؟

پھر شاستروں کا یہ بھی حکم ہے کہ:-

(۲) "جرمانہ کا روپیہ (راجہ) آپ نہ رکھے۔ ودوان اور دھرم آتما برہمنوں کو دے دیوے" (منو $\frac{۹}{۲۴۴}$)

مگر کیا ریاست کشمیر میں اس پر عمل ہوتا ہے؟ پھر یہ بھی گوتم سمرتی کا حکم ہے۔ کہ:-

(۳) "چورائی ہوئی بستو (مال مسروقہ) نہ ملے۔ تو راجہ کو چاہیے۔ کہ اس کا مول دھنی (صاحب مال) کو اپنے خزانہ سے دے" (گوتم سمرتی $\frac{۱۰}{۴۶}$)

مگر کیا ریاست جموں و کشمیر میں اس دستور پر عمل ہوتا ہے؟ کیا جن لوگوں کا مال چوری ہو جائے اور پولیس کے تلاش کرنے پر بھی نہ ملے۔ انہیں ریاست کے خزانہ سے معاوضہ ملتا ہے؟

(۴) "(لاوارث) پڑی ہوئی چیز ملے۔ تو اس کی حفاظت (راجہ) اچھے لوگوں سے کرا کے رکھے۔ اور راجہ اس کے چرانے والوں کو ہاتھی سے مروا دے" (منو ۸/۳۴)

کیا شاستر کے اس حکم کی تعمیل آج کل بھی کی جاتی ہے؟ کیا آج تک کسی چور کو ہاتھی سے مروایا گیا؟

(۵) "راجہ مرتا بھی ہو۔ تو بھی وید پڑھنے والے برہمن سے محصول نہ لیوے" (منو ۷/۱۳۳)

کیا اس واضح حکم پر آج کل عمل ہوتا ہے۔ کیا امرناتھ وغیرہ ہندو تیرتھوں پر جانے والے وید پاٹھی براہمنوں سے محصول نہیں لیا جاتا؟ کیا آریہ سماجی پنڈت بھی پرچار کیلئے وہاں جاتے ہیں۔ کیا ان سے بھی محصول نہیں دہرا لیا جاتا؟

(۶) "گورو کی عورت سے جماع کرنے والا، شراب پینے والا، برہمن کا سولہ ماشہ سونا چرانے والا، براہمن کو مارنے والا۔ ان چاروں کی پیشانی پر حسب سلسلہ نشانات مرقومہ ذیل کرنا چاہیئے، یعنی فرج کی صورت۔ شراب و گلاس کی صورت۔ کتے کے پاؤں کی صورت۔ بے سر کے آدمی کی صورت" (منو ۹/۲۳۷)

کیا ریاست جموں و کشمیر میں اس قسم کے پاپیوں کے ماتھے پر اس قسم کے نشان آج کل داغے جاتے ہیں؟

(۷) (عدالت) قسم اس طریق سے کرا دے۔ کہ یا تو (گواہ سے) آگ اٹھوا کر یا پانی میں کھڑا کر کے۔ یا بیٹے کے سر پہ ہاتھ رکھوا کر جس کو آگ نہ جلا دے یا پانی نہ ڈبا دے۔ یا جو جلدی دکھ نہ پاوے۔ اس کو قسم میں پاک (سچا) جاننا چاہیئے" (منو ۸/۱۱۴-۱۱۵)

کیا ریاست کی عدالتیں گواہوں سے اسی طریق پر گواہی لیتی ہیں؟ اگر کہئے نہیں تو کیا یہ شاستر مریادا کا اُولنگھن نہیں؟

(۸) "دوسرے کی عورت مرقومہ بالا سے جماع کرنے والے آدمی کو لوہے کے گرم پلنگ پر سلا کر چاروں طرف لکڑی رکھ کر آگ لگا دے۔ جس سے وہ پاپی مرجائے۔" (منو $\frac{8}{372}$)

کیا ریاست کی فوجداری تعزیرات میں ایسے پاپیوں کے لئے یہی سزا مقرر ہے؟ اگر کہئے نہیں۔ تو کیا یہ ہندو لا کے خلاف نہیں؟

(۹) "شودر اگر کسی اُونچ جاتی (براہمن۔ کشتری۔ ویش) کو توہین آمیز کلمات کہے اور غصہ کی حالت میں حملہ کرے۔ تب اس نے جس عضو سے حملہ کیا ہو۔ راجہ اس کے اُسی عضو کو کٹوا دے۔ اور اگر (شودر) اپنے سے بڑوں کی عورتوں سے زنا کرے تو اس کا لنگ کٹوا دے۔ اور اگر وہ خود ہی مرجائے۔ یا اپنی کسی طریق سے حفاظت کرے۔ تو اس کی مزید سزا یہ ہے۔ کہ راجہ اُسے مارڈالے۔"

کیا ریاست جموں وکشمیر میں ہندو سمرتیوں کا یہ قانون رائج ہے؟ اگر کہئے نہیں۔ تو کیا یہ شاستر مریادا کو منسوخ کرنا نہیں ہے؟

(۱۰) "شودر اگر وید کو سن لے۔ تو راجہ (پگھلتے ہوئے) سیسے اور لاکھ سے اس کے کان بھر دے (اگر شودر) وید منتر کا اُچارن (تلفظ) کرے۔ تو اس کی زبان کٹوا دے، اگر وہ وید کو پڑھے۔ تو اس کو قتل کر دے۔" (گوتم سمرتی ادھیائے ۱۲)

اگر ریاست جموں وکشمیر میں سمرتیوں پر عمل کیا جاتا، اگر شاستر مریادا کا اولنگھن کیا جاتا۔ ان کے قوانین وہاں رائج کئے جاتے۔ تو کیا یہ ممکن تھا۔ کہ آریہ سماج نے ریاست کے جن ہزار ہا شودروں کو وید منتر سنائے اور ان کی زبان پر جاری کئے۔ وہ قتل

ہونے سے بچ جاتے؟

یہی کیوں اور بھی درجنوں اور بیسیوں شاستری قانون آج ریاست میں معطل اور منسوخ قرار دئے جاچکے ہیں اور ان کی جگہ اور قسم کے قوانین لفاذ پذیر ہیں

اب مہاسبھائی بتلائیں تو یہی۔ کہ جب ہندو شاستروں کے متعدد احکام اور قانون ریاست نے منسوخ کر چھوڑے ہیں۔ اور ان کی منسوخی ریاست اور برطانوی ہند کے ہندوؤں نے خاموشی سے برداشت کر لی۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ایک ایسے قانون کی منسوخی برداشت نہ کی جائے جو ۸۰ - ۸۲ سال سے خود برطانوی ہند کے ہندوؤں نے بھی خوشی سے برداشت کی ہوئی ہے؟

ریاست میں ہندو قانون کی منسوخی کی تازہ مثال

یہ تو پرانی باتیں ہیں۔ ہم ایک تازہ مثال بھی سناتے ہیں۔ ہندو سمرتیوں میں صغیر سنی کی شادی کا قطعی اور واضح قانون موجود ہے۔ اور صاف اور صریح لفظوں میں اس قسم کے احکام پائے جاتے ہیں۔ کہ دس سال تک کی لڑکی کا ضرور ہی بیاہ کر دینا چاہیئے۔ اور جو ہندو اس پر عمل نہ کرے گا۔ وہ دوزخی سزا کا مستوجب ہوگا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل پرمانوں اور حوالوں سے ظاہر ہے:۔

بالغ لڑکیوں کی شادی ہر شاستروں میں ممنوع ہے

شیگربودھ کا حکم

"اشٹ ورشا بھوید گوری نو ورشا چہ روہنی
دش ورشا بھویت کنیا نت اُدہرم رجسولا

ماتا چیو پتا تسیا جنشیٹھو بھراتا تتھیو چہ
تریستے نرکم یانتی درشٹوا کنیام رجسولا"

ترجمہ۔ آٹھ برس کی لڑکی کا نام گوری اور نو برس کا روہنی اور دس برس کی لڑکی کا نام کنیا ہوتا ہے۔ دس برس کے بعد حائضہ ہو جاتی ہے۔ اگر لڑکی کے ماں۔ باپ اور بڑا بھائی حائضہ ہونے سے قبل اس کی شادی نہیں کرتے تو وہ تینوں دوزخ میں جاتے ہیں۔"

سنورت سمرتی کا حکم

سنورت سمرتی میں بھی یہی دو شلوک لکھے ہیں۔ جو انگیر بودھ کے حوالے سے ہم نے اوپر درج کئے جس سے ظاہر ہے کہ سنورت رشی کے نزدیک بھی نابالغ لڑکی کی شادی کرنا ہی ضروری ہے کیونکہ بالغ لڑکی کا بیاہ کرنا اس کے ماں باپ اور بڑے بھائی کو دوزخی بنا دیتا ہے۔ اور اسی لئے سنورت سمرتی نے ان کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔ کہ

"اس لئے لڑکی کے حائضہ ہونے سے پہلے ہی اس کو بیاہ دینا چاہیئے اور آٹھ برس کی عمر والی کی شادی تو بہت ہی بہتر ہے۔"

(سنورت سمرتی ادھیائے ۱ شلوک ۶۶-۶۷-۶۸)

پاراشر سمرتی کا حکم

پراشر رشی نے بھی اپنی سمرتی میں یہی شلوک درج کرتے ہوئے نابالغ لڑکی کا بیاہ ضروری ٹھہرایا ہے۔ اور بصورت دیگر بالغہ کے ماں باپ اور بڑے بھائی کو جہنمی ٹھہرایا ہے۔ (دیکھئے پراشر سمرتی ادھیائے ۷ شلوک ۵-۶) بلکہ چھٹے شلوک میں کہا ہے۔ کہ

"اگر کنیا ۱۲ برس کی ہو جائے۔ اور اس پر بھی اس کی شادی نہ کی جائے تو اس آدمی کے پتر (مردہ بزرگ) گویا اس لڑکی کا ہر مہینہ حیض پیتے ہیں۔"

اسی طرح بیاس سمرتی (جس کا حوالہ گذشتہ صفحات میں دیا جا چکا ہے) وغیرہ کئی سمرتیاں یہی حکم دیتی ہیں کہ لڑکی کی شادی بلوغت سے قبل ہی کر دینی چاہئے۔ ورنہ اس کی ماں کو اس کے باپ کو اور اس کے بڑے بھائی کو نرک میں جانا پڑے گا۔

ہندو پنڈتوں کا متفقہ فیصلہ کہ بالغ لڑکی کی شادی

ہندو دہرم کے خلاف ہے

اور یہی وجہ ہے۔ کہ اکثر چوٹی کے ہندو پنڈت یہ اعلان کر چکے ہیں جیسا کہ ایڈیٹر رسالہ براہمن سروسو کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:-

"یہ یقینی اور قطعی بات ہے۔ کہ سناتن دہرمیوں کے مسلمہ گرنتھوں نے یک آواز بالغ لڑکی کا بیاہ ممنوع بتایا ہے" (رسالہ براہمن سروسو ماہ ستمبر ۲۹ء صفحہ ۲۹۵)

"شاردا ایل دہرم شاستروں اور قدیم دستور کے صریح خلاف ہے جس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہو سکتا" (رر ماہ اگست ۲۹ء صفحہ ۳۶۷)

اسی طرح ہندوستان کے نامی گرامی اور چیدہ پنڈتوں نے ۲ر نومبر ۲۹ء کو دہلی میں جمع ہو کر باتفاق رائے یہ ریزولیوشن پاس کیا تھا۔ کہ

"آل انڈیا سناتن دہرمیوں کا یہ خاص اجتماع ضروری سمجھتا ہے کہ آخری اطلاع قیصر ہند۔ وزیر ہند اور وائسرائے کے پاس بھیجدی جائے۔ کہ

ساردا ایکٹ سناتن دہرم کے قطعی مخالف ہے ...... جسے سناتن دہرمی کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتے"

(براہمن سروسو ماہ ستمبر ۲۹ء صفحہ ۱۶۱)

اب ایک طرف ہندو سمرتیوں اور پنڈتوں کے پرمان رکھئے اور دوسری طرف جموں وکشمیر کا وہ قانون ملاحظہ فرمائیے۔ جو شاردا ایکٹ کی نقل کرتے ہوئے پاس کیا گیا۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ خود اسی ریاست نے کس طرح ایک صاف اور واضح ہندو

قانون کو خود اپنے ہاتھوں بیکار اور منسوخ کر دیا۔ نہ صرف منسوخ کر دیا۔ بلکہ ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا۔ کہ جو شخص شاستروں کے ان صریح احکام پر عمل کرتے ہوئے چھوٹی عمر میں لڑکی کی شادی کرے گا۔ وہ مستوجب سزا ہوگا،

پس جب خود ریاست نے ضرورت کے ماتحت ہندو شاستروں کے صاف اور واضح قوانین کو پس پشت ڈال دیا۔ اور اپنے حکم سے ان پر خطِ نسخ کھینچ دیا۔ تو کیا ایسی حالت میں مہاسبھائیوں کا یہ کہنا کسی حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے۔ کہ ہندو ریاست میں کسی ہندو قانون کا منسوخ کیا جانا ہندو دہرم میں کھُلی کھلی مداخلت ہے۔ جو ہندو افراد کے لئے قطعاً ناقابلِ برداشت ہے؟

اگر ہندو ریاست میں کسی ہندو قانون کا منسوخ کیا جانا برداشت سے باہر ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ جن دنوں ریاست نے شاردا ایکٹ کی طرز کا قانون پاس کیا۔ اُس وقت ریاست اور برطانوی ہند کے ہندوؤں نے اس کے خلاف واویلا نہ کیا؟ جلسے نہ کئے، جلوس نہ نکالے۔ مظاہرے نہ کئے۔ ریزولیوشن پاس نہ کئے، اخباروں میں مضمون نہ لکھے اور ریاست کو دہمکیاں نہ دیں؟

اگر اُس وقت اس قانون کی منسوخی کو دیکھ کر انہوں نے کسی قسم کا مخالفانہ مظاہرہ نہیں کیا۔ تو آج کیوں یہ انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں اور بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے اور دہمکیاں دیتے ہیں۔ کیا اس کا یہی مطلب تو نہیں۔ کہ وہ اس قانون کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کو روکنا چاہتے ہیں؟ اور وہاں کے مسلمانوں کو شدھ کرنے کی جو سکیم مہاراجہ رنبیر سنگھ آنجہانی نے تیار کی تھی۔ اس کو اس قسم کے قوانین کی مدد سے عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں۔

جب ہی ہندو ریاست قبل ازیں کئی ایک شاستری قوانین منسوخ کر چکی۔ اور دہرم شاستر کی بہت سی مریاداؤں کو باطل قرار دے چکی۔ تو کیا ایسی حالت میں وہ قانونِ

وراثت میں مناسب ترمیم کر کے تبدیل مذہب کرنے والوں کو (خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان سکھ ہو یا بودھ) ان کی جدی جائداد کا حقدار نہیں بنا سکتی؟ بنا سکتی ہے اور ضرور بنا سکتی ہے۔

کیا مذکورہ بالا دلائل ریاست کے ہندوؤں کیلئے حجت نہیں؟

اگر اس تمام بحث کو پڑھتے ہوئے یہ کہا جائے کہ تمہاری دلائل بیشک معقول اور پیش کردہ حوالجات درست ہیں۔ مگر یہ ریاست اور برطانوی علاقہ کے ہندوؤں پر ہی حجت ہو سکتے ہیں جنہوں نے خود بہت سے ہندو قوانین کو منسوخ کر دیا مگر چونکہ ریاست کے ہندو بھی مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کے خلاف ہیں۔ اسلئے برطانوی علاقہ کے ہندو اور مہاراجہ صاحب بہادر کی گورنمنٹ کس طرح ان کی مخالفت کو نظر انداز کر سکتی ہے؟

مگر جو شخص اس قسم کی رکیک باتوں سے مسلمانان کشمیر کو ان کے اس جائز اور معقول مطالبہ میں ناکام رکھنا چاہتا ہے۔ اسے کان کھول کر سن لینا چاہیئے۔ کہ جب

ریاستی ہندو خود بھی کئی شاستری قوانین عملی طور پر منسوخ کروانیکے درپے ہیں

خود کشمیر کے ہندو بھی ریاست کے سامنے ایسے مطالبات رکھ رہے ہیں جو ہندو دھرم، ہندو شاستروں، ہندو سمرتیوں اور ہندو قانون کے صریح خلاف ہیں۔ تو ایسی حالت میں یہ کہنا کس طرح بجا اور درست ہو سکتا ہے۔ کہ وہ مسلمانانِ کشمیر کے اس مطالبہ کی اس لئے مخالفت کر رہے ہیں۔ کہ اس سے ہندو سمرتیوں کے کسی مفروضہ قانون پر زد پڑتی ہے؟

اگر ان کی مخالفت صرف اسی وجہ سے ہے۔ کہ اس سے ہندو شاستروں کا ایک غیر یقینی قانون منسوخ ہوتا ہے۔ تو پھر وہ خود کیوں ایسے مطالبات منوانے کے درپے ہیں۔ جو ہندو شاستروں کے واضح اور صریح احکام کے خلاف ہیں۔

کشمیری پنڈتوں کے مطالبات شاستری تعلیم کی صریح خلاف ہیں

کیا آنکا کشمیر گورنمنٹ

سے یہ مطالبہ کرنا کہ ہمیں بھی زراعت کیلئے اراضی دی جائے ہندو سمرتیوں ہندو شاستروں اور ہندو روایات کے صریح خلاف نہیں؟ کیا ان کا حکومت کشمیر سے یہ کہنا اور اس پر زور دینا کہ وہ ہمیں صنعت و حرفت سکھلائے اور اس کام کے لئے وظائف دے۔ ہندو سمرتیوں ہندو شاستروں اور ہندو قوانین کے صریح منافی نہیں؟ کیا ان کا ریاست کشمیر پر اس امر کے لئے دباؤ ڈالنا کہ ہمیں کشمیر کے دیہات میں دکانداری اور ساہوکارہ کرنے کے لئے قانونی رعائتیں دی جائیں۔ ہندو شاستروں، ہندو سمرتیوں اور ہندو دھرم کے صریح مخالف نہیں؟

کیا کشمیر کی براہمن آبادی کا زراعت کے لئے زمینیں طلب کرنا اور صنعت و حرفت کے لئے وظائف چاہنا منوسمرتی اور دیگر بہت سی سمرتیوں اور شاستروں کے واضح اور بین احکام سے بغاوت کرنے کے مترادف نہیں؟ کیا منوسمرتی نے براہمنوں کیلئے صنعت و حرفت اور دکانداری ممنوع نہیں ٹھہرائی؟ اگر کہیئے نہیں تو یہ غلط ہے۔ اور اگر مثبت میں جواب ملے تو پھر خود ہی بتلائیے۔ کہ کشمیر کے ہندوؤں کا مسلمانوں کو زراعت و صنعت و حرفت کے کاموں سے بھی محروم کرنے کیلئے اس قسم کے مطالبات کرنا علاوہ بے انصافی کے ہندو دھرم پر بھی کلہاڑا مارنا نہیں ہے؟

جو لوگ اس قسم کے کچے عذرات پیش کر کے مسلمانانِ کشمیر کے ایک جائز اور معقول مطالبہ کو مشتبہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بتلائیں تو سہی۔ کیا کشمیری ہندوؤں کے وفد نے ریاست کے وزیر اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مطالبہ نہیں کیا۔ کہ

"کشمیری پنڈتوں کو فراخدلی سے کاشتکاری کیلئے اراضی دی جائے"

کیا یہ درخواست نہیں کی۔ کہ :-

"ٹیکنیکل (حرفتی) تعلیم کے لئے کشمیری پنڈتوں کو خاص وظائف دیے جائیں"

کیا کشمیری پنڈتوں کے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے پنڈت جیالال کیلم نے

مسٹر کالون وزیر اعظم سے یہ نہیں کہا۔ کہ:۔

"زمیندارہ ریلیف ریگولیشن کی وجہ سے پنڈت کاشتکاروں کو روپیہ قرض نہیں دے سکتے۔ اور دیہات میں معمولی دکانداری نہیں کر سکتے"!

جس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ اگر یہ ریگولیشن منسوخ کر دیا جائے۔ تو وہاں کے پنڈت دیہات میں ساہوکارہ اور دکانداری کر سکتے ہیں، پھر کیا اسی نمائندے نے یہ مطالبہ نہیں کیا "سرکاری ٹھیکے دیتے وقت بھی پنڈتوں کو ترجیح دی جائے"! (اخبار ویر بھارت ۱۸ مئی ۳۲ء صفحہ ۱۱)

اور پھر ان مطالبات کو منوانے کے لئے وہاں کے پنڈتوں نے جلسے نہیں کئے؟ جلوس نہیں نکالے، سول نافرمانی نہیں کی، ستیہ آگرہ اور قانون شکنی نہیں کی؟ اخباروں میں پروپیگنڈا نہیں کیا۔ مہاراجہ صاحب بہادر اور وزیر اعظم کی خدمت میں جا جا کر یہی کچھ نہیں مانگا؟ جب یہ سب کچھ درست اور صحیح ہے۔ تو کیا جو لوگ اس قسم کے مطالبات کرتے ہیں اور ان کو منوانے کے لئے سول نافرمانی تک کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ کیا وہ براہمن کہلا کر بھی ہندو دھرم اور ہندو شاستروں سے کھلی کھلی بغاوت نہیں کر رہے؟ کیا ان کا مسلمانوں کے رہے سہے پیشوں پر بھی قابض ہونے کے لئے اس قسم کے مطالبات کرنا ہندو سمرتیوں اور ہندو شاستروں کی صریح نافرمانی نہیں؟

کیا منو سمرتی میں بغیر کسی اینچ پینچ کے یہ حکم نہیں دیا گیا۔ کہ:۔

"آچار (عمدہ چال چلن) نہ رکھنے والا۔ ہر روز مانگنے والا۔ کھیتی سے اوقات بسر کرنے والا۔ ... بھیڑ بھینس سے زندگی بسر کرنے والا ....

کھیتی باڑی براہمنوں کیلئے حرام جو ایسا کرتا ہے۔ وہ نیچ اور برادری سے خارج

یہ سب نندک آچار (قابل مذمت چلن) والے ہیں (یہ کام کرنیوالے براہمن اچھے) براہمنوں میں ادھم (نیچ)

ہیں۔ پنگت (مجلس یا صف) میں بٹھانے کے لائق نہیں ہیں۔ ان سب کو دیوتا یا پتری کرم میں بھوجن نہ کراوے"

(منوسمرتی ادھیائے ۳ شلوک ۱۶۵ تا ۱۶۷)

جب منو مہاراج صاف لفظوں میں فرما رہے ہیں۔ کہ جو براہمن کھیتی باڑی کر اوقات بسر کرتا ہے وہ نیچ ہے۔ براہمنوں کی برادری سے خارج کئے جانے کے قابل ہے۔ اور دیوتا پتری کرم سے بھی ورجت (خارج) تو کیا اس واضح حکم کی موجودگی میں کشمیر کے پنڈتوں کا ریاست سے یہ مطالبہ کرنا۔ کہ:۔

"کشمیری پنڈتوں کو فراخدلی سے کاشتکاری کے لئے اراضی دی جائے"

اپنے ہی مانیہ دھرم شاستر کو اپنے ہی پاؤں سے ٹھکرانا نہیں ہے؟[لے]

لے۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ بعض لوگ اس موقعہ پر یہ بھی کہیں گے۔ کہ شاستروں نے براہمنوں کو اس قسم کے کاموں کی اجازت دی ہے مگر ایسا کہنے والوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم ان کے دہوکہ میں نہیں آ سکتے۔ کیونکہ ہم اس کے متعلق ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اور ہمیں پتہ ہے۔ کہ کب اور کس حالت میں براہمنوں کو اس قسم کے نیچ کاموں سے پیٹ پالنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر کہو تو بتلا دیں۔ کہ وہ ہے 'وقت مصیبت'۔ اور یہ اجازت بعینہٖ ایسی ہی ہے۔ جیسے قرآن کریم نے مسلمانوں کو سور کھانے کی اجازت دی ہے۔ کب اور کس حالت میں؟ جبکہ جان بچانے کے لئے اور کوئی حلال چیز میسر نہ ہو۔ ورنہ قرآن کریم کا صاف اور صریح حکم ہے۔ کہ خنزیر حرام مطلق ہے۔ اسی طرح براہمنوں کے لئے یہ کام حرام مطلق ہیں۔ مگر چونکہ شاستروں نے مصیبت اور اضطرار کی حالت کو مدنظر رکھا ہے۔ اس لئے یہ اصول بنا دیا۔ کہ "آپت کالے مریادا ناستی"۔ یعنی اگر مصیبت آپڑے۔ اور براہمنوں کو جان بچانے کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو۔ تو اس حالتِ اضطرار میں وہ کھیتی باڑی کا کام کر کے پیٹ بھر لیں۔ پس جو لوگ اس وقتی اور استثنائی حکم کو عام معنوں میں لیتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ شاستروں کا صریح حکم ہے۔ کہ براہمنوں کے لئے کھیتی حرام مطلق ہے۔ ہاں اگر مصیبت اور اضطرار کی حالت آ جائے۔ تو اتنی دیر کے لئے اس کام سے ہی قوت لایموت کا سامان کر لیں، مگر کشمیری پنڈتوں پر اس وقت کوئی مصیبت کا وقت نہیں۔ وہ اپنے مذہبی پیشہ کے ذریعہ اپنا گذارہ بخوبی کر سکتے ہیں۔ اگر کشمیر میں زیادہ کے لئے گنجائش نہ ہو تو برطانوی ہند میں اگر چہ بہتائی کر سکتے ہیں۔ اور کشمیر میں بھی ان کی حالت باقی سب قوموں سے اچھی ہے کیونکہ حکومت کے چھوٹے بڑے عہدوں پر یہی قابض ہیں۔ احمدی چاہجر

جو براہمن ساہوکارہ اور دستکاری کرتا ہے اس کا خاندان تباہ ہو جاتا ہے

جب منوجی مہاراج بغیر کسی اُلجھن کے صاف لفظوں میں فرما چکے ہیں کہ :-

"شلپ وِدیا (ٹیکنیکل تعلیم یا صنعت وحرفت) یعنی دستکاری۔ سُودی روپیہ کا لینا دینا وغیرہ۔ شودر کی لڑکی سے شادی کر کے لڑکا پیدا کرنا۔ گئو وغیرہ جانوروں کی خرید و فروخت کرنے سے براہمن کا خاندان تباہ ہو جاتا ہے"[1]

تو کیا دھرم شاستر کے اس بیّن اور صاف حکم کے ہوتے ہوئے کشمیری پنڈتوں کا ریاست کشمیر سے یہ مطالبہ کرنا۔ کہ

"ٹیکنیکل تعلیم کے لئے کشمیری پنڈتوں کو خاص وظائف دیئے جائیں"

اور انہیں دکانداری اور سُودی کاروبار کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں اپنے ہی مقدس شاستروں کی تعلیم کو پسِ پشت ڈالنا نہیں ؟ جب ہندوؤں کے دھارمک گرنتھ اور مذہبی کتابیں پوری وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کرتی ہیں۔ کہ

"براہمنوں کے چھ کام ہیں۔ ان (چھ) میں یگیہ کرنا۔ دان۔ اور پڑھنا یہ تین ریاضتیں ہیں۔ اور دان لینا۔ پڑھانا اور یگیہ کرانا یہ تین گذر اوقات کے ذریعہ ہیں" اور جو

"مذکورہ بالا اپنے فرائض کو چھوڑ کر دوسروں (کھشتری۔ ویش۔ شودر) کے کاموں کا آسرا لیتا ہے۔ راجہ ان کو سزا دے کر سورگ کا بھاگی (جنّت کا مستحق) بنے" (اتری سمرتی ادھیائے ۱ شلوک ۱۳-۱۷)

اور پھر جب یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ

"براہمن نمک تیل۔ دُودھ بیچنے سے پتت ہو جاتا ہے" (اتری سمرتی ۱/۲)

تو کیا ان روشن اور صاف حکموں کی موجودگی میں کشمیری پنڈتوں کا زراعت صنعت تجارت

[1] منوسمرتی ادھیائے ۳ شلوک ۶۴۔

اور سرکاری ٹھیکوں کے لئے مطالبہ کرنا۔ بلکہ ان کے منوانے کے لئے ریاست پر ناواجب دباؤ ڈالنا۔ اپنے دہرم کی مریادؤں کا اُلنگھن نہیں؟ کیا جن براہمنوں کا کام صرف یگیہ کرنا کرانا۔ دان دینا اور لینا۔ اور وید پڑھنا پڑھانا ہو ان کا آج مسلمانان کشمیر کو زرعی اور صنعتی میدان سے بھی نکال باہر کرنے کے لئے ریاست سے اس قسم کے مطالبات کرنا علاوہ ہندو دہرم کی توہین اور بغاوت کے راجہ کے ڈنڈ (سزا) کا بھاگی (مستحق) بننا نہیں؟

جب سمرتی کار صاف لفظوں میں فرما رہے ہیں۔ کہ جو براہمن سودا سلف بیچے وہ پتت ہو جاتا ہے۔ تو کیا آج کشمیری پنڈتوں کا تجارت کے لئے لمبا اور ریاست سے خاص مراعات کا طالب ہونا۔ انہیں اپنے مذہب سے سرکشی کرنے کے علاوہ (پتت ہو جانے کے باعث) جدی جائداد سے محروم کر دینے والا فعل نہیں؟

یہی نہیں ہم خدا کے فضل و کرم سے اور بھی اسی قسم کے بہت سے حوالہ جات درج کر سکتے ہیں۔ مگر دہرما سبھائیوں کے اس بیہودہ عذر کو توڑنے کے لئے یہ بھی بہت کافی ہیں اور ان کی موجودگی میں اب یہ کہنے کی کسی کو گنجائش نہیں رہ جاتی۔ کہ چونکہ ریاست کے ہندو اپنے مذہب کے بڑے دلدادہ ہیں۔ اس لئے وہ اپنے دہرم شاستر کے کسی حکم کی منسوخی برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ محولہ بالا حوالہ جات اور کشمیری پنڈتوں کے مطالبات اس امر کے مُنہ بولتے گواہ ہیں۔ کہ جس طرح برطانوی علاقہ کے ہندو شاستری احکام کو پس پشت ڈالتے رہے۔ جس طرح ریاست بہت سے شاستری قوانین کو منسوخ کرتی رہی۔ اسی طرح کشمیر کے ہندو بھی اپنے شاستروں کے اتنے پابند نہیں۔ کہ وہ کسی شاستر کے معمولی اور خود ساختہ حکم کی منسوخی کو برداشت نہ کر سکیں۔ جبکہ وہ خود اپنے عجیب و غریب مطالبات کے ذریعہ دہرم شاستروں کے صریح اور واضح قوانین کو بے معنی بنا رہے ہیں،

لہذا جو شخص مسلمانان کشمیر کے اس جائز مطالبہ کے خلاف ریاستی ہندوؤں کی مخالفت کا خوف پیش کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ کیونکہ ہم نے انہی کے دہرم شاستروں کے احکام نقل

کرتے ہوئے بتلا دیا ہے۔ کہ وہ (ریاستی ہندو) خود بھی زراعت، دستکاری، ساہوکارہ اور ٹھیکہ داری کی خاطر اپنے دہرم گرنتھوں کے بہت سے کھلے کھلے حکموں کو اپنے عمل سے باطل اور منسوخ کروانا چاہتے ہیں۔

پس جس حالت میں خود کشمیر کے ہندو کئی دہارمک مریاداؤں کو توڑنے پر بری طرح آمادہ ہیں۔ تو کیا ان کی طرف سے مسلمانانِ کشمیر کے اس مطالبہ کی مخالفت عقلمندوں کے نزدیک کسی حالت میں بھی جائز اور معقول ہو سکتی ہے؟

کس قدر عجیب اور غریب بات ہے۔ کہ وہ مہاسبھائی جو مسلمانانِ کشمیر کے اس مطالبہ پر کہ مذہب تبدیل کرنے پر کسی کو پدری ورثہ سے محروم نہ کیا جائے۔ یہ کہہ کر ریاست کے ارباب بست وکشاد کی نیند حرام کئے دیتے تھے کہ "جو ہندو ایسے قانون کی حمایت کرتا ہے۔ وہ ہندوؤں کا بہی خواہ نہیں۔ ہندو قوم کے افراد شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے"۔ وہ آج پنڈتانِ کشمیر کے ان مطالبات کو سن کر بھی خاموش ہی نہیں نہیں بلکہ ان کے منوانے کے لئے خود بھی ریاست پر زور دے رہے ہیں۔ حالانکہ اگر ان کے دل میں اپنے مذہب کا احترام ہوتا۔ اس کی عزت ہوتی اور یہ ان کا دلی عقیدہ ہوتا۔ کہ "شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں" کیا جا سکتا۔ تو آج ان کی طرف سے پہلے سے کہیں زیادہ ان مطالبات کے خلاف مظاہرے ہوتے۔ اور پنڈتانِ کشمیر کے خلاف انتہائی شور مچاتے۔ اور انہیں مجبور کرتے۔ کہ وہ اپنے مطالبات واپس لیں۔ کیونکہ ان سے شاستر کی مریادا کا اولنگھن ہوتا ہے۔ اور خود ریاست کو بھی مجبور کرتے۔ بلکہ اس سے وعدہ لیتے۔ کہ وہ پنڈتوں کے ان مطالبات کو منظور کرنا تو کجا ان پر غور تک نہ کرے۔ کیونکہ "ہندو قوم کے افراد شاستر کی مریادا کا اولنگھن برداشت نہیں کر سکتے"۔ مگر کتنی حیرت میں ڈالنے والی بات ہے۔ کہ کل جو مہاسبھائی شاستر کی مریادا کا خوف دلا دلا کر ریاست کو مسلمانوں کے ایک واجبی اور معقول مطالبہ کے پورا نہ کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ آج شاستروں کی بدیہی اور واضح مریادا کا اولنگھن ہوتے دیکھ رہے

ہیں۔ اور اس کے خلاف زبان سے ایک حرف تک نہیں نکالتے ہیں اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ پنڈتانِ کشمیر کے ان مطالبات کو سن کر مہاراجہ صاحب بہادر اور وزیر اعظم بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ان پر ہمدردانہ غور کیا جائیگا۔ حالانکہ شاستر راجہ کو حکم دیتے ہیں۔ کہ جو براہمن ایسے کاموں کے مرتکب ہوں۔ وہ پتت ہیں، نیچ ہیں، برادری سے خارج ہیں۔ اور راجہ انہیں سزا دیکر ثواب اخروی حاصل کرے، مگر مسلمانانِ کشمیر اگر ایک معقول مطالبہ کرتے ہیں۔ تو انہیں صاف جواب دیدیا جاتا ہے،

مگر ہمیں امید ہے کہ اگر مسلمانانِ کشمیر صبر سے کام لیں۔ اور پنڈتانِ کشمیر کی اس تازہ مہم پر نگاہ رکھیں تو آگے چل کر انہیں خاطر خواہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ جس وقت بھی پنڈتانِ کشمیر کے مطالبات منظور کرلئے گئے۔ اسی وقت وہ بھی اپنا مطالبہ منوا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت تو اس مطالبہ کو یہ کہہ کر نامنظور کیا گیا ہے کہ یہ شاستری حکم کے خلاف ہے۔ مگر جب پنڈتانِ کشمیر کے مخالف از شاستر مطالبات کو منظور کر لیا گیا۔ تو اس وقت ریاست کا یہ عذر خود بخود ٹوٹ جائے گا۔ اور اس وقت مسلمان اس تازہ نظیر کو پیش کر کے انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے

کیونکہ اب معاملات نے ایسی صورت اختیار کرلی ہے۔ کہ یا تو ریاست کشمیری ہندؤں کے مطالبات پورا کرنے کے لئے شاستری مریادا توڑیگی۔ یا انہیں بھی وہی دلیل دیکر جواب دیدیگی۔ جو مسلمانوں کو دی۔ اور اگر ان کے مطالبات منظور کرلئے گئے۔ تو لازماً اسے مسلمانانِ کشمیر کا بھی مطالبہ منظور کرنا پڑیگا۔ کیونکہ جس طرح بقول ریاست مسلمانوں کا مطالبہ شاستر مریادا کے خلاف ہے اسی طرح پنڈتانِ کشمیر کے مطالبات بھی شاستر مریادا کے خلاف ہیں،

مسلمانانِ کشمیر کے مطالبہ ہذا کے حق میں بہت سے امور ہیں،

اب اس ساری بحث کا مطالعہ کرتے ہوئے انصاف پسند اور شریف الطبع ہندو خود ہی فیصلہ کریں۔ کہ جب ہمارا عقلی استدلال مسلمانانِ کشمیر کے اس مطالبہ کے حق میں ہو، منوسمرتی کی بے اعتباری پر ہندو پنڈتوں کی شہادتیں

اس کے حق میں ہوں، خود منو مہاراج کا پُترت کے معنوں کو اپنے مختلف شلوکوں میں محدود کر دینا اس کے حق میں ہو، پھر سمرتیوں میں تبدیلی کے جواز پر ہندو لیڈروں کی رائیں اس کے حق میں ہوں، برٹش حکومت کا قانون مجریہ ۱۸۵۰ء اس کے حق میں ہو، اس پر برطانوی علاقہ کے ہندوؤں کی منظوری اس کے حق میں ہو، خود ریاست کا بہت سے قوانین کو منسوخ کرنا اس کے حق میں ہو، برطانوی علاقہ کے ہندوؤں کا بہت سی شاستر مریاداؤں کا اولنگھن اس کے حق میں ہو، کشمیری پنڈتوں کا اپنے دہرم شاستر کے صریح خلاف مطالبات کرنا اس کے حق میں ہو۔ تو کیا ان حالات میں مسلمانانِ کشمیر کا یہ مطالبہ کرنا غیر معقول ہو سکتا ہے کہ ریاست مذہبی آزادی پر کسی قسم کی پابندیاں عائد نہ کرے۔ اور اگر کسی شاستر کا کوئی قانون اس کی راہ میں حائل ہو بھی تو اس کو ویسے ہی رد کر دے۔ جیسا کہ اس نے قبل ازیں بہت سے شاستری قوانین کو منسوخ اور باطل کر دیا ہے؟

ہم نہیں سمجھتے۔ کہ جب ہندو مہا سبھائی خود اس قانون کو ۸۲ سال قبل منسوخ کروا چکے ہیں۔ تو آج اگر ریاست میں بھی اسے منسوخ کر دیا جائے تو کونسی آفت آجائے گی؟

جب حال ہی میں ان کے مسلّمہ لیڈر وائسرائے کی مشاورتی کمیٹی میں خود یہ طے کر چکے ہیں۔ کہ:-

"مذہب کی تبدیلی سے کوئی شخص کسی شہری حق سے محروم نہیں ہو سکتا اور نہ اس پر کسی قسم کی سزا وار ہو سکتی ہے" (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۷ فروری ۳۲ء)

تو پھر کس طرح یہ لوگ اس روشنی، تہذیب اور آزادی کے زمانہ میں یہ کہنے میں حجاب محسوس نہیں کرتے۔ کہ ریاست کشمیر کے ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور بودھوں میں سے جو کوئی بھی مذہب تبدیل کرے۔ اُسے مستوجب سزا سمجھنا چاہیئے۔ اور اس کو آبائی ورثہ سے محروم کر دینا چاہیئے؟

ہماری سمجھ میں یہ بات ابھی تک نہیں آئی۔ کہ برطانوی علاقہ کے ہندو جو خیر اپنے

لئے پسند نہیں کرتے۔ وہ ریاستی باشندوں کے لئے کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟ جب اُن کے لیڈروں کا تازہ فیصلہ یہی ہے۔ کہ تبدیل مذہب کرنے والے پر کسی قسم کی سزا وارد نہ ہو سکے گی۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ریاست کے باشندوں کو مذہب تبدیل کرنے پر موردِ سزا سمجھا جائے؟

مگر ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ہر ایک انصاف پسند خواہ وہ ہندو ہو یا سکھ، عیسائی ہو یا بودھ اس بات پر اتفاق کریگا۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کا یہ مطالبہ ہر طرح معقول۔ درست اور انصاف پر مبنی ہے۔ نہ صرف یہی مطالبہ بلکہ ان کے باقی تمام مطالبات بھی ایسے ہی معقول اور بجا ہیں۔ کیونکہ جن غیر جانبدار اصحاب نے بھی ان کے مطالبات کو چشمِ انصاف سے دیکھا ہے۔ وہ انکی معقولیت پر صاد کئے بغیر نہیں رہ سکے،

چونکہ فی الحال یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کے مبنی بر انصاف مطالبات کی تائید میں بہت سے غیر جانبدار اصحاب کی رائیں درج کی جاسکیں۔ اس لئے نمونۃً صرف چند ایک پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ جن کا مطالعہ بتلائیگا۔ کہ بلا شک و شبہ مسلمانانِ کشمیر کا ہر ایک مطالبہ بجا، درست اور معقولیت پر مبنی ہے:-

مسلمانانِ کشمیر کے مطالبات کی تائید میں چند غیر جانبداروں کی رائیں

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی رائے

"مسلمانوں کے مطالبات نہایت معقول ہیں۔ جن کا بوجوہ احسن پورا کرنا مہاراجہ بہادر کے اولین فرائض میں ہے"[1]

اخبار "سٹیٹسمین کلکتہ" کی رائے

"مسلمانوں کے مطالبات بالکل درست۔ ان کی شکایات بالکل بجا اور ان کا خلوص مسلمہ ہے۔ انہوں نے اپنے مطالبات جس صورت میں وضع کئے ہیں، وہ صاف ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے حق سے زیادہ نہیں مانگتے"

[1] سول ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء۔

اور یہی سب سے بڑی دلیل ہے ان کے حق بجانب ہونے کی"۔[۱]

اخبار ہندو مدراس کی رائے "مسلمانانِ کشمیر کے اکثر مطالبات دیگر ریاستوں کی رعایا کی مانند جائز اور

شکایت بجا ہیں۔ ۔ ۔ ۔ یہ ایسی شکایات اور ایسے مطالبات ہیں۔ جن میں کسی کو شک وشبہ ہو نہیں سکتا"

محولہ بالا آراء پڑھ لینے کے بعد ہمارے شریف ہندو مہاسبھائیوں پر بھی واضح ہو گیا ہوگا۔ کہ جن مطالبات کو ہندو مہا سبھائی "غیر معقول"۔ "ملکی مفاد کے خلاف"۔ "قوم پرستی کے خلاف" اور "جنگ و جدل کا آتشکدہ" بتلاتے ہیں۔ وہ ہرگز ایسے نہیں۔ بلکہ "نہایت معقول ہیں" (سول) "بالکل درست ہیں" (سٹیٹسمین) اور "جائز" ہیں (ہندو)

اور جبکہ غیر جانبدار اصحاب کے نزدیک بھی ان کی معقولیت میں "کوئی شک وشبہ ہو نہیں سکتا" (ہندو) تو ایسی حالت میں مہا سبھائیوں کا ان کی مخالفت کرنا اس بات کا روشن ثبوت نہیں۔ کہ یہ مسلمانوں کو ملک کے کسی حصہ میں بھی اپنے "معقول" اور "جائز" حقوق سے مستفید ہونے نہیں دیتے؟

اور کیا ان حالات کی موجودگی میں ڈاکٹر مونجے اور اس کے ہمنواؤں کا مسلمانوں کو یہ کہنا کسی حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے کہ:-

"یہ غلط ہے کہ یہاں سوراج کے بعد ہندو۔ مسلمانوں کو حقوق نہ دیں گے ہندو تو کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا"

جب یہ لوگ ان ریاستوں میں بھی مسلمانوں کو حقوق نہیں لینے دیتے۔ جہاں اس وقت بھی ہندو راج قائم ہے۔ تو یہ برطانوی ہند میں کب سوراج ملنے پر انہیں حقوق دیدینگے؟ کیا جو لوگ مسلمانانِ کشمیر کو بدنام کرنے اور انہیں خائب و خاسر رکھنے کیلئے مذموم سے مذموم چالیں چلتے رہے۔ طرح طرح کے داؤ کھیلتے رہے بلکہ انکے خلاف منصوبہ بازیاں

---

[۱] بحوالہ سٹیٹسمین (از الامان ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

کرتے رہے، ان سے یہ امید کیجا سکتی ہے۔ کہ وہ سوراج ملجانے پر مسلمانوں کو حقوق دیدینگے؟

شریف الطبع ہندؤں سے اپیل

کیا ان کی یہ کارروائیاں اور چالبازیاں ایسی نہیں۔ کہ شریف الطبع ہندو ان کی مذمت کریں؟ کیا ان کی حق و انصاف کے خلاف حرکات اس قابل نہیں، کہ نیک دل ہندو ان پر اظہار نفرت کریں؟ کیا ان کے یہ قابل صد نفرت داؤپیچ اس لائق نہیں۔ کہ منصف مزاج ہندو ان کو ملامت کریں؟

ہم اپنے عزیز اور شریف ہندو دوستوں کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ اگر یہ لوگ تنگدلی اور تنگ نظری نہ دکھاتے، اگر یہ بنیا پن سے کام نہ لیتے، اگر یہ حرص و آز کے شکار نہ ہوتے، تو ہمارا ملک جس کی آزادی اور ترقی کے لئے آپ بھی بے قرار نظر آتے ہیں کبھی کا اپنی مراد کو پہنچ گیا ہوتا۔ اگر پلیٹ فارم اور پریس پر ان کا قبضہ نہ ہوتا۔ اگر لیڈری اور قیادت ان کے ہاتھ میں نہ ہوتی تو آج ملک کی یہ حالت نہ ہوتی،

اگر اس وقت ہندو مسلمانوں میں نفاق و شقاق نظر آتا ہے۔ تو اس کی موجب مہاسبھائی ذہنیت ہے۔ اگر ملک اتفاق و اتحاد کی برکتوں سے محروم ہے۔ تو اس کا سبب بھی یہی مہاسبھائی ذہنیت ہے اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس ذہنیت کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہونے کی ذمہ داری غیر مہاسبھائی شریف ہندؤں پر بھی عائد ہوتی ہے جنھوں نے بروقت اس فتنہ کا سدباب نہ کیا اور غنڈہ پن سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے،

لیکن اب جبکہ اُن پر اس ذہنیت کے بُرے نتائج واضح ہو چکے اور دیکھ لیا۔ کہ یہ لوگ اپنے اعمال اور افعال سے دوسری قوموں کو کس طرح دُور سے دُور تر کئے جا رہے ہیں۔ اور ان کے اندیشوں اور خدشوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے جو متحدہ قومیت اور ملکی مفاد کے لئے سخت ضرر رساں ہے۔ تو کیا ایسی حالت میں ضروری نہیں کہ وہ آگے آئیں۔ اور اپنی قوم کی باگ ڈور ہاتھ میں لے کر اُن کے بوئے ہوئے کانٹے نذرِ آتش کریں۔ اور اپنی

مخلصانہ کوششوں سے ملک کی سبھی قوموں کو مطمئن اور ایک دوسرے کی سچی رفیق اور غمگسار بنا دیں ؟

ہمارے نزدیک ہی نہیں بلکہ ہر بہی خواہ ملک کے نزدیک یہ ضروری ہے ۔ کہ شریف اور انصاف پسند ہندو میدان عمل میں نکلیں اور ایسی راہ اختیار کریں جس سے نہ صرف یہ کہ باہمی بدگمانیاں ہی دُور ہو جائیں ۔ بلکہ ملک کی ہر ایک قوم ، ہر ایک جاتی اور ہر ایک فریق کو اس کے جائز اور واجبی حقوق حاصل ہو جائیں ، اور اس کے لئے ضروری ہے ۔ کہ جہاں وہ اقلیتوں کے حقوق غصب کرنے والوں کو سمجھائیں کہ ان کی یہ روش کسی صورت میں بھی مستحسن نہیں ۔ وہاں ریاست کے ہندو باشندوں کو بھی سمجھائیں ۔ کہ وہ ان لوگوں کے کہنے سُننے میں آ کر اپنے مسلمان ہموطنوں کی جائز ترقی میں روڑے نہ اٹکائیں ،

ریاست کے ہندو عہدہ داروں کو بھی مہا سبھائی اثرات سے پاک کرنا چاہیئے

یہی نہیں بلکہ ریاست کے ہندو عہدہ داروں کو بھی سمجھائیں ، کہ وہ ان لوگوں کے اثرات قبول کرنے سے پرہیز کریں ۔ بلکہ جس طرح مہاراجہ صاحب بہادر فیاض طبیعت ، رودار اور اپنی رعایا سے بلا تفریق مذہب و ملت مشفقانہ سلوک کرتے ہیں ۔ اسی طرح وہ بھی وسیع قلب اور رودار بن کر اور ہر قسم کی طرفداری و تعصب سے بالا ہو کر ریاست کے سبھی فرقوں اور جماعتوں سے مشفقانہ سلوک کریں ۔ تا کہ ان کے اس عمدہ اور منصفانہ برتاؤ کی بدولت ریاست ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہر قسم کے خرخشوں اور فتنوں سے مامون و مصئون ہو جائے ،

اور یہ ہم اس لئے کہہ رہے ہیں ۔ کہ ریاست کے بعض عہدیداروں پر یقیناً مہا سبھائیوں کا اثر پڑ چکا ہے ۔ اور وہ ان کے پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر یہ خیال اپنے دلوں میں جاگزیں کر چکے ہیں ۔ کہ مسلمانانِ کشمیر کی ایجی ٹیشن نہ صرف ہندوؤں کے خلاف تھی ، ہندو عہدہ داروں کے خلاف تھی ، مہاراجہ صاحب بہادر کے خلاف تھی ، بلکہ یہاں مسلم راج قائم کرنیکی نیت سے

تھی جیساکہ ریاست کے ایک بہت بڑے ذمہ وار عہدہ دار ٹھاکر کرتار سنگھ (سابق گورنر کشمیر حال وزیر مال) کے اس لمبے چوڑے بیان سے ظاہر ہے جو دلال کمیشن کے سامنے دیا گیا۔ اور جس میں بقول اخبار پرتاپ

"بجواب جرح گواہ (ٹھاکر کرتار سنگھ) نے کہا۔ کہ ایجی ٹیٹروں کا اصلی مدعا یہ تھا۔ کہ شمالی ہند میں تمام تر مسلم راج ہو جائے" (پرتاپ ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء)

اب خیال فرمالیا جائے۔ کہ جب اتنے بڑے ذمہ وار عہدہ دار کا بھی یہی خیال ہو۔ تو ماتحت عملہ اس قسم کے خیالات میں اس سے بھی زیادہ مبتلا نہ ہوگا؟ اور جب یہ ثابت و ظاہر ہے کہ ریاست کے بعض ہندو عہدہ دار مہاسبھائی پروپیگنڈا کا شکار ہو کر تحریک کشمیر کے متعلق یہی خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ مسلم راج قائم کرنیکی غرض سے تھی۔ تو وہ (عہدہ دار) کس طرح ریاستی مسلمانوں کو ترقی کرنیکا موقع دے سکتے ہیں۔ اور کس طرح ان کے حقوق کو عملی جامہ پہنانے پر برضا و رغبت آمادہ ہو سکتے ہیں؟ جب وہ مہاسبھائی اثرات کے ماتحت یہی سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کا حقوق حقوق چلانا، ایجی ٹیشن کرنا مسلم راج کی خاطر تھا۔ تو اس قسم کا خیال کرنے والوں سے یہ توقع ہو سکتی ہے۔ کہ وہ رعایا کی حقیقی مشکلات اور جائز شکایات کو دور کرنے کی کوشش کرینگے؟ اور مہاراجہ صاحب بہادر نے جن مطالبات کو پورا کرنیکا حکم فرمایا ہے۔ انہیں وہ حیلوں بہانوں سے ٹالتے نہ رہینگے؟ جب ان کے دل و دماغ پر یہی خیال مسلط کر دیا گیا ہو کہ مسلمانان کشمیر کا ملازمتیں مانگنا، عہدے چاہنا، اسمبلی قائم کروانا اپنے اقتدار کو بڑھانے اور یہاں مسلم راج قائم کرنے کے لئے ہے۔ تو کس طرح وہ مسلمانوں کی سقیم حالت کو بہتر حالت میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے؟

چونکہ یہ خیال اور ذہنیت نہ صرف مسلمانان کشمیر کے لئے بلکہ خود ریاست کے امن و ترقی کیلئے بھی سخت مضر اور انتہائی خطرناک ہے۔ اس لئے شریف ہندوؤں کو ایسے عہدہ داروں کی (خواہ وہ زیادہ ہوں یا چند ایک ہی) ذہنیت بدلنی چاہیئے۔ اور انہیں مہاسبھائی اثرات سے

پاک کرنا چاہیئے، اور ان کے دلوں میں جس قسم کے غلط اور بے بنیاد خیالات پیدا کر دئے گئے ہیں۔ ان کا پوری کوشش کے ساتھ ازالہ فرمانا چاہیئے، کیونکہ اگر اس قسم کے نقصان دہ خیالات کو دُور نہ کیا گیا۔ تو ریاست کبھی بھی امن و آسائش سے ہمکنار نہ ہو سکیگی۔

چونکہ ریاست میں امن اور خوشحالی کی اشد ترین ضرورت ہے۔ اس لئے جلد سے جلد وہاں کے ان عہدہ داروں کے مسموم خیالات کو دُور کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنے والی اور حکمران کی طرح فراخ دل، بے تعصب اور روادار بن کر مسلمانان کشمیر کی ان تمام جائز شکایات کو جلد سے جلد دور کر دیں۔ جن کے باعث رہ رہ کر ان کے اندر بے چینی پیدا ہوتی ہے،

ہمیں امید ہے۔ کہ نہ صرف نیکدل ہندو ہی ہماری معروضات پر دھیان دیتے ہوئے اس ضروری امر کی طرف متوجہ ہوں گے۔

وزیر اعظم صاحب بہادر سے بھی نیک توقع ہے

بلکہ جناب وزیر اعظم صاحب بہادر بھی ایسے عہدہ داروں کی ذہنیت بدلنے کی سعی مشکور فرمائینگے۔ کیونکہ اس وقت مسلمانان کشمیر کو جو اطمینان حاصل ہونا چاہئے تھا۔ وہ حاصل نہیں ہوا۔ وہ اس وقت سخت تذبذب کی حالت میں ہیں۔ اور مہاراجہ صاحب بہادر کے ارشادات کو عملی جامہ پہنانے میں جتنی دیر ہو رہی ہے۔ اتنا ہی ان کے اضطراب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ توقع ہے۔ کہ مسٹر کالون صاحب بہادر ایسے بیدار مغز مدبّر وہاں کے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اضطراب کو جلد سے جلد دُور کر کے نہ صرف ہمارے بلکہ مسلمانان کشمیر کے بھی شکریہ کے مستحق ٹھہرینگے۔ اور اس کے ساتھ ہم اس امر کی بھی توقع رکھتے ہیں۔ کہ گلینسی کمیشن کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کے بعد مسلمانان کشمیر کے باقیماندہ جائز اور معقول مطالبات کو بھی مہاراجہ صاحب بہادر سے منظور کروا کر وہاں کے مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مطمئن کر دینگے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

مہاسبھائی ہندوؤں سے اپیل

یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہندو مہاسبھائیوں اور ہندو کانگرسیوں کی تنگدلانہ روش قابل ملامت ہے۔ اور

ملکی معاملات کو پیچیدہ کرنے کا باعث انہی کی تنگ ظرفانہ ذہنیت ہے۔ اور انہی کی وجہ سے مسلمانان کشمیر کو آلام و مصائب میں مبتلا ہونا پڑا۔ انہی کی وجہ سے برطانوی علاقہ کے مسلمان بھی اپنے حقوق حاصل کرنے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے۔ مگر باوجود اس کے پھر بھی ہم اپنے ہندو مہا سبھائی دوستوں سے مایوس نہیں ہوئے اور امید رکھتے ہیں۔ کہ وہ وقت جلد ہی آنیوالا ہے۔ جب ان کو اپنے آپ ہی سمجھ آ جائیگی۔ اور زمانہ کی رفتار اور حالات کا تقاضا انہیں مجبور کر دیگا۔ کہ وہ اپنی روش بدلیں۔ کیونکہ یہ قطعی محال اور ناممکن ہے۔ کہ مہا سبھائی دوسری اقلیتوں کو غیر مطمئن اور حقوق سے محروم رکھ کر کامیاب اور بامراد ہو سکیں

ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اپنی دولت، اپنی لیاقت، اپنی طاقت اور اپنی چالبازیوں اور منصوبوں کی طفیل کچھ عرصہ کیلئے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائیں اور گورنمنٹ پر دباؤ ڈال کر اپنی بات منوالیں۔ مگر یہ حالت ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ہمارے نزدیک جس وقت بھی۔ مسلمان اچھوت اور دوسری اقلیتوں میں بیداری پیدا ہوئی۔ اور انہیں اپنی کس مپرسی اور بیچارگی کا احساس ہوا۔ اسی وقت وہ ان کی ہر ایک چال ہر ایک داؤ اور ہر ایک منصوبہ کو ناکام بنا دینگی۔ اور اس وقت تک چین نہ لیں گی جب تک کہ ملک میں انصاف اور رواداری کا دور دورہ نہ ہو جائے۔ حالات اور واقعات کی رفتار بتلا رہی ہے۔ کہ ایسا ہوگا۔ اور ضرور ہوگا۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہو کہ مہا سبھائی دوست ابھی سے اپنی اصلاح کر لیں۔ اور حرص و آز کی بجائے صبر و قناعت سے کام لیں۔ اور ملک میں اپنا ہی تسلط اور اقتدار قائم کرنیکی مجنونانہ خواہش سے دلوں کو پاک کر کے ملک کی سبھی قوموں کو ان کے حقوق دلائیں۔ تاکہ وہ اس بہت بڑی اور اذیت دہ ندامت اور ناکامی کے صدمہ سے بچ جائیں۔ جو انہیں اپنی ہی بیجا حرص اور ناجائز اقتدار کی خواہش کے ہاتھوں نصیب ہونیوالی ہے

ہم سمجھتے ہیں کہ ہندو مہا سبھائیوں میں بھی دیش بھگت محب وطن موجود ہیں۔ اور ان کی دلی خواہش ہے۔ کہ ملک ایک دفعہ پھر اچھے دن دیکھے۔ اور اس کا نیر اقبال گہن سے

نکل آئے۔ مگر کیا انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی بھی تکلیف کی ہے۔ کہ ایسی خواہش کن ذرائع کو کام میں لانے سے پوری ہوگی۔ اور وہ کون سی راہیں ہیں جنکو اختیار کرنیسے ہی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟ کیا اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ضروری نہیں۔ کہ ملک کی مختلف قوموں اور ملتوں میں اتفاق و اتحاد پیدا ہو۔ ان میں باہمی اعتبار اور اعتماد پیدا ہو۔ اور وہ مسالمت اور رواداری سے کام لیں اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں،

اگر یہ ضروری ہے اور یقیناً ضروری ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ مہا سبھائی اسکی طرف توجہ نہ کرتے ہوئے ہر دیال ایسے مفسدہ پرداز کی مندرجہ ذیل سکیم پر ہی موہت اور گدھ (فریفتہ) ہو رہے ہیں؟

"ہم بھی ایک نیا گل کھلائینگے۔ اور اس گل کی مہک کابل سے کلکتہ اور کشمیر سے راس کماری تک پھیل جائیگی۔ یہ گل ہندو سنگٹھن اور خصوصاً پنجابی ہندوؤں کا سنگٹھن ہے۔ اس سے ہندو ریاست قائم ہوگی۔ پورن شدھی ہوگی۔ اور افغانستان اور سرحد کی فتح ہوگی۔ یہ سب معجزے اور کرامات آئندہ ظہور میں آئینگے" (ملاپ ۱۵ مئی ۲۵ء)

اگر ملک کی آزادی اور خوشحالی کیلئے ضروری ہے۔ کہ ہندوستانیوں میں باہمی محبت، خلوص اور اعتماد پیدا ہو۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ مہا سبھا کا میلانِ طبعیت ہر دیال کی مندرجہ ذیل باتوں ہی کو عملی جامہ پہنانے کی طرف ہے سکہ:۔

"جب ہندو سنگٹھن کی طاقت سے سوراجیہ لینے کا وقت قریب آئیگا۔ تو ہماری جو نیتی (پالیسی) مسلمانوں و عیسائیوں کیطرف ہوگی اس کا اعلان کر دیا جائیگا اس وقت باہمی سمجھوتہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ ہندو مہا سبھا صرف اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیگی۔ کہ نئی ہندو ریاست میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے فرائض اور حقوق کیا ہونگے اور

اُن کی شدھی کی کیا شرائط ہوں گی ؟" (ملاپ ۲۵ مئی ۱۹۴۵ء)

اور اگر مہا سبھا نے ہر دیال کی اس سکیم یا پروگرام کو عمل میں لانے کا تہیہ نہیں کر رکھا۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ وہ مسلمانانِ کشمیر کو حقوق سے محروم کرنا چاہتے ہیں ؟ سندھ کے مسلمانوں کو انکی جائز اکثریت سے مستفید ہونے نہیں دیتے ، پنجاب کے مسلمانوں کو انکی اکثریت کا حق نہیں دیتے ، بنگال کے مسلمانوں کو اپنی اکثریت کا فائدہ اُٹھانے نہیں دیتے ؟ اگر ان کا ارادہ کابل سے کلکتہ (بنگال) اور کشمیر سے راس کماری تک ہندو ریاست قائم کرنے کا نہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ مہا سبھائیوں نے کشمیر کے مسلمانوں کو محروم الحقوق بنانے کے لئے وہاں کے ہندوؤں کو بھڑکایا۔ مہاراجہ صاحب بہادر کو اُن سے بدظن کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ ریاست کے عہدہ داروں کو ان کے خلاف کرنے کی سعیٔ ناروا کی ، برٹش حکومت کو ان کا مخالف بنانا چاہا۔ برطانوی پبلک کو ان سے متنفر و بیزار کرنے کے واسطے قطعی جھوٹ اور بے بنیاد اتہام گھڑے آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے محترم صدر کے خلاف بازاری پروپیگنڈا کیا۔ اور گلینسی کمیشن پر دباؤ ڈالنے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کئے ؟

اگر ان کے مدِ نظر ہر دیال کی سکیم نہیں تو کیا وجہ ہے۔ کہ وہ سندھ کے مسلمانوں کو ناکام رکھنے کیلئے وہاں کے ہندوؤں کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں ؟ اگر ان کی منشاء ہر دیالی سکیم کو کامیاب بنانا نہیں تو کیا وجہ ہے۔ کہ وہ پنجاب کے مسلمانوں کو ناکام بنانے کیلئے سکھوں کو اشتعال دلا رہے ہیں ؟ اگر ان کا مقصد ہر دیال کے مندرجہ بالا الفاظ کو عملی جامہ پہنانا نہیں۔ تو بنگال کی عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کو کیوں مسلمانانِ بنگال کی اکثریت تباہ کرنے کیلئے اکسا رہے ہیں ؟ جب یُوپی کے مسلمان اپنے صوبہ کی ہندو اکثریت کو مٹانا نہیں چاہتے ، جب سی۔ پی کے مسلمان اپنے صوبہ کی ہندو اکثریت کو تباہ کرنا نہیں چاہتے ، جب بہار و اڑیسہ کی مسلمان آبادی اپنے صوبہ کی ہندو اکثریت کو تہس نہس کرنے کی خواہاں نہیں ، جب بمبئی۔ مدراس۔ برار آسام وغیرہ صوبوں کی مسلم اقلیتیں ہندو اکثریت کا حق اکثریت چھیننا نہیں چاہتیں۔ تو کیا

نہ اگر کہا جائے۔ کہ حیدرآباد میں ہندوؤں سے بھی اسی قسم کا برتاؤ ہوتا ہے۔ تو یہ قطعاً غلط ہے جسکے لئے ہمارے دوسرے رسالہ "حکومت آصفیہ اور ہندو مہا سبھائی" کا انتظار کیجئے جس میں اس ناپاک الزام کو بلا شک غلط ثابت کیا جائیگا۔ ان شاء اللہ
(احمدی مہاجر)

وجہ ہے۔ کہ مہا سبھائی۔ کشمیر، پنجاب۔ سندھ اور بنگال کی مسلم اکثریت کو ملیا میٹ کرنے پر آمادہ ہیں؟

جب مسلمان مرکزی گورنمنٹ میں ہندو اکثریت کو نقصان پہنچانے کے متمنی نہیں۔ جب وہ ہندوستان کے اکٹھے نو صوبوں میں ہندوؤں کی اکثریت کو گزند پہنچانے کے خواہشمند نہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ مہا سبھائیوں نے تین، چار صوبوں میں مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو کچل ڈالنے کی ٹھان لی ہے؟

جو کانگرسی، آریہ سماجی اور مہا سبھائی چاہتے ہیں۔ کہ ملک آزاد ہو، اس کو پہلا سا عروج حاصل ہو۔ اور یہ آزاد ممالک کی صف میں سر بلند ہو کر کھڑا ہو سکے۔ تو وہ سُن لیں۔ اور کان کھول کر سُن لیں۔ کہ یہ تمنّا اسی وقت پوری ہو گی جبکہ وہ اپنی ذہنیت کو بدل ڈالیں گے، ناجائز اقتدار اور بے جا تسلّط کی خواہش ترک کر دینگے، دوسروں کو محکوم اور غلام بنانے کی اچھا تیاگ دینگے۔ کیونکہ جب تک وہ اس قسم کی مذموم مگر موہوم امید دل کو دل میں پرورش کرتے رہینگے۔ اس وقت تک نہ تو اقلیّتیں ہی ملک کو سوراج دلانے کی کوشش کرینگی۔ اور نہ برٹش گورنمنٹ ہی اپنا وعدہ کامل طور پر پورا کریگی،

ان کے لئے دو ہی راستے کھلے ہیں۔ یا تو ملک کو آزاد کروائیں۔ جس کیلئے اقلیّتوں کو مطمئن کرنا ضروری ہے۔ اور یا ہمیشہ ہمیشہ کی غلامانہ زندگی کو پسند کریں۔ جو ہر دیال کی ناممکن العمل سکیم کو عملی جامہ پہنانے کے باعث اُن کے مقدر میں لکھی ہے۔

اور اگر انہیں ہماری بات کا اعتبار نہ ہو۔ تو وہ دل کے ولولے پورے کر دیکھیں، انہیں زمانہ خود ہی بتلا دیگا۔ کہ وہ کشمیر سے راس کماری اور کابل سے کلکتہ تک ہندو ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں یا مرکزی حکومت میں حاصل ہونے والے اقتدار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ مگر ہم پھر بھی یہی عرض کرینگے۔ کہ وہ انہونی اور ناممکن الحصول سکیموں کے پیچھے نہ پڑیں۔ کیونکہ ان سے انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ہاں نقصان اور شرمندگی کا احتمال ضرور ہے ہمیں امید ہے۔ کہ ہماری اس مخلصانہ درخواست کو مہا سبھائی دوست قبول کرینگے۔ اور اگر

دو ایسا کرنیکے لئے تیار نہیں۔ تو ہم یہ شعر دوہرا دینے کے بعد اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں،

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے دیتے ہیں

کانگرسی مسلمانوں سے خطاب

اس کے بعد ہم ان کانگرسی مسلمانوں کو بھی جو تصفیہ حقوق کئے بغیر کانگرس میں داخل ہیں۔ یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ وہ حالات کی نزاکت کا خیال کریں۔ اور قوم کے متفقہ فیصلہ کے خلاف اِدھر اُدھر بھٹکنے سے باز آئیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کانگرسی اور مہا سبھائی ہندوؤں نے ان کو جس قسم کا دم جھانسہ دے رکھا ہے۔ وہ نہ صرف ان کے لئے بلکہ ان کی قوم کے لئے بھی ضرر رساں ہے۔ اگر وہ کانگرسی ہندوؤں اور مہا سبھائیوں کے بھرّے میں آکر یہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ اس وقت حقوق کا سوال اٹھانا اور اسے طے کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ سوراج مل جانے پر ہندو، مسلمانوں کو خود ہی وہ تمام حقوق دیدینگے۔ جو طلب کئے جاتے ہیں۔ تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ تصفیہ حقوق کا اگر کوئی موزوں وقت ہے تو وہ یہی ہے۔ اگر اس وقت فیصلہ نہ ہوا۔ تو پھر کبھی بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ جو لوگ محکومی کی حالت میں بھی دوسروں کے حقوق تسلیم نہیں کرتے وہ صاحب اقتدار ہو جانے پر کب ان کی سنیں گے؟

کیا واقعات کشمیر نے ان کی آنکھیں نہیں کھولیں؟ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا۔ کہ کانگرسی اور مہا سبھائی ہندوؤں نے مسلمانانِ کشمیر کو ان کے جائز اور واجبی حقوق سے محروم رکھنے کے لئے کتنی شدید اور غلیظ مخالفت کی؟ ان کو ناکام رکھنے کیلئے کتنا قابلِ شرم پروپیگنڈا کیا؟ اور ان کے جائز و معتدل مطالبات کو غیر معقول، ناقابل قبول اور ریاست کے خلاف بتلایا؟ اور ریاست کو دھمکیاں دیں۔ کہ اگر مسلمانانِ کشمیر کے حقوق تسلیم کر لئے گئے۔ تو ہم یہ کر دینگے۔ اور وہ کر دیں گے،

کیا ان کی یہ قابلِ صد نفرت کارروائیاں اس امر کی منہ بولتی گواہ نہیں۔ کہ یہ لوگ نہ صرف

برطانوی ہند میں بلکہ ریاستی ہند میں بھی مسلمانوں کو اپنے جائز حقوق سے مستفید ہونے نہیں دیتے؟

کیا اب بھی وہ مہاسبھائیوں اور کانگرسیوں کی اسی بات پر یقین کئے رہینگے۔ کہ اس وقت ہندوؤں کے پاس ہے کیا جو مسلمانوں کو دیا جائے۔ ہاں سوراج مل جانے دو۔ پھر ان کے سبھی مطالبات پورے کر دئے جائینگے، کیا تحریک کشمیر نے ان کے اس عذر کی بھی دھجیاں بکھیر کر نہیں رکھدیں؟ کیا ہمارے کانگرسی مسلمان اب بھی ہندوؤں کی اس بات کو حقیقت پر ہی مبنی سمجھینگے

"کہ یہ غلط ہے۔ کہ یہاں سوراج کے بعد ہندو۔ مسلمانوں کے حقوق نہ دیں گے

ہندو تو کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دے ہی نہیں سکتا!" (مونجے)

کیا کشمیر کے واقعات نے ثابت نہیں کر دیا۔ کہ یہ لوگ اپنے اس قول میں بھی سچے نہیں۔ کیونکہ جائز یہ ان علاقوں میں بھی مسلمانوں کے حقوق کی انتہائی مخالفت کرتے ہیں۔ جہاں ہندو ہی سیاہ سفید کے مالک ہیں۔ اور انہیں کا وہاں راج ہے۔ تو کیا جسوقت برطانوی علاقہ میں بھی ان کو ... و اقتدار حاصل ہو گیا۔ تو اسوقت یہاں کے مسلمانوں کو حقوق دیدینگے؟ کیا جن لوگوں کا مقصد نصب العین کشمیر سے راس کماری تک ہندو ریاست قائم کرنا ہو۔ وہ سوراج ملجانے کے بعد مسلمانوں کو فائز المرام ہونے دینگے؟

پس اب جبکہ واقعات کشمیر نے کانگرسی ہندوؤں اور مہاسبھائی سنگھٹنیوں کی اصلی ذہنیت بے نقاب کر دی۔ ان کے دلی منصوبے اور مخفی ارادے منظر عام پر آگئے۔ تو ایسی حالت میں "نیشنلسٹ مسلمانوں" کا کانگرس کے کاز کو اپنی شمولیت سے تقویت پہنچانا قطعاً جائز نہیں، اگر وہ چاہتے ہیں۔ کہ توحید کے نام لیوا بھی اس ملک میں سر بلند ہو کر رہ سکیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں۔ کہ سرکار مدینہ کے غلام بھی اس ملک میں عز و وقار کیساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں۔ کہ اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن، اسلامی لٹریچر اور اسلامی روایات اس ملک میں اپنی پوری آب و تاب کیساتھ قائم رہیں۔ تو انہیں جلد سے جلد اپنی قوم کیساتھ آملنا چاہیئے، اور اپنی طاقت اسلامی مفاد کو ہر قسم کے خطروں سے بچانے کیلئے وقف کر دینی چاہیئے۔ ورنہ بعد میں رونا اور دانت پیسنا ہوگا

مسلمانان ریاست کو مشورہ

اس کے بعد ہم مسلمانان ریاست سے بھی یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ آپکے مطالبات پورا کرنے کے متعلق جس قسم کی سرد مہری اور سست رفتاری سے کام لیا جا رہا ہے وہ بیشک افسوس ہے۔ اور اسکو دیکھتے ہوئے آپ کا گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کرنا بیجا نہیں پھر بھی ہم یہی مشورہ دینگے۔ کہ آپ مہاراجہ صاحب بہادر اور وزیر اعظم صاحب بہادر کے وں پر اعتماد رکھتے ہوئے صبر اور بُردباری سے کام لیں۔ کیونکہ جب آپکے مطالبات معقول۔ اور حق و انصاف پر مبنی ہیں۔ تو کس طرح یہ پورے ہوئے بغیر رہ سکتے ہو۔ ممکن ہے۔ کہ آپکی شاندار اور تابناک قربانیاں اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور ن کو جر م صدر کی کوشش ہائے جلیلہ رنگ لائے بغیر رہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور ر ں گی۔ اور جو کھا رنگ لائینگی۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ جہاں آپ کر اس اور استقلال سے کام لیں۔ اور ہر قسم کے فتنوں۔ فسادوں اور غیر آئینی ہ ہندو ہ اجتناب کرتے ہوئے متفقہ طور پر اپنی آواز بلند رکھیں۔ وہاں اپنے اندرونی با ۔ دجی پرے پھینکتے ہوئے اصلاح اور تنظیم کی طرف پوری پوری توجہ دیں۔ کیونکہ جب پ میں اتحاد۔ اتفاق اور تنظیم پیدا نہ ہوگی۔ اسوقت تک کامیابی محال اور ناممکن ہے۔ جہاں آپ اپنے حقوق حاصل کرنے کیلئے ہر ایک جائز اور آئینی طریق سے کام لیں۔ وہاں یم اور اصلاح کی طرف بھی متوجہ ہوں۔ اور یہ یقینی اور قطعی امر ہے۔ کہ جبوقت بھی آپنے ن اور یک من ہو کر دکھا دیا۔ سمجھئے کہ کامیابی و کامرانی بھی اسی وقت آپ کے پاؤں نے لگ جائیں گی۔

صاحب انقلاب کی اور مانان ہند سے اپیل

آخر میں ہم مسلمانانِ ہند کو بھی ان کا فرض یاد دلاتے ہوئے عرض کرینگے کہ وہ ایڈیٹر صاحب انقلاب کی مندرجہ ذیل اپیل پر توجہ کرتے ہوئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی۔

کی مالی مدد کریں تاکہ وہ اپنے مفید کام کو اسوقت تک جاری رکھ سکے جبتک کہ مسلمانانِ کشمیر فا

"آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے باشندگانِ کشمیر کی جو بے لوث خدمت گذشتہ ایک سال
دی ہے۔ اسکے شکریہ سے مسلمان کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اگر اس کمیٹی کا کام نہایت قا
عہدہ داروں کے ہاتھ میں نہ ہوتا۔ تو خدا جانے ہمارے مظلوم کشمیری بھائیوں کو کسقدر
مصائب سے دوچار ہونا پڑتا۔ اس کمیٹی نے اپنے وسیع ذرائع و وسائل سے کام لیکر مسلمانا
حمایت میں عالمگیر پروپیگنڈا کیا جس سے انگلستان تک کے جرائد و عمائد بلکہ ارباب حکومت تک م
شخص پر ان مطالبات کا حق بجانب ہونا ثابت ہو گیا۔ اسکے علاوہ کشمیر کمیٹی نے سب سے زیادہ اہم
انجام دیں۔ شہداء و مجروحین کے متعلقین کی مالی امداد کی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام کیا۔ گ
ہی کارکنوں کی تنظیم کی اور ماخوذین کی قانونی امداد کیلئے نہایت قابل اور ایثار پیشہ وکلا اور ب
بلا معاوضہ تمام مقدمات کی پیروی کی۔ اور بیشمار مظلوموں کو ظلم و ستم کے پنجے سے چھڑ
مسلمانوں کو غالباً یہ معلوم نہیں۔ کہ بحالات موجودہ بھی کشمیر میں یہ کمیٹی ڈھائی تین ہزار روپیہ
حالانکہ چندے کی آمدنی اس کے چوتھائی حصہ بھی نہیں ہوتی نتیجہ یہ ہے۔ کہ کمیٹی ہزاروں روپے کی مقر
مسلمانوں کی حالت یہ ہے۔ کہ اگر انکی کوئی انجمن کام نہ کرے۔ تو اسکی تنقیص اور لعنت ملامت می
رہیں۔ اور اگر کام کرے تو اسکی امداد سے جی چُراتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مخلص
ہمتیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور نہایت مفید تحریکات بھی ناکام رہ جاتی ہیں۔

اگر مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کے حقوق حاصل ہو جائیں۔ انکے ضرو
حکومت کشمیر کے ہاتھوں مبتلائے مصیبت ہیں مالی امداد پہنچتی رہے۔ اور ان کے بیگناہ
و تشدد کے چنگل سے نجات حاصل ہو جائے۔ تو انہیں چاہیئے۔ کہ کشمیر کمیٹی کی امداد
فیاضی سے کام لیں۔ اور اگر انکا منشا ہے۔ کہ یہ کام بند ہو جائے تو ظاہر ہے۔ کہ ا
نہ ہونیکی صورت میں کمیٹی کے تمام کام خود بخود بند ہو جائینگے۔ لیکن یاد رکھنا چاہ
افسوسناک صورت حالات کی ذمہ داری کشمیر کمیٹی پر نہیں بلکہ خود مسلمانانِ ہند پر عائد ہوگی کہ انقلاب س
مگر نہیں ہمیں امید ہے کہ مسلمانانِ ہند اپنے فرض کو پہچانیں گے اور کشمیر کے [illegible] بھیجا ہوئی [illegible]
دریغ نہ کرنے [illegible] سے بھی زیادہ جوش اور ایثار کا نمونہ دکھائیں گے۔

(ہر قسم کا روپیہ سیکرٹری صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی قادیان کے نام آنا چاہیئے)

خاکسار (ملک) فضل حسین احمدی مہاجر لوکل سکرٹری تبلیغ انجمن احمدیہ قادیان (پنجاب)